غزالہ کی مشترکہ رائے تھی کہ اس سوئے ہوئے جن کو نہیں اٹھائیں گے۔ پتا نہیں یہ ہماری آوازیں سن کر کیسے اپنے کمرے سے باہر نکل آئی۔"

"تمہاری آوازیں سن کر قبر سے مردے بھی باہر آسکتے تھے" ویرا نے اسے گھور کر کہنی سے کہا "ڈیڈی کی واپسی کی خبر سن کر تم اس بری طرح چیخے تھے کہ میں گھبرا گئی تھی۔"

"بس، اب زیادہ تکرار نہیں ہوگی" میں نے ہاتھ اٹھا کر مداخلت کی "جلال سے پہلے اول خان بھی آرہا ہے۔ ان لوگوں کی موجودگی میں یہاں کوئی تماشا نہیں بننا چاہیے۔"

"سب کے یک جا ہونے کا مطلب ہے کہ کوئی اہم اجلاس ہونے والا ہے" ویرا نے ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے ہوئے چٹکی بجا کر کہا "میں دس منٹ میں بالکل فریش اپ ہو کر واپس آتی ہوں۔ ان دونوں کو یہاں پہنچنے میں اتنا وقت تو لگے گا۔"

وہ مڑی اور کچن کی طرف چلی گئی۔ میں سلطان شاہ کے ساتھ ڈرائنگ روم میں بیٹھ گیا۔

"اسے اپنی خواب گاہ کے باتھ روم میں جا کر نہانے کی ضرورت تھی۔ یہ کچن میں کیا کرنے گئی ہے" میں نے قدرے اونچی آواز میں خود کلامی کی۔

"نہانے سے پہلے وہ لیموؤں پر ہاتھ صاف کرے گی" سلطان شاہ نے برا سا منہ بنا کر کہا "کبھی اسے جن میں نچوڑنے کے لیے لیموں کی ضرورت پڑتی ہے اور کبھی اسکاچ کا نشہ ہرن کرنے کے لیے لیموؤں کا شربت پیتی ہے۔ جب فرج کھولتا ہوں، لیمو غائب ہوتے ہیں۔"

غزالہ بھی آگئی۔ اس نے خواب گاہ کے انٹرومنٹ سے جلال کو فون کر دیا تھا، میری غیر متوقع واپسی پر اس کے چہرے سے خوشی پھوٹی پڑ رہی تھی۔

ویرا کی واپسی اور جلال کی آمد سے پہلے اول خان آگیا کیونکہ وہ ہمارے گھر سے قریب، جمشید روڈ پر رہتا تھا جب کہ جلال کو نشتر روڈ پر واقع صدف مینشن سے ہمارے گھر کی دوڑ لگانی تھی۔ ہمارے اس اجلاس کا اہم ترین شریک وہی تھا۔

موسم سرد تھا اور رات گہری ہو چکی تھی۔ ڈرائنگ روم بند ہونے کے باوجود موسم کے اثرات سے متاثر تھا۔ غزالہ نے کسی فرمائش کے بغیر چائے بنانے کا ارادہ ظاہر کیا۔ اول خان اور سلطان شاہ نے خلوصِ دل سے اس کی تائید کی اور وہ کچن کی طرف چلی گئی۔

"مجھے اندیشہ تھا کہ اسپتال والے آسانی سے تمہاری جان نہیں چھوڑیں گے" اول خان ہنستے ہوئے کہہ رہا تھا "ایسے لالچی لوگ اپنے چنگل میں پھنسنے والے مریضوں کے خدائی خیر خواہ بن جاتے ہیں اور آسانی سے ان کا پیچھا نہیں چھوڑتے۔"

"میں نے بیس ہزار روپے گروی رکھوا کر آزادی حاصل کی ہے۔ اس رقم کا حساب نکل ہوگا" میں نے کہا۔

"رقم کے ذکر پر مجھے یاد آیا کہ میں نے تمہارا چیک لاہور بھجوا دیا ہے۔ کل لاہور میں چیک کیش ہوتے ہی ایک آدمی یہاں نقد رقم دے دے گا۔ اس کا کیا کرنا ہے" اول خان نے پوچھا۔

"میرا کہیں کوئی اکاؤنٹ نہیں ہے۔ سارے پیسے جہانگیر کی بیوی کے پاس پڑے ہوئے ہیں۔ یہ پیسے اپنے اکاؤنٹ میں ڈال لینا۔ اس میں سے دو لاکھ تمہارے ہیں" میں نے کہا۔

"میں اس میں سے ایک روپیا نہیں لوں گا۔" اول خان نے برہمی سے کہا "وہ رقم تم چاروں کی ہے۔ تم کو مبارک ہو۔ مجھے اپنے کام کی باقاعدہ تنخواہ ملتی ہے۔ میرے لیے وہی کافی ہے۔ میں یہ رقم اپنے اکاؤنٹ میں جمع نہیں کرا سکتا۔ کسی بدخواہ کو بھنک مل گئی تو میرے کردار پر حرف گیری کا سلسلہ چل نکلے گا۔"

"پھر وہ رقم گھر پر رکھ لینا" میں نے اپنی تجویز پر اصرار کیے بغیر اس سے گزارش کی "مطلع صاف ہوگا تو یہ پیٹ بھی سلمٰی کے پاس رکھوا دوں گا۔"

"کافی دنوں سے گولڈن فارمیسی کے سیٹھ اور اس کی بیوی کی کوئی خیر خبر نہیں ملی" سلطان شاہ نے یاد دلایا۔

"بھارت جانے سے پہلے میں ان سے ملا تھا۔ اب آیا ہوں تو دوسری ملاقات ہوگی۔ تم بھول رہے ہو کہ سلمٰی مجھے لاہور میں بھی ملی تھی۔"

"اوہ! یاد آگیا۔ چوہدری عظمت سلمٰی کا سگا ماموں تھا" وہ چونک کر بولا "اس کی گرفتاری پر وہ تم سے بہت ناراض ہوگی۔"

"میں نے لاہور میں ہی اسے بتا دیا تھا کہ میں بے بس ہوں۔ اس کے ماموں کے گھر سے ہیروئن کی بھاری مقدار برآمد ہوئی تھی۔"

غزالہ ٹرے میں چائے کے ساتھ کچھ سینڈوچ وغیرہ بھی بنا لائی۔ میرا خیال تھا کہ اس نے بلاوجہ تکلف کیا تھا لیکن جب دور شروع ہوا تو ذرا سی دیر میں سینڈوچ صاف ہو گئے۔ غزالہ کے حصے میں ایک ٹکڑا بھی نہیں آسکا تھا جبکہ میری سوئی ہوئی اشتہا جاگ اٹھی تھی اور مزید خوراک کی طلب گار تھی۔

Downloaded from https://paksociety.com

وہ دور ختم ہونے سے پہلے جلال آگیا۔ وہ پوری طرح بیٹھنے بھی نہیں پایا تھا کہ ویرا بن سنور کر آگئی۔ میں اسے دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اس نے اتنی مہارت سے اپنی آنکھوں پر ہلکا سا میک اپ کیا تھا کہ اس کی مخمور آنکھوں کی سوجن بالکل چھپ گئی تھی۔ اسے دیکھ کر کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ تھوڑی دیر پہلے وہ نشے سے بدحال نظر آرہی تھی۔

"تھوڑی دیر پہلے تم فون پر چہک رہے تھے۔ اس وقت اداس اور خاموش ہو" میں نے جلال کو ٹوکا۔

"اس وقت میں اپنے موڈ کی بحالی کے لیے عمدہ چائے کی ایک پیالی کی ضرورت محسوس کررہا ہوں" جلال نے فرمائش کی اور اپنی بات جاری رکھی "چلتے چلتے ایک بری خبر بھی ہے۔ بھارتی درندوں کا تشدد سہتے سہتے آخرکار عبداللہ شہید ہوگیا۔ اللہ اس کی مغفرت کرے۔ وہ بہت محنتی اور جوشیلا کارکن تھا۔ بہیمانہ تشدد کی وجہ سے اس کے دونوں گردوں سے خون رواں ہوگیا اور وہ جاں بحق ہوگیا۔"

ڈرائنگ روم کی فضا یکلخت پرسوز ہوگئی۔ وہ انکشاف میرے لیے شدید صدمے کا باعث تھا کیونکہ میں نے دہلی میں رہتے ہوئے بہت قریب سے عبداللہ عرف ولی رام کی ذاتی خدمات اور صلاحیتوں سے استفادہ کیا تھا۔ اس کی شہادت نے یقینی طور پر عابد اور پرویز کے حوصلے توڑ دیے ہوں گے۔

اول خان نے "فاتحہ" کہہ کر دعا کے لیے دونوں ہاتھ فضا میں اٹھادیے۔ سب نے اس کی تقلید کی۔ ان میں غیر مسلم ویرا بھی شامل تھی۔ ویرا کو آنکھیں موند کر ہاتھ اٹھائے دیکھ کر بے اختیار میرا جی چاہا کہ اس سے پوچھوں کہ فاتحہ کے نام پر وہ کیا پڑھ رہی تھی لیکن اس گمبھیر فضا میں ویرا سے ایسا کوئی سوال کرنے سے جلال کے نازک جذبات مجروح ہوسکتے تھے۔ میں نے زبان نہیں کھولی مگر دل ہی دل میں ویرا کی اداکاری کی داد دیتا رہا۔

فاتحہ کے بعد غزالہ نے ٹی پاٹ پر سے ٹی کوزی اتاردی اور جلال کے لیے چائے بنانے لگی۔ جلال کہہ رہا تھا "آج میں بہت خوش تھا۔ مجھے پہلی بار تجربہ ہوا کہ امریکی کتنے بزدل ہوتے ہیں مگر آخری اطلاع نے مجھے دل گرفتہ کردیا۔ شہید عبداللہ کے لیے میرا دل اداس ہے۔"

"اس کی قربانی رائیگاں نہیں جائے گی، اس کے خون کا بدلہ لیا جائے گا" سلطان شاہ نے پرجوش لہجے میں کہا۔

"ہم سب کو اس کی موت کا گہرا دکھ ہے" اول خان نے لب کشائی کی "جو ہونا تھا وہ ہوچکا ہے۔ ہمارا یہ غم مرنے والے کو واپس نہیں لاسکتا۔ دیکھنا یہ ہے کہ اس کی قربانی سے ہم کس طرح فائدہ اٹھاسکتے ہیں۔ ہمیں ماضی کے بجائے مستقبل پر نگاہ رکھنے کی ضرورت ہے۔"

جلال نے غزالہ کی پیش کی ہوئی پیالی سے گرم اور تازہ چائے کا ایک گھونٹ لیا پھر کہا "آج کسی یمنی نے جان کو سخت مار لگائی ہے۔ وہ اپنے..."

جلال اصل حقیقت سے بے خبر تھا اور فاخرانہ انداز میں اس واقعے کا ذکر کرنے جارہا تھا۔ اول خان نے اس کی بات کاٹ کر کہا "اس یمنی کا نام عبدالماجد الحسینی تھا۔ اس نے ڈینی کے بارے میں انعامی معلومات دینے کے لیے نو بجے جان کو نیٹی جیٹی والے مندر کے پاس بلایا پھر ناک توڑ کر اسے گہری کھاڑی میں پھینک دیا۔"

"اوہ!" جلال کے ہونٹوں سے تحیر زدہ آواز برآمد ہوئی "کیا یہ تم لوگوں کا کوئی پلاٹ تھا؟"

"یہ عبدالماجد الحسینی ہے" اول خان نے میری طرف اشارہ کیا۔

جلال نے متاسفانہ انداز میں اپنے سر کو جنبش دی اور بولا "مجھے یہ جان کر خوشی کے ساتھ افسوس بھی ہوا ہے کہ تم نے یہ شاندار منصوبہ بناتے ہوئے مجھے اپنے اعتماد میں نہیں لیا۔"

"یہ کوئی باقاعدہ منصوبہ نہیں تھا۔ ڈینی نے اسے چھیڑنے کے لیے فون نمبر آزمائے تھے۔ باتیں شروع ہوئیں تو یہ یکایک کسی اور ٹریک پر چل پڑا۔ اس کی باتیں حیران کن تھیں۔ جان شیشے میں اترتا چلا گیا اور یوں بیٹھے بٹھائے ایک سلسلہ چل نکلا۔"

"تم نے اسے آس پاس کے کسی پبلک بوتھ سے فون کیا تھا؟" جلال نے مجھ سے پوچھا۔

"اس کے فون سے ٹیپ یا کوئی اور آلہ منسلک تھا۔ یہاں سے سی ایس ڈی نے اس کی نشاندہی کی تو ہم پبلک بوتھ کے لیے نکل کھڑے ہوئے۔"

"تمہارا اندازہ بالکل درست ہے۔ اس نے اپنی اور عبدالماجد کی پوری گفتگو کا ٹیپ کراچی کے ڈی آئی جی کو دیا ہے" جلال نے بتایا "مجھے حیرت ہے کہ اتنا کچھ ہوجانے کے بعد بھی وہ عبدالماجد کی تلاش میں ہے اور ہر قیمت پر اس تک پہنچنے کی کوششوں میں مصروف ہے۔"

"اس نے تمہیں تصادم کا کیا سبب بتایا ہے؟" میں نے ایک نتیجے پر پہنچ کر سوال کیا۔

"عبدالماجد اس سے مل لیتا۔ وہ ماجد کو دینے کے لیے دو لاکھ روپے بھی اپنے ساتھ لایا تھا لیکن جان سے پہلے وہاں

Downloaded from https://paksociety.com

مورچے سنبھالنے والے امریکی کمانڈوز ماجد کی نظروں میں آگئے۔ وہ خود غائب ہوگیا۔ اس کے کسی آدمی نے جان کو گھیر کر اس کی درگت بنادی۔"

"تم میں سے کسی کو اس کی کہانی کمزور یا بودی محسوس نہیں ہوئی؟" میں نے پوچھا۔

"مضبوط اور مربوط کہانی ہے۔ اس میں کہیں کوئی جھول نہیں ہے۔ اس کا اصرار ہے کہ کراچی میں کام کرنے والے تمام عرب گروپوں کے سرغنوں کو پکڑ کر ان سے ماجد کے بارے میں کڑی باز پرس کی جائے اور وہ جہاں بھی ہے' اسے قابو میں کرلیا جائے کیونکہ وہ چالاک آدمی ڈینی کے بارے میں بہت کچھ بتا سکتا ہے۔"

میرے ہونٹوں پر بے ساختہ مسکراہٹ تیر گئی "یہ ایک اتفاق ہے کہ کسی ارادے کے بغیر ایسی کہانی بن گئی جس کا تانا بانا مضبوط ہے۔ اسے سمندری کھاڑی میں پھینکنے سے پہلے میں نے اسے بتایا تھا کہ ماجد کے نہ ملنے اور اس سے بدسلوکی ہونے کا کیا سبب ہے۔ میری وہ بات بھی اس نے ذہن نشین کرلی۔"

"میرے لیے یہ سب ناقابل یقین ہے۔ ناولوں اور کہانیوں میں ایسا ہوتا رہتا ہے۔ جان جیسے کھاگ کھلاڑی کا دھوکا کھانا ناقابل فہم ہے" جلال بے اعتباری سے بولا "میری یہ شکایت اب بھی باقی ہے کہ اس پلان کے بارے میں تم لوگوں نے آخر تک مجھے اندھیرے میں رکھا۔"

"تمہاری پہلی بات کا جواب یہ ہے کہ ناول اور کہانیاں آسمان سے نہیں اترتیں۔ گردوپیش کے واقعات کا آئینہ ہوتی ہیں۔ شکایت رہ جاتی ہے تو بات وہی ہے کہ یہ پلان نہیں تھا۔ شروع سے آخر تک' سب کچھ بلا سوچے سمجھے ہوتا چلا گیا۔ تمہاری سخت ہدایت تھی کہ جان سے دور رہا جائے۔ پاکستان میں جان کو کوئی نقصان نہیں پہنچنا چاہیے۔ اپنے فی البدیہہ پلان پر قدم بہ قدم عمل کرتے ہوئے مجھے اندیشہ تھا کہ ہم تمہاری ہدایت سے انحراف کررہے ہیں۔ تفصیلات تمہارے علم میں آتیں تو تم سختی سے ہمیں روک دیتے۔ اب ہماری کارروائی کے مثبت نتائج سامنے آچکے ہیں تو تم ہماری بے اعتنائی پر اپنے قلق کا اظہار کررہے ہو۔"

جلال نے بہت غور سے میری بات سنی اور سر ہلا کر بولا "شاید تمہارا تجزیہ بالکل درست ہے۔ نتائج سامنے آنے سے پہلے شاید میرا رویہ کچھ اور ہوتا۔"

"کیا تم محض اس وجہ سے پُرجوش تھے کہ جان اور اس کے سرپرستوں کی توجہ ماجد یمنی کی طرف مبذول ہوگئی ہے"

اول خان نے پوچھا۔

"ہاں! ڈینی سے ان کی پرانی پرخاش ہے پھر بھی وہ دوسرے نمبر پر چلا گیا ہے۔ انہیں یقین ہے کہ ماجد کراچی میں ہے۔ مقامی انتظامیہ اسے جلد پکڑ لے گی۔"

"اسے گھیرنے کے لیے امریکی کمانڈوز بھی بھیس بدل کر نکل پڑے ہوں گے" سلطان شاہ نے اظہار خیال کیا۔

"وہ کمانڈوز باہر سے نہیں آئے۔ ان کا تعلق قونصل خانے کے حفاظتی عملے سے ہے۔ وہ اپنی ڈیوٹی پر لوٹ چکے ہیں۔ کمال کی بات یہ ہے کہ نیٹی جیٹی پر جان کی ناک ٹوٹنے کے سوا کسی کا خون نہیں بہا۔ گولیوں کے دھواں دھار تبادلے کے بعد پولیس پہنچی تو وہاں صرف گولیوں کے خول جا بہ جا بکھرے ہوئے تھے۔ کسی متنفس کا پتا نہیں تھا۔"

"ان لوگوں نے ماجد کو پکڑنے کا بوجھ مقامی انتظامیہ کے سر ڈال دیا ہے۔ خود جان کیا کررہا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"سب سے دلچسپ بات یہی ہے۔ وہ اس واقعے سے اتنا خوف زدہ ہوا ہے کہ آج رات ہی یہاں سے بھاگنے پر تل گیا ہے۔ ان تبدیلیوں کی وجہ سے میں نے اسلام آباد روانگی کا پروگرام ملتوی کردیا اور تمہاری تلاش شروع کردی تاکہ تم سب کو بریف کرسکوں۔ یہاں پتا چلا کہ تم مجھ سے دو ہاتھ آگے چل رہے ہو۔"

"یہاں ماجد پکڑا گیا تو اس کا کیا ہوگا؟" اول خان نے پوچھا۔

"تم لوگوں نے جو کچھ بتایا ہے وہ سننے کے بعد ماجد کی گرفتاری کا کوئی امکان نظر نہیں آتا۔ جان کو خواہش تھی کہ اسے پکڑ کر ڈینی کے بارے میں پوچھ گچھ کی جائے۔ کراچی میں پھیلے ہوئے عرب گروہوں سے اس کے قریبی مراسم معلوم ہوتے ہیں" جلال نے بتایا۔

"آج شام تک امریکی چراغ پا تھے..... پاکستانی حکام کی نیک نیتی پر شکوک وشبہات کا اظہار کررہے تھے۔ اب اچانک ایسی کیا تبدیلی آگئی کہ جان اپنا کام مقامی انتظامیہ کو سونپ کر یہاں سے بھاگنے کی فکر میں ہے" میں نے سوال کیا۔

"نیٹی جیٹی کے واقعے نے انہیں بدترین دفاعی پوزیشن میں دھکیل دیا ہے۔ ایک بار پھر سختی سے یہ سوال اٹھایا گیا ہے کہ نقل وحرکت میں سخت ترین احتیاطی تدابیر پر عمل کرنے کی ہدایات کے باوجود اہم امریکی افسر اور سفارت کار بار بار دور افتادہ ویرانوں میں جاکر مصائب کیوں مول لے رہے ہیں۔ ان کے عزائم مشکوک نظر آتے ہیں۔ اس طرح وہ

Downloaded from https://paksociety.com

مقامی انتظامیہ کے لیے بھی امن وامان کے سنگین مسائل پیدا کررہے ہیں۔ وہ اپنی غیر ذمے دارانہ نقل وحرکت اور پراسرار سرگرمیوں کی وجہ سے نامعلوم اور ناپسندیدہ عناصر کے ہاتھوں مارے جاتے ہیں تو پاکستان اور امریکا کے تعلقات میں تلخی پیدا ہونے لگتی ہے۔ امریکی اپنے افسروں کی حرکتوں کی پردہ پوشی کے لیے پاکستانیوں پر ناجائز دباؤ ڈالنے لگتے ہیں" جلال نے وضاحت سے صورت حال بیان کردی۔

"یہ سوال کس نے اٹھائے ہیں؟" میں نے دھیمی مگر پرخیال آواز میں پوچھا۔

"دفتر خارجہ اور وزارت داخلہ والے امریکیوں پر سخت برہم ہیں۔ حالات نے انہیں اپنی برہمی کے اظہار کا کھلا موقع فراہم کردیا ہے۔ رات کے گیارہ بجے امریکی سفیر کو دفتر خارجہ میں طلب کرکے ایک بہت سخت مگر خفیہ احتجاجی مراسلہ دیا گیا ہے کہ امریکی اہل کار پاکستان کے امن وامان کو برباد کرنے والی حرکتوں میں ملوث ہورہے ہیں۔"

جلال کی وہ وضاحت سن کر مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے وجود میں ٹھنڈ سی پڑگئی ہو۔ میں نے کہا "ان کے خلاف ثبوت ہیں اس لیے انہوں نے خاموشی سے پسپائی اختیار کرلی ہے تاکہ ان کے کرتوتوں پر پردہ پڑا ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ اس واقعے کی دھول بیٹھ جائے گی تو وہ نئی مہم جوئی شروع کردیں گے۔"

"یہ ایک مسلسل عمل ہے۔ جب تک ان کی نیت صاف نہیں ہوگی' ایسے واقعات رونما ہوتے رہیں گے۔ مجھے خوشی ہے کہ تم جیسے عام لوگ ان کے خلاف صف آرا ہوکر بڑی بڑی کامیابیاں حاصل کررہے ہیں۔ آج تو کراچی کی پولیس نے بھی بروقت کارروائی کی اچھوتی مثال قائم کردی۔ جان کو بھینگے ہوئے چوہے کی طرح کھاڑی کے گہرے اور نمکین پانی سے نکالا گیا تو پولیس پہلے سے اس کے استقبال کے لیے تیار تھی۔ اس کا سانس بے ہوش پڑا ہوا تھا۔ پانی میں ڈبکیاں کھا کر وہ اتنا بدحواس ہوچکا تھا کہ اسے کوئی جھوٹ نہ سوجھ سکا۔ اس نے سارا سچ اگل دیا۔" جلال کہہ رہا تھا "اس بکھرے بکھرے سچ کی کڑیاں ہم لوگوں نے سر جوڑ کر ملائی ہیں۔"

"تمہاری آپس کی باتوں سے بہت کچھ سمجھ میں آگیا ہے۔" ویرا نے پہلی مرتبہ زبان کھولی "پھر بھی کئی باتیں وضاحت طلب ہیں۔"

"اس وقت صرف ایک ہی بات وضاحت طلب ہے۔ تم نے شہید عبداللہ کے لیے فاتحہ میں ہاتھ اٹھا کر کیا پڑھا تھا۔" سلطان شاہ نے اچانک وہ غیر متوقع سوال کر ڈالا۔ جلال سمیت ہر ایک کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ سب کی نگاہیں ویرا کے چہرے پر مرکوز ہوگئی تھیں۔

"میں نے عبداللہ کے لیے اپنی عقیدت اور احترام کے اظہار میں علامتی طور پر تمہارے ساتھ ہاتھ اٹھائے تھے۔" ویرا نے چند ثانیوں تک سلطان شاہ کو گھورنے کے بعد سکوت توڑا "مجھے نہیں معلوم کہ تم کیا پڑھ رہے تھے مگر عیسائیوں کا خدا بھی تمہارے خدا کی طرح نیتیں دیکھتا ہے۔ اس وقت میری دعا تھی کہ خدا دوسرے جہان میں اسے اپنے انعامات اور لطف وکرم سے نوازے اور اس کے پس ماندگان کو صبر واستقامت کے ساتھ یہ سانحہ برداشت کرنے کی قوت عطا فرمائے۔"

"ویری گڈ ویرا....!" جلال بے ساختہ بول پڑا "اپنے شہید ساتھی کے لیے میں تم سے اس سے بہتر دعا کی توقع نہیں کرسکتا تھا۔"

"دراصل خدا ایک ہی ہے۔ یہ ہماری عقلوں کا فتور ہے کہ ہم نے اسے اللہ' خدا' گاڈ' بھگوان اور نہ جانے کیا کیا بنایا ہوا ہے۔" ویرا نے اعتماد سے کہا "خدا ایک ان دیکھی اور سب سے بالا دست قوت کا نام ہے جو زندگی کی خالق اور خاتم ہے۔ اس نکتے پر سب متفق ہیں۔ اس سے آگے مذہبوں اور پھر فرقوں تک کا اختلاف پیدا ہوجاتا ہے۔ میں نے اسی نکتے پر اپنی توجہ مرکوز کرکے دعا کی تھی۔"

"مزید ویری گڈ!" سلطان شاہ سب سے پہلے بول پڑا "مجھے اندازہ نہیں تھا کہ کسی مذہبی معاملے پر تمہاری سوچ اتنی واضح ہوگی۔" اس کے لب ولہجے میں ویرا کے لیے تضحیک کا شائبہ تک نہیں تھا۔ سلطان شاہ نے اس کی توصیف کرکے اپنے سوال کی ندامت کو دھو دیا تھا۔

"تم اس وقت صدف مینشن میں بیٹھے کیا کررہے تھے؟" قدرے سکوت کے بعد میں نے جلال سے پوچھا۔

"کئی معاملات تھے۔ سب سے اہم ایک تازہ قیدی تھا جو دو سال سے ایک بھارتی سفارتی افسر کا اغوا مرہنا ہوا ہے۔ اس کا اعترافی بیان لینے کے بعد اس کی گرفتاری ڈکلیئر کردی جاتی۔ اس اقدام کے نتیجے میں عبداللہ کے بچ جانے کی امید کی جارہی تھی مگر ہمیں تاخیر ہوگئی۔ رانے اپنا کام دکھا دیا۔"

"اب اس قیدی کا کیا بنے گا؟" غزالہ نے دلچسپی کے ساتھ پوچھا۔

"پوچھ گچھ کے بعد اسے چھوڑ دیا جائے گا۔ ایسے دسیوں آدمی ہماری نظروں میں ہیں مگر بڑی مچھلیوں کے شکار

Downloaded from https://paksociety.com

کے لیے ان سے چشم پوشی برتی جاتی ہے۔ ہر ملک میں یہی ہوتا ہے۔ عبداللہ بھارتیوں کی قید میں زندہ رہتا تو ہم بھی سودے بازی کے لیے اسے نہ چھوڑتے۔"

"عبداللہ کو مارنے والا کون ہے؟" میں نے دھیمے لہجے میں سوال کیا۔

"ابھی مجھے اس کی شہادت کی ابتدائی خبر ملی ہے۔ ایک دو روز میں یہ بات بھی معلوم ہو جائے گی۔"

"جس طرح امریکیوں نے عبدالماجد الحسینی کے خوف میں مبتلا ہو کر ڈینی کو پس پشت ڈال دیا ہے، تم امریکیوں کے چکر میں پڑ کر اپنے بھارتی دشمنوں کو نہ بھلا دینا۔ ان سے نمٹنا ہماری پہلی ترجیح ہے کیونکہ ہمیں سب سے زیادہ نقصان وہی پہنچاتے ہیں۔ انہوں نے امریکیوں کے ذہنوں کو ہماری طرف سے زہر آلود کیا ہوا ہے۔"

"میں یہ بات اچھی طرح جانتا ہوں اور اسی لیے میں تمہاری تلاش میں تھا۔ امریکی دباؤ میں عارضی کمی سے فائدہ اٹھا کر ہمیں بھارتیوں کو رگڑ دینا چاہیے۔" اس بارے میں جلال کا رویہ ابتدا سے ہی جارحانہ تھا۔ وہ اندر کی بہت سی باتیں جانتا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ بھارتی کہاں کہاں ہمارے پیچھے لگے ہوئے تھے۔

"میرا اندازہ تھا کہ تم نے ہمیں عبدالماجد والے قصے سے آگاہ کرنے کے لیے بلایا ہے۔" اڈل خان بولا۔

"ساری بات وہیں سے شروع ہوئی ہے۔ کراچی سے جان کے قدم نہ اکھڑتے تو میں ڈینی کو بلانے کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ ڈینی کی ذات کو جان نے اپنے لیے خصوصی موضوع بنایا ہوا ہے۔ اس کی اپنی رگڑائی نہ ہو گئی ہوتی تو وہ ڈینی پر عرصہ حیات تنگ کر سکتا تھا۔"

وہ دونوں غیر ضروری باتوں کی طرف بھٹک رہے تھے۔ میں نے جلال کو مخاطب کر کے کہا "بھارتیوں کے سلسلے میں تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟"

"ان کو عبداللہ کی شہادت کا جواب جلد از جلد ملنا چاہیے۔ اس کے اصل قاتل کا سراغ ملتا رہے گا۔ میں چاہتا ہوں کہ تم اپنا کام شروع کر دو۔" اس نے کہا۔

"میں وہی جاننا چاہ رہا ہوں کہ اب مجھے کیا کرنا ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے، زور دے کر کہا۔

"مجھے کچھ کہنے یا بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔ نریش نے تمہیں جو کام سونپا تھا وہ شروع ہو جانا چاہیے۔"

"اس نے مجھے جو فون اور فیکس نمبر دیے تھے ان پر رابطہ قائم کرنے کی کوشش شاید اب کامیاب نہ ہو۔" میں نے خدشہ ظاہر کیا۔

"نتائج کچھ بھی ہو سکتے ہیں۔ ہمیں اپنی کوشش کا آغاز کر دینا چاہیے۔ ہو سکتا ہے کہ کامیابی مل ہی جائے۔"

وہ ٹھیک کہہ رہا تھا۔ دہلی سے امرتسر اور پھر لاہور کے راستے کراچی پہنچتے ہی واقعات کا ایک ایسا سلسلہ چل نکلا تھا کہ مجھے پیچھے دیکھنے یا سوچنے کی مہلت نہیں ملی تھی۔ وہ کراچی میں ہماری پہلی رات تھی۔ ہمیں شہر میں آئے ہوئے پورے چوبیس گھنٹے بھی نہیں ہوئے تھے کہ ہمارے خلاف مسائل نے سر اٹھانا شروع کر دیا تھا۔ واقعات کی وہ لہر جس حیرت ناک تیزی سے اٹھی تھی، اس سے کہیں زیادہ تیزی سے معدوم ہوتی چلی گئی تھی۔

اسپتال میں پناہ لیتے ہوئے میرے ذہن میں یہ خیال راسخ تھا کہ مجھے کم از کم ایک آدھ ہفتے کے لیے وہاں محصور ہونا پڑے گا لیکن وہاں چند گھنٹے بسر کرنے کے بعد ہی جلال کی طرف سے خطرہ ٹلنے کا سگنل موصول ہو گیا اور میں گھر لوٹ آیا۔ وہ سب ناقابلِ یقین سا تھا اور مجھے ایک خواب کی طرح محسوس ہو رہا تھا۔

ان واقعات کے ساتھ ساتھ مجھے یہ یاد تھا کہ کراچی میں بھارتی سفارتی کیڈر میں کوئی ایک ایسا فرد چھپا ہوا تھا جو پاکستان کے خلاف را کے مذموم عزائم کو آگے بڑھانے کے لیے کام کر رہا تھا۔ نریش نے مجھے دہلی میں ایک ماہ کا پیشگی مشاہرہ دے کر اپنا پابند کر لیا تھا۔ اس کی ہدایت کے مطابق مجھے اپنی رپورٹ اس نمبر پر فیکس کے ذریعے بھیجنی تھی۔ ٹیلی فون نمبر پر کسی بہت ہی اہم اور ناگزیر ضرورت کے وقت رابطہ کرنا تھا۔

جب تک میں دہلی میں تھا وہ باتیں اپنی جگہ اٹل تھیں۔ خود میرا منصوبہ تھا کہ میں کراچی واپس جاتے ہی اوٹ پٹانگ یا پھر اخباری اطلاعات پر مبنی رپورٹیں اس نمبر پر فیکس کر کے غداروں کی صف میں اپنی جگہ بناؤں گا اور پھر ان کے گریبان پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش کروں گا۔

بدقسمتی یہ ہوئی کہ ہمارے دہلی بلکہ امرتسر سے نکلنے کے بعد حالات تیزی سے بدلتے چلے گئے۔ انل اور نریش کی لاشوں کی دریافت نے دہلی میں ایک طوفان کھڑا کر دیا۔ پاکستان کے خلاف را اور امریکی سی آئی اے کا گٹھ جوڑ نیا نہیں تھا۔ امریکی گرگوں کے تعاون سے را والوں کو یہ نتیجہ اخذ کرنے میں زیادہ دیر نہیں لگی کہ میں دہلی میں ہونے والی خوں ریزیوں میں سرگرم کردار ادا کر رہا تھا۔ انل اور نریش کو مارنے کے بعد میں امرتسر کے راستے پاکستان فرار ہو گیا تھا۔

Downloaded from https://paksociety.com

بیم گن کا استعمال بھارت میں میری موجودگی کا ناقابل تردید ثبوت قرار پایا۔ راو والوں کی تفتیش کا آخری موڑ یہ تھا کہ انہوں نے ڈینی کے ساتھ مظہر خان کی تلاش بھی شروع کردی تھی۔ میری آخری اطلاعات کے مطابق انہیں یہ شبہ نہیں ہوسکا تھا کہ وہ ایک ہی شخصیت کے دو نام تھے۔

پاکستان اور بھارت کے درمیان سیاسی اور سفارتی تعلقات میں سرد مہری، مغائرت اور کشیدگی کا دور چل رہا تھا۔ یہ کسی بھی طرح ممکن نہیں تھا کہ بھارت کے مطالبے پر پاکستانی حکام مجھے گردن سے دبوچ کر ان کے حوالے کردیتے۔ بھارتیوں کی وہ ضرورت پوری کرنے کے لیے فوری طور پر امریکی حرکت میں آگئے۔ جان ایشکوف بجلی کی سی سرعت سے ایک طیارہ چارٹر کرکے استنبول سے کراچی آپہنچا اور اس نے پاکستانی ایجنسیوں سے ڈینی اور مظہر خان کی گرفتاری کا مطالبہ کردیا۔

بھارتیوں نے مظہر خان کا نام مطلوب افراد کی فہرست میں ڈال دیا تھا۔ مجھے امید نہیں تھی کہ وہ اس نام سے بھیجے ہوئے کسی نمبس پر یقین کرلیں گے پھر بھی ان سے رابطے کی ایک کوشش کرلینے میں کوئی حرج نہیں تھا۔ جلال نے اس نمبر کی نشان دہی کے سوا کوئی بات نہیں کی تھی لیکن ایک اشارہ ملتے ہی میرے ذہن نے کام کرنا شروع کردیا تھا۔ اگر میں اپنے پہلے ہی پیغام میں یہ واویلا مچا دیتا کہ میرے بھارت سے نکلتے ہی میرے ساتھ ظالمانہ امتیاز برتنا شروع کردیا گیا تھا۔ را کا تنخواہ دار ہوتے ہوئے مجھے مشتبہ قرار دے دیا گیا تھا جس کے نتیجے میں پاکستان میں میری آزادانہ نقل و حرکت مخدوش ہوگئی تھی اور میں کراچی میں روپوش ہونے پر مجبور ہوگیا تھا تو را کے مقامی گماشتے کے دھوکا کھا جانے کی امید ہوسکتی تھی۔

جلال نے مجھ سے تفصیل سے بات نہیں کی تھی۔ شاید اس کا مدعا بھی یہی تھا کہ ایک کوشش کرلینی چاہیے۔ وہ اندھیرے میں چلایا ہوا تیر ہوتا۔ نشانے پر لگ جاتا تو کامیابی کے دروازے کھل جاتے ورنہ خطا ہونا اس کا مقدر تھا۔

"ہمارے کراچی پہنچتے ہی جو چکر چل پڑا وہ تمہارے سامنے ہے۔" میں نے جلال سے کہا "مہلت ملنے پر میں اس فیکس نمبر پر ایک کوشش ضرور کروں گا۔"

"اس کوشش کا کوئی خاص فائدہ نہیں ہوگا کیونکہ وہ یک

حسن وہ! جو چھپائے نہ چھپے!

میرے نسوانی حسن کا راز

بلوسم بریسٹ کریم (یونانی)

قدرتی جڑی بوٹیوں پر برسہابرس کے تجربے اور تحقیق کے بعد ایک نئی ایجاد

بلوسم بریسٹ کریم جو قیمت =/150

- بریسٹ کے ٹشوز کو سخت کرکے اُبھارلاتی ہے۔
- بریسٹ کے چھوٹے پن میں اضافہ کرکے پروقار شخصیت کا مالک بناتی ہے
- کھوئی ہوئی نسوانی خوبصورتی کو دوبالا کرتی ہے

اسٹاکسٹ:

خواجہ سنز ایمپریس مارکیٹ صدر کراچی
صدر میڈیکل سٹور ایمپریس مارکیٹ صدر کراچی
سلم جنرل سٹور لیاقت مارکیٹ ملیر کراچی
ابراہیم سن لیاقت مارکیٹ ملیر کراچی
تھری اسٹار جنرل سٹور مدینہ مارکیٹ۔
رشیم بازار حیدرآباد
نیو دہلی دواخانہ ڈکشور روڈ سکھر
پیرزادہ میڈیکل سٹور سبزاج روڈ سکھر
حافظ میڈیکل سٹور گین پور روڈ لاڑکانہ
طاہر شاپنگ سینٹر پل بازار اکاڑہ
نشان ہومیو اسٹور چینوٹ بازار فیصل آباد
راجہ برادرز تحصیل بازار سیالکوٹ
پاکستان جنرل سٹور کچہری بازار گوجرانوالہ
عظیم ہومیو سٹور مدینہ مارکیٹ متیار روڈ فیصل آباد
اوکے شاپنگ سینٹر صدر بازار ڈیرہ غازی خان
ایس نجی بشن میڈیکل سٹور مسلم بازار گجرات
شفا دواخانہ انڈون فرید گیٹ شاہی بازار ملتان
بادشاہ دی ہیٹی ڈھوک کھبیر راولپنڈی
جرمن ہومیو سٹور بانو بازار رشیم بازار خان

ابن سینا سٹور گھنٹہ گھر بازار ڈیرہ غازیخان
حبیب دواخانہ گھنٹہ گھر بازار ملتان
المراد ہومیو سٹور باغی سٹریٹ ساہیوال
شہزاد دواخانہ کارخانہ بازار فیصل آباد
شاہی طبی دواخانہ جیٹوٹ بازار فیصل آباد
گورے اینڈ کورے میڈیکل سٹور بھری بازار سرگودھا
شاکر میڈیکل سٹور ریلوے روڈ سیالکوٹ
جرمن ہومیو سٹور ریلوے روڈ بازار گوجرانوالہ
الحافظ دواخانہ بازار مارکیٹ کلاں بازار ڈیرہ غازی خان

کوثر دواخانہ کارخانہ بازار فیصل آباد
حق القیوم جنرل سٹور ہسپتال روڈ چکوال
عوامی دواخانہ مین بازار مظفر آباد
یوبی پنسار سٹور ہری کشن روڈ کوئٹہ
وین پنسار سٹور ہری کشن روڈ کوئٹہ
انعام ہیلتھ سنٹر قصہ خوانی روڈ پشاور
سعید ہیلتھ سٹور اندرون لنگ گیٹ کوہاٹ
دارالشفاء میڈیسن بازار منگورہ سوات
ملت دواخانہ گھنٹہ گھر پشاور
ممتاز اینڈ سنز ناگی کنٹرل مارکیٹ پیرودھائی راولپنڈی

ریاض محمود ۶۹ نیو عالمگیر مارکیٹ شاہ عالم لاہور فون:۔ ۷۶۸۶۲۶۸
محمد علی دواخانہ ۱۹ اپریل شاپنگ سینٹر اسلام آباد۔ فون:۔ ۵۵۰۲۹۰۴
محمد صالحین اینڈ سنز موتی والے چوک بازار ملتان۔ فون:۔ ۵۴۲۱۷۳
حکیم اینڈ سنز پوسٹ بکس نمبر 2159 کراچی 74600 پاکستان

شاہی طبی دواخانہ پوسٹ بازار راولپنڈی فون:۔ ۵۵۰۵۵۱۹

گھر بیٹھے منگوانے کیلئے ویلیو پے ایبل

Downloaded from https://paksociety.com

طرف رابطہ ہے۔" ویرا بولی "اپنی کو پتا نہیں چل سکے گا کہ انہوں نے مظہر خان کے بھیجے ہوئے فیکس کو اہمیت دی ہے یا اسے مسترد کرکے ردی کی ٹوکری کی نذر کردیا ہے۔"

جلال کی مستفسرانہ نظریں میری طرف اٹھ گئیں۔ میں نے کہا "بظاہر ویرا کا اعتراض درست نظر آتا ہے لیکن فیکس وصول کرنے والا اپنے بھی کچھ نہ کچھ ذرائع رکھتا ہوگا۔ ایسے لوگ ناقابل یقین ذرائع سے رابطے کی کوئی نہ کوئی صورت نکال لیتے ہیں۔"

"رابطہ کرنے سے پہلے ہمیں اس پر بھی غور کرلینا چاہیے۔" ویرا نے سگریٹ کا دھواں اگلتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔

"بچگانہ باتیں مت کرو۔" میں نے منہ بنا کر کہا "جب رابطہ کیا جائے گا تو یہ سب سوچ لیا جائے گا۔"

میں نے ویرا کو خاموش کردیا مگر حقیقت یہ تھی کہ اس مسئلے کا حل اسی وقت میرے ذہن میں آیا تھا۔

میں ان لوگوں سے تبادلہ خیال کیے بغیر یہ فیصلہ کرچکا تھا کہ میرے پہلے فیکس کا متن کسی رپورٹ کے بجائے میری داد و فریاد پر مشتمل ہوتا۔ سیدھی سی بات تھی کہ میں اس پیغام کے آخر میں یہ اضافہ کردیتا کہ میں ایک مقررہ وقت پر فون کروں گا تاکہ مزید ہدایات لے سکوں۔

پہلے سے وقت کا تعین کرکے فون کرنے سے نزیش کی وہ شرط پوری ہوجاتی تھی کہ وہ ٹیلی فون ناگزیر ضرورت کے وقت استعمال کیا جائے۔ مقررہ وقت پر کی جانے والی میری فون کال کے ساتھ ہونے والے سلوک سے پتا چل جاتا کہ را والے مظہر خان پر کس حد تک بھروسا کرنے کے لیے تیار تھے۔

میرے وہ فیصلے میری ذات تک محدود رہے۔ اس بارے میں کسی نے کوئی سوال نہیں اٹھایا اور عبدالماجد والا قصہ دوبارہ شروع ہوگیا۔

اس واقعے کی پوری تفصیلات میرے علم میں تھیں یا اول خان ان کا چشم دید گواہ تھا۔ جلال کی معلومات پولیس رپورٹ تک محدود تھیں۔ ان کو انکوائری میں ماجد کی جگہ میرا نام رکھ کر وہ سب کچھ سمجھ لیا تھا۔ بقیہ تینوں افراد نے ہمارے تبادلہ خیال میں دخل اندازی نہیں کی تھی مگر ان کے ذہنوں میں متعدد سوالات چل رہے تھے۔

"سچ پوچھو تو یہ قصہ بہت دلچسپ ہے۔" کچھ دیر کے سوال جواب کے بعد جلال نے اول خان سے کہا "میرے ذہن میں بھی کئی تشنہ سوال ابھر رہے ہیں۔ تم ایک دفعہ شروع سے آخر تک کے واقعات دہرا ڈالو۔ ہم سب کی تسلی ہوجائے گی۔"

ویرا اور سلطان شاہ نے پرزور انداز میں جلال کی تجویز کی تائید کی۔ غزالہ اپنے معمول کے مطابق خاموش بیٹھی مسکراتی رہی اور اول خان نے سی ایس ڈی والے فون کے ذریعے جان کے گھر سے رابطے میں ناکامی سے قصے کی ابتدا کردی۔

سب لوگ انہماک اور گہری دلچسپی سے اول خان کی بتائی ہوئی تفصیل سن رہے تھے۔ وہ اس معاملے میں ابتدا سے آخر تک میرا شریک کار رہا تھا لہٰذا اس نے جزئیات کو بھی نظر انداز نہیں کیا تھا۔ میں خاموشی سے اپنی جگہ بیٹھا ذہن میں اپنے اس پیغام کا خاکہ مرتب کرنے کی کوشش کررہا تھا جو مجھے نزیش دیے ہوئے نمبر پر فیکس کرنا تھا۔

اول خان کی وہ روداد ختم ہونے کے بعد کچھ دیر تک سوالات اور تعریف و تحسین کا سلسلہ چلتا رہا پھر جلال مجھ سے اجازت لے کر فون کی طرف متوجہ ہوگیا۔ اس نے اپنے آدمیوں کو رابطے کے لیے ہمارے گھر کا فون نمبر دینا مناسب نہیں سمجھا تھا۔ صدف مینشن کے تازہ ترین حالات سے باخبر رہنے کے لیے اس کی وہ کال ضروری تھی۔

فون پر گفتگو کے آغاز میں چند ثانیوں کے لیے اس کا لہجہ تیز ہوا پھر اسے خیال آگیا کہ وہ اپنے دفتر میں نہیں ہم لوگوں کے درمیان موجود تھا۔ اس کی آواز فوری طور پر اعتدال پر آگئی۔ کچھ دیر تک بات کرنے کے بعد وہ ہمارے درمیان لوٹ آیا۔ اس کے چہرے سے افسردگی جھلک رہی تھی۔

"جب تم یہاں آئے تو اداس تھے۔ اب ایک بار پھر افسردگی نے تمہارے چہرے پر ڈیرے ڈال دیے ہیں۔" اس کے بیٹھنے کے بعد میں نے معنی خیز لہجہ میں کہا۔

"ماتحت جب اپنی حدود سے تجاوز کرجائیں تو مجھے شدید کوفت ہوتی ہے۔ عبداللہ کی موت کی خبر سن کر میرے آدمی اشتعال اور غصے میں تھے۔ میرے یہاں آنے کے بعد انہوں نے قیدی پر دل کھول کر تشدد کیا ہوگا۔ تیوا کر گرنے سے اس کی گردن کی ہڈی ٹوٹ گئی اور وہ مرگیا۔" جلال نے بتایا۔

"جو کچھ ہوگیا اسے واپس لوٹانا ممکن نہیں ہے۔" میں نے اسے سمجھایا "تم بلاوجہ اپنا خون سکاتا رہے ہو۔ غصہ تھوک دو۔ انتقام اور اشتعال انسانی خمیر کا حصہ ہے۔ بھارتیوں کے ہاتھوں اپنے ایک ساتھی کی موت کی خبر پاکر ان کا طیش میں آجانا فطری تھا۔"

"میں یہ سب باتیں جانتا ہوں۔" اس نے پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ کہا "ڈسپلن ایسے جذبوں کو لگام دینا سکھاتا ہے۔ مجھے اس انتقام سے کوئی خوشی نہیں ہوئی۔ ابھی

Downloaded from https://paksociety.com

یہ بھی پتا چلا ہے کہ عبداللہ کو مارنے والے کا نام ونود ہے اور اسے پاکستان میں سیکنڈ سیکریٹری کے طور پر نامزد کیا گیا تھا۔ اسلام آباد سے اس کے کاغذات کی منظوری ملتے ہی اسے پاکستان بھیج دیا جائے گا۔"

"عبداللہ کے خون کا انتقام اسی سے لینا چاہیے پھر تو تمہارا قیدی مفت میں مارا گیا۔"

"صبر کا نتیجہ ہمیشہ بہتر نکلتا ہے۔ میری کوشش ہوگی کہ عبداللہ کا قاتل جلد از جلد پاکستان آئے تاکہ میں اس سے اپنا حساب بے باق کرسکوں۔"

رات کا بڑا حصہ گزر چکا تھا۔ اس وقت صبح کے تین بجنے والے تھے۔ اپنے آدمیوں سے بات کرکے جلال کا موڈ مدر ہو گیا تھا۔ وہ جلد از جلد صدف مینشن پہنچ کر ذاتی طور پر صورتِ حال کا جائزہ لینا چاہتا تھا اس لیے وہ محفل ختم کردی گئی۔ جلال نے غزالہ کے سوا سب سے باری باری گرم جوشی سے ہاتھ ملایا اور ہم سے رخصت ہو کر واپس روانہ ہو گیا۔

اس نے جاتے جاتے مجھے تاکید کی تھی کہ حالات کا دباؤ کم ہونے کی وجہ سے مجھے اپنے گھر لوٹنے کی آزادی مل گئی تھی لیکن احتیاط کے طور پر مجھے بہت زیادہ محتاط رہ کر اپنی نقل و حرکت کو اہم ترین کاموں تک محدود رکھنا تھا۔

میں اول خان کے ساتھ جلال کو رخصت کرنے کے لیے باہر تک آیا تھا۔ اول خان نے خنک فضا میں اپنی دونوں ہتھیلیاں آپس میں زور زور سے رگڑ کر حرارت حاصل کرنے کی کوشش کی اور وہیں سے گھر جانے کی خواہش ظاہر کی۔ وہ دوسروں کو الوداع کہنے کے لیے اندر جاتا تو اس کا مزید وقت برباد ہو سکتا تھا۔ وہ عیال دار آدمی تھا۔ اپنے فرائض کی بجا آوری کے لیے اپنے بیوی بچوں کو بھول کر تن دہی سے دن رات کاموں میں لگا رہتا تھا۔ میں نے اسے بھی رخصت کردیا۔

میں ان دونوں کو روانہ کرکے گھر میں داخل ہوا تو ڈرائنگ روم سے ویرا اور سلطان شاہ کی تیز آوازیں آرہی تھیں۔

"مہمانوں کے جاتے ہی تم دونوں نے ہنگامہ کیوں کھڑا کردیا؟" میں نے ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے ہوئے اونچی

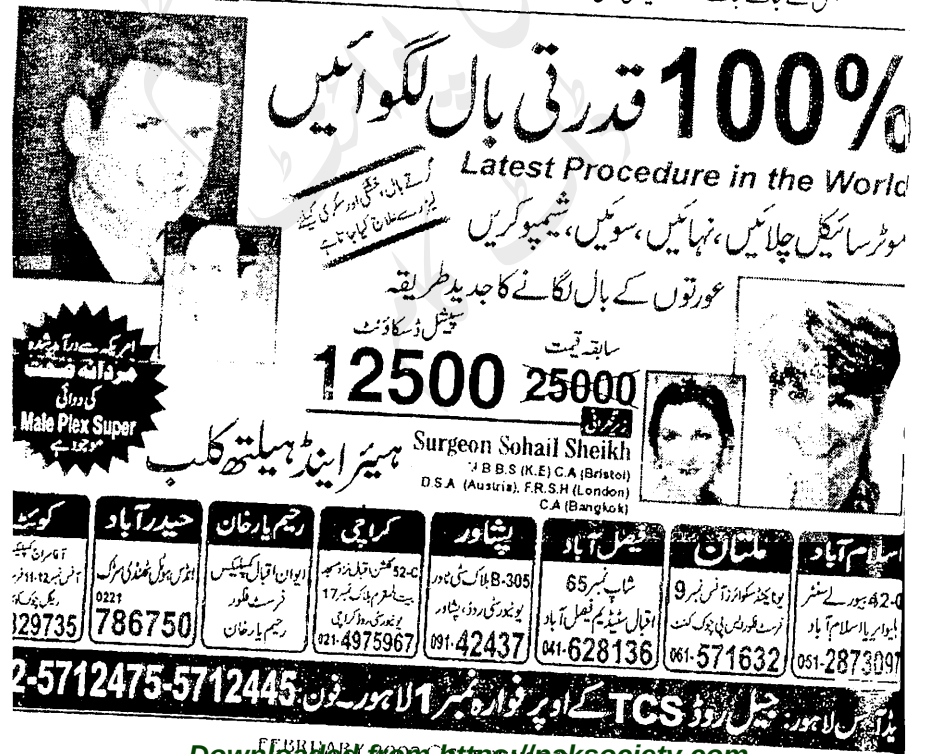

Downloaded from https://paksociety.com

آواز میں مداخلت کی۔

"میں نے صرف اتنی سی بات پوچھ لی تھی کہ یہ اس وقت کس کے لیے بن سنور کر آئی تھی اور یہ ناراض ہوگئی۔" سلطان شاہ نے ویرا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بتایا۔

"تم کون سے میرے باپ یا شوہر لگتے ہو کہ یہ سوال کررہے ہو!" ویرا آنکھیں نکال کے غرائی۔

"تم دونوں بلاوجہ ہر وقت ایک دوسرے سے لڑتے جھگڑتے رہتے ہو۔ مخلصانہ کوشش کرو تو تمہارے درمیان ان میں سے کم از کم ایک رشتہ پیدا ہوسکتا ہے۔" میں نے ان کے مکالمے سن کر ہنستے ہوئے اپنی رائے صادر کردی۔

"تم اسے ڈانٹنے کے بجائے ہنس رہے ہو۔ یہ ہر وقت مجھ سے بدتمیزی کرتا رہتا ہے۔ کیا باہر سے آنے والے مہمانوں کے لیے حلیہ درست کرنا بننا سنورنا کہلاتا ہے!"

"قطعی نہیں کہلاتا لیکن اس وقت تم نے کمال کردیا۔ آنکھوں کے میک اپ نے تمہاری بلانوشی کے اثرات کی بہت اچھی طرح پردہ پوشی کی ہوئی ہے۔"

"بس میں نے بھی یہی بات کہنی چاہی تھی۔" میرے خاموش ہوتے ہی سلطان شاہ بول پڑا "الفاظ ذرا مختلف تھے۔ یہ بگڑ گئی حالانکہ اس میں بگڑنے والی کوئی بات نہیں تھی۔ یہ کہہ دیتی کہ مہمانوں کے استقبال کی تیاری کی ہے اور بات ختم ہوجاتی۔"

میں سلطان شاہ کی معصومیت کو اچھی طرح سمجھتا تھا۔ میں نے اسے گھورتے ہوئے کہا "اب تم نے بھی پر پرزے نکالنے شروع کردیے ہیں۔ اپنی کھال میں رہا کرو۔ کسی وقت تلخیاں اتنی بڑھ جائیں گی کہ زندگی بھر پچھتاتے رہو گے۔"

"ڈیبی کی باتیں غور سے سنو اور گرہ سے باندھ لو!" ویرا نے صوفے سے اٹھتے ہوئے' سلطان شاہ کو ہدایت دی "اس کے مشورے نظرانداز کرنے والوں کو میں نے سر پکڑ کر روتے دیکھا ہے۔"

ویرا ایک ادا سے اپنی کمر کو بل دے کر' فضا میں ہاتھ لہراتی ہوئی اپنے کمرے کی طرف چل دی۔ اس نے عارضی طور پر اپنی بے نوشی کے ثبوت ختم کردیے تھے لیکن شراب کا خمار اس کے ذہن پر بدستور سوار تھا۔ مجھے اندازہ تھا کہ اس وقت وہ بستر کی طلب میں بے چین ہوگی۔

"ویرا کے سامنے تم ہمیشہ مجھے دبانے کی کوشش کرتے ہو۔" اس کے چلے جانے کے بعد سلطان شاہ نے مجھ سے شکوا کیا "تمہارے اس رویے سے اس کا حوصلہ بڑھ جاتا ہے۔"

"عورت کی حمایت کرنا ہر مرد کی مجبوری ہوتی ہے۔" سلطان شاہ کی شکایت پر غزالہ نے جواب دے کر مجھے چونکا دیا "جب عورت ویرا جیسی ہو تو اس سے کوئی نہیں جیت سکتا۔"

غزالہ کی حمایت پاکر سلطان شاہ کا چہرہ کھل اٹھا۔

چند منٹ بعد وہ بھی اٹھ گیا۔ اسے احساس تھا کہ ہم دونوں کو آرام کی ضرورت تھی۔

اپنی خواب گاہ میں سونے کی تمام تیاریاں کرکے میں بستر پر دراز ہوا تو میرا ذہن ایک بار پھر جان کی طرف بھٹک گیا۔

میں نے اس کو فون کرتے ہوئے کسی مخصوص مقصد کے تحت عبدالماجد کا نام استعمال نہیں کیا تھا۔ میں اس سے کسی غیر ملکی کی حیثیت سے بات کرنا چاہتا تھا مگر جان نے میرے یمنی ہونے کے اعتراف پر برجستہ القاعدہ کا نام لیا تھا جو ان دنوں کھل کر منظرعام پر نہیں آئی تھی لیکن اس کی سرگرمیوں کا ہر طرف شہرہ تھا۔ ماجد کے نام اور شخصیت میں جان کی حد سے زیادہ بڑھی ہوئی دلچسپی حالات کے کسی نئے رخ کی نشان دہی کررہی تھی۔

وہ سی آئی اے کا ایک بڑا افسر تھا۔ اسے صرف میری گرفتاری کے لیے پاکستان بھیجنا قرین قیاس نہیں تھا۔ وہ یقینی طور پر کوئی خطرناک اور وسیع پلان لے کر آیا تھا جس میں میری سرکوبی کا مشن بھی شامل ہوسکتا تھا۔ ماجد یمنی کا نام سامنے آنے پر اس نے جس تیزی سے اپنی توجہ اس نام پر مرکوز کی تھی' وہ اس کے مذموم اور پوشیدہ عزائم کی نشان دہی کررہی تھی۔ ماجد کے مقابلے میں اس نے عارضی طور پر میرا نام پس پشت ڈال دیا تھا۔

وہ کن مقاصد کے لیے کراچی آیا تھا اور ماجد تک رسائی حاصل کرکے کیا کرنا چاہتا تھا' اس کا جواب آنے والا وقت ہی دے سکتا تھا۔

رات کے آخری پہر میں اپنے آرام دہ بستر پر دراز ہوکر میں اس بارے میں صرف دماغ سوزی کرسکتا تھا' کوئی نتیجہ اخذ نہیں کرسکتا تھا۔

میں نے پہلو بدل کر غزالہ کے نرم شانے پر آہستگی سے ہاتھ رکھا تو اس کے بدن میں کوئی جوابی جنبش نہیں تھی۔ عورت ہونے کے ناتے وہ مجھ سے زیادہ تھکی ہاری تھی اور بستر پر دراز ہوتے ہی گہری نیند کی آغوش میں چلی گئی تھی۔

میں نے اس کی نیند میں خلل انداز ہونے کا ارادہ ترک کردیا۔ میرا ذہن ایک مرتبہ پھر جان کی پس پردہ سرگرمیوں میں الجھ گیا۔

انسانیت کے دشمنوں کی اس داستان عبرت کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجئے

Downloaded from https://paksociety.com

دھن کے پکے جاں بازوں کی ایک ایسی پراسرار فارمیشن کا مقامی سربراہ تھا۔ جسے اسپیشل ٹاسک فورس کہا جاتا تھا۔ جی لائیڈ کی بیٹی ویرا بھی ابتدائی دشمنی کے بعد میری حلیف بن گئی۔ ویرا میری دوست تھی مگر غزالہ ایک مدت سے میری محبت تھی۔ حالات کی ستم ظریفی کہ ہم دونوں کو امانگ فوجای کیمپ کی بیٹی بدمعاش کے دباؤ پر شادی پر مجبور ہونا پڑا۔ دوسری طرف امریکا میں آئزک بیل نامی ایک نسل پرست یہودی دہشت گرد اپنے اثر و رسوخ کی بنا پر شی کے بے اندازہ مالی وسائل پر قابض ہو کر انہیں ڈیوڈ اسٹار زنای صیہونی تنظیم کے لیے استعمال کرنے کا خواہاں تھا۔ جی لائیڈ کو صدارتی انتخاب میں کامیابی کی مجبوری کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ اس کی پراسرار ہلاکت کے بعد آئزک بیل اس خطے کی بہترین ہیروئن کے پیداواری ذرائع پر قبضہ کرنے کے منصوبے کے علاوہ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو نقصان پہنچانے کے مذموم خواب کو عملی جامہ پہنانے کی سازشوں کے ساتھ پاکستان پہنچا مگر یہاں اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ اپنے انجام سے خوف زدہ ہو کر واپس امریکا فرار ہوا' ہم بھی اس کے تعاقب میں امریکا پہنچے جہاں ہماری کوششوں سے اس کی بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ اسٹار زاور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے گیپ کے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں معتوب ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے بعد ہم پاکستان واپس آگئے۔ یہاں سے بنگلے ہمارے منتظر تھے۔ بھارتیوں کی سرگرمیوں میں بہت تیزی آگئی تھی۔ ہماری کوششوں کے باعث انہیں ہر محاذ پر منہ کی کھانی پڑی۔ اسی دوران میں امریکی ڈپ ٹیملٹ کا ملازم اور برائن ڈی ہنٹ ہمارے سامنے آیا۔ وہ بہت محتاط تھا مجھے اس سے کرنل جمال دستی کی حیثیت میں ملاقات کرنی پڑی' اس نے میرے اور اول خان کے فگر پرنٹس تک حاصل کر لیے تھے۔ وہ ہماری راہ پر تھا مگر خوف زدہ بھی تھا' اس لیے نئی دہلی فرار ہو گیا۔ اسے رستم ایرانی نامی ایک کرائے کے قاتل کے ذریعے نئی دہلی میں ہی ٹھکانے لگوا دیا گیا۔ رستم خود بھی کم نہیں تھا' جلد ہی ہمیں معلوم ہوا کہ وہ اسرائیلی سیکرٹ سروس موساد کا سرگرم رکن تھا اور پاکستان میں رہتے ہوئے اسرائیلی مفاد کے لیے کام کر رہا تھا۔ ہم نے اس کے گھر کا محاصرہ کیا اور اس نے خود کشی کر لی۔ اس کی خود کشی پر فریڈم انٹرنیشنل کے غیر معمولی واویلا مچانے پر ہم اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس کا کارتھ رھتا اکرام الٰہی فراخو خود فریڈم انٹرنیشنل کے دفتر میں مقید پایا گیا۔ وہ امریکیوں کے مفادات کے لیے کام کر رہا تھا۔ اسے ہم نے ایک امریکی سفارت کار کے ساتھ رنگے ہاتھوں پکڑا اور امریکی سفارت کار بوب رافیل کو بھی اپنے عہدے سے برخاست ہونے کے بعد پاکستان بدر ہونا پڑا۔ اکرام الٰہی کے حواریوں میں سے ایک مراد ظریف بھی اندرون سندھ اپنی این جی او چلا رہا تھا۔ اس کی غیر معمولی اہمیت کے باعث ہی اس سے ملنا چاہتا تھا مگر وہ بہت کائیاں نکلا اور سلطان شاہ کو اپنا قیدی بنانے میں کامیاب ہو گیا جسے ہم نے میر پور خاص سے بازیاب کرالیا۔ مراد ظریف نے دوران تفتیش انکشاف کیا کہ بھارتی ایجنٹ کرشن کمار نیا چھور کے علاقے میں مسلح تربیتی کیمپ چلا رہا تھا اور اب فرار ہو کر بھارت چلا گیا ہے۔ ہمارا اگلا معرکہ کرشن کمار کے فرستادوں سے ہوا جو حیدر آباد سے غزالہ اور سلطان شاہ کی کار کا تعاقب کرکے ہمارے گھر تک پہنچ گئے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ کرشن کمار پاکستان میں ہے اور ہماری رہائش گاہ سے واقف ہو چکا ہے۔ کرشن کمار واقعی تیز اور سفاک ایجنٹ تھا۔ وہ اگلے ہی دن ہمارے گھر میں داخل ہو گیا مگر اپنی بدقسمتی سے ہمیں کوئی نقصان پہنچائے بغیر بہ مشکل وہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہو سکا۔ اسی اثنا میں ہم کرشن کمار کے ساتھیوں سے ملنے والی کار کے رجسٹریشن نمبر کے ذریعے جگدیش تک پہنچ گئے۔ وہ ان معاملات سے بے خبر تھا مگر اس کے بھائی روی کرشن کمار کے ہاتھوں میں کھیل رہا تھا۔ وہ اپنے گھر سے فرار ہونے میں کامیاب ہو چکا تھا مگر اس کی خوردبینی ماردتی نے اپنے شوہر کی سلامتی اور اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل کے عوض ہمیں کرشن کمار کا پتا بتا دیا۔ کرشن کمار دراصل امریکی سفارت کاروں کے ہمراہ اپنے بھیانک انجام کو پہنچا۔ اس کے بعد روی نے ہمیں ہری چند تک پہنچا دیا۔ وہ ہم سے خوف زدہ ہو کر فرار ہونے کی کوشش میں تاریکی کے حادثے میں شدید زخمی ہو چکا تھا' اس سے معلوم ہوا کہ کرشن کمار دراصل میں موجود را کے پاکستانی ونگ کے سربراہ انل بساس سے ہدایات حاصل کرتا تھا۔ اب مجھے انڈیا جانا تھا۔ کراچی میں موجود میجر بخشی کو ہمارے بارے میں کچھ سن گن مل گئی تھی لہٰذا اسے ذہنی طور پر ناکارہ بنا دیا گیا۔ تاہم اس سے پہلے وہ جوگیندر پال عرف ماسٹر کو ہمارے بارے میں مطلع کر چکا تھا۔ جوگیندر پال' اپنے دو آدمیوں کے ساتھ روی کو مارنے میں کامیاب ہوا مگر اس کے وہ گرگے میرے مقابلے میں بودے ثابت ہوئے' ان سے مجھے جوگیندر پال کا فون نمبر بھی مل گیا جس کے بعد جوگیندر پال کو اس کے انجام تک پہنچانے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی۔ اب میں انڈیا کے سفر کے لیے پورے طور پر تیار تھا۔ غزالہ میرے ساتھ تھی ہم لوگ لاہور پہنچ گئے تھے۔ لاہور میں قیام کے دوران میں ہم نے ہیروئن کی بڑھتی ہوئی وبا کے انسداد کے لیے ایس ڈی ایف کے مقامی کمانڈر کی مدد کی اور جلال کے تعاون سے جہانگیر کے ماموں سرسبز چوہدری عظمت کی این جی او کا قلع قمع کر دیا۔ اس کے بعد ہم انڈیا روانہ ہو گئے۔ ہم نے جلال کی مدد سے سرحد عبور کی اور بآسانی دہلی پہنچ گئے۔ دہلی میں ہمارا قیام نہایت سنسنی خیز رہا۔ میں انل بساس کا شکار کرنا چاہتا تھا۔ آئی ایس کی ایجنسیوں کی نشاندہی پر ویرا نے اپنا قیام ہم سے الگ کرلیا۔ میں اور غزالہ تاج محل میں ٹھہرے تھے۔ کسی رشتے کے بغیر غزالہ کے ساتھ مشترکہ کمرے میں رہائش کی بنا پر ہمارا پہلی طرف متوجہ ہوا۔ اس کی ایک خوب رو ایجنٹ ریتا جیت رائے نے دل پھینک اوباش دوشیزہ کے روپ میں مجھ سے ملاقات کی اور میں اس کے جلووں کا شکار ہوتا چلا گیا۔ یہ ٹل کی رنگین تنہائی میں کچھ وقت گزار کر اس نے بتایا کہ وہ باقاعدہ منصوبے کے تحت مجھ سے ٹکرائی تھی اور میری بے راہ روی کی مکمل ویڈیو تیار کی جا چکی تھی۔ مجھے اس کے بعد انل بساس سے ملنا پڑا۔ اس نے مجھے سیدھا سادا کاروباری مگر عیاش پاکستانی سمجھ کر اپنے جال میں پھنسانا چاہا اور میں بہ رضا و رغبت اس میں پھنستا چلا گیا۔ اسی وقت آئی ایس کے مقامی ایجنٹوں نے مجھے بتایا کہ وہ گرین کوبرا نامی فائل کے چکر میں ہیں جس میں پاکستان کے خلاف خطرناک مواد موجود ہے۔ میں نے انل بساس سے اس کے دفتر میں ملاقات کی۔ جہاں اس کا معاون نریش شرما بھی موجود تھا۔ مجھے اندازہ ہوا کہ گرین کوبرا فائل اور میری اور ریتا اجیت رائے کی ویڈیو نریش شرما کے کمرے میں تھی۔ را کا وہ دفتر اپنے حفاظتی اقدامات کی بنا پر مجھے آسان معلوم ہوا اور میں نے وہاں نقب لگا کر اپنی ویڈیو فلم ضائع کروا دی بنیادی نہیں کہ گرین کوبرا فائل کے ساتھ ساتھ بہت سا اہم ریکارڈ بھی وہاں سے اڑا لیا۔ اس مہم میں را کا ایک ایجنٹ بھی میرے ہاتھوں مارا گیا۔ را کے دفتر سے ملنے والا تمام ریکارڈ میں نے فوری طور پر ویرا کے ہمراہ پاکستان بھجوا دیا اور وہ بہ خیریت وہاں سے نکل بھی۔ ایں کارروائی کے بعد مجھے کچھ تکلیف دہ وقت گزارنا پڑا' مجھے جلد گلو خلاصی حاصل ہو گئی مگر اب ریتا میری ہم زاد بن کر اپنی فرض سے غداری پر آمادہ تھی۔ اس کی کوششوں کے باعث را والے مجھے دوبارہ کسی جال میں گرفتار نہ کر سکے۔ اب آخری معرکہ باقی تھا۔ مجھے انل بساس اور نریش شرما دونوں کو ٹھکانے کرنا تھا اور خلاف توقع میرا یہ مشن نہایت آسانی سے مکمل ہو گیا۔ واپسی کے سفر میں ہم سرحد عبور کرتے ہوئے دو بھارتی فوجیوں سے ٹکرا گئے جنہیں جہنم واصل کرنے کے بعد جلال کے لیے امرتسر میں خدمات انجام دینے والے بنگو کو بھی قربان کرنا پڑا۔ ہم لاہور میں مختصر قیام کے بعد کراچی پہنچ گئے۔ جلال نے مجھے دس لاکھ روپے کا چیک دیا تھا جسے تمام ساتھیوں کے مشورے کے بعد قبول کر لیا گیا۔ بھارت سے خبریں آنا شروع ہو گئی تھیں۔ ان کے مطابق انہیں مظہر خان کے علاوہ ڈیٹی کی بھی تلاش تھی۔ جلال نے بتایا کہ دہلی میں مارے جانے والے جان اسمتھ کے قاتلوں کی تلاش کے سلسلے میں امریکی پاکستانی ایجنٹوں کی مدد کے طلب گار تھے۔ ان سے اجلاس کے دوران میں معلوم ہوا کہ انہیں ڈیٹی کی تلاش تھی۔ جلال نے اجلاس کی مکمل رپورٹ مجھے دے دی۔ اب ہمارے سامنے جان ایلش کوف تھا اور میں اس سے رابطہ کرنا چاہتا تھا۔ خلاف توقع اس سے رابطہ آسان ثابت ہوا۔ میں نے اس سے عبدالماجد حسینی کے نام سے عربی لب و لہجے میں گفتگو کی۔ ڈیٹی کا نام ان کے اعصاب پر بری طرح سوار تھا لہٰذا وہ آسانی سے میرے جال میں پھنستا چلا گیا۔ اس نے مجھ سے سمندر کے کنارے ملاقات کا وعدہ کیا جہاں ایس ڈی ایف کی مکمل نگہبانی میں' میں نے اس سے پر تصادم ملاقات کی اور اسے شدید زخمی کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ جان ایلش کوف بھی اپنے پیش رو جان اسمتھ کی طرح پاکستان سے خوف زدہ ہو کر بھارت فرار ہونے والا تھا۔ جلال نے میری اس کارروائی کی تعریف کی مگر اپنی بے خبری کا شکوا کیا لیکن میں اسے قائل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ حالات بظاہر قابو میں تھے مگر ان پر یک سوئی کے ساتھ کام کرنے کی ضرورت تھی۔

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ کیجیے

صبح ناشتے کی میز پر ہم چاروں خوشگوار موڈ میں جمع تھے۔ رات کی تشویش اور پریشانی میں اندھیرا چھٹنے کے ساتھ نمایاں کمی آچکی تھی۔ میں نے بھی را کے مقامی ایجنٹ سے رابطے کے لیے ایک راہ متعین کرلی تھی۔ اس سے چھیڑ چھاڑ کرکے

Downloaded from https://paksociety.com

پیش رفت کی کوئی نہ کوئی راہ سامنے آسکتی تھی۔

"مجھے رہ رہ کر خیال آرہا ہے کہ تم نے جان ایش کوف کو مار بھگانے کے لیے مار دھاڑ سے بھرپور، تیسرے درجے کی فلموں کا سا طریقہ اختیار کیا ہے۔" ویرا نے چائے کی پیالی سے ایک گرم گرم گھونٹ اپنے حلق میں اتارتے ہوئے کہا۔

"تم جو چاہو کہہ لو مگر تم کو یہ ماننا پڑے گا کہ ڈینی کا وہ طریقہ سو فیصد کامیاب رہا۔" سلطان شاہ نے جواب دیا۔

"بات ابھی بھی میری سمجھ میں نہیں آرہی۔ جان کوئی گھٹیا بدمعاش نہیں ہے۔ میں حیران ہوں کہ سی آئی اے کا ایک منجھا ہوا ایجنٹ ایسے عامیانہ جھانسے میں کیسے آگیا؟" ویرا نے اپنی بات جاری رکھی "اس احمق کو یہ سوچنا چاہیے تھا کہ اسے گھیرنے والوں نے اسے جان سے کیوں نہیں مارا۔ سمندری کھاڑی کے ٹھہرے ہوئے گندے پانی میں ڈبو کر کیوں چھوڑ دیا۔ یہ اس واقعے کا سب سے اہم اور مرکزی نکتہ تھا۔"

"بہت سی باتیں تم کہہ کر بھول جاتی ہو۔" غزالہ نے ہنس کر کہا "اپنے سوال کا جواب تم یا رہا خود دے چکی ہو۔"

"اگر تم کچھ یاد دلا سکو تو میں تمہاری ممنون رہوں گی۔" ویرا سنجیدگی سے بولی۔

"اس وقت تم اس بارے میں اتنی فکرمند کیوں ہو رہی ہو؟" غزالہ نے سنجیدگی سے پوچھا "جو کچھ ہونا تھا وہ ہو گیا اور اب نتائج ہمارے سامنے ہیں جان بوکھلا کر کراچی سے فرار ہونے پر مجبور ہو گیا ہے۔ ہمیں اس بارے میں اپنے ذہن کو تھکانے کی کیا ضرورت ہے؟"

"میں نے ان واقعات پر خاصا غور کیا ہے۔ سی آئی اے کے ایک خرانٹ ڈپٹی ڈائریکٹر سے ایسی ناقص کارکردگی کی توقع نہیں کی جاسکتی۔"

"یہ نکتہ تمہارے ذہن میں کب آیا؟" سلطان شاہ پوچھ بیٹھا۔

"ابھی صبح کی بات ہے۔" ویرا نے روا روی میں جواب دیا "منہ دھوتے ہوئے بھی یہ باتیں میرے ذہن پر بوجھ بنی ہوئی تھیں۔"

"خرابی یہی ہے۔" سلطان شاہ نے اپنے سر کو تفہیمی انداز میں جنبش دیتے ہوئے تشویش سے کہا "رات کو تم گہرے سُرور میں تھیں۔ اسی وقت اپنے منہ پر ٹھنڈے پانی کے چند چھپکے مار لیتیں تو تم کو اس وقت اپنے دماغ پر زور نہ دینا پڑتا۔ ہم رات کو ہی اس موضوع پر سر کھپا چکے ہیں۔"

مجھے توقع تھی کہ سلطان شاہ کے اس کڑوے کسیلے جواب پر ویرا چراغ پا ہو جائے گی لیکن وہ خلافِ توقع پرسکون رہی اور متاسفانہ لہجے میں بولی "کبھی کبھی ایسا ہو جاتا ہے۔ میں تم لوگوں کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی مگر میرا ذہن کہیں اور بھٹک رہا تھا۔"

"اگر تمہارے دل میں یہ احساس زندہ ہے تو تم نے نوشی کی بُری عادت سے تائب کیوں نہیں ہو جاتیں!" غزالہ نے بڑی دردمندانہ آواز میں کہا۔

"یہ میرے بس سے باہر ہے۔" ویرا کے ہونٹوں پر پھیکی سی مسکراہٹ تیر گئی "یہ شاید میری زندگی کی کسی بڑی ناکامی کا ثمر ہے کہ شراب میرے دل و دماغ میں رچ بس گئی ہے۔" غزالہ کو جواب دیتے دیتے اس کی نگاہیں شکایتی انداز میں میرے چہرے پر ٹھہر گئیں "ہر شخص کی زندگی میں بہت سے سنہرے خواب ہوتے ہیں جنہیں وہ اپنی زندگی کا مقصد اور محور تصور کرتا ہے۔ اگر کسی کے یہ خواب ریزہ ریزہ ہو کر بکھر جائیں تو وہ پوری زندگی میں کبھی نہیں سنبھل سکتا۔ شاید میرے ساتھ بھی یہی کچھ ہوا ہے۔ میں نے جسے چاہا تھا اسے پالیتی تو شاید آج میں ایک بالکل مختلف لڑکی ہوتی۔ ایسا نہیں ہو سکا اور آج میرا انجام تمہارے سامنے ہے۔"

"مجھے خوشی ہے کہ آج تم کسی آڑ موڑ کے بغیر بے لاگ انداز میں اپنی ذات کا تجزیہ کر رہی ہو۔" سلطان شاہ کی آواز میں بھی تحیر زدہ سی ہمدردی سمٹ آئی "تم نے اپنی پوری بات میں صرف ایک جگہ تھوڑی سی غلط بیانی سے کام لیا ہے ورنہ سب سچ ہے۔"

"اس وقت میرا موڈ بالکل مختلف ہے۔ میں نے کوئی بات غلط نہیں کی۔" ویرا سگریٹ کا پیکٹ کھول کر سگریٹوں کے سروں کو گھمانے لگی۔

"یہ تمہاری خام خیالی ہے کہ آج بھی خود کو لڑکی کہتی ہو ورنہ تم ایک تجربے کار عورت کے روپ میں ڈھل چکی ہو۔" سلطان شاہ نے اپنی رائے دی۔

"تم خوش ہو تو یہی سمجھ لو۔" ویرا نے ایک سگریٹ منتخب کر کے اپنے یاقوتی ہونٹوں میں دبالی۔

"آج میرے لیے حیرتوں کا دن ہے۔" غزالہ مسرت آمیز لہجے میں بولی "تمہیں سلطان شاہ کی خوشی عزیز ہو گئی ہے۔"

"بس اسی سے اندازہ لگالو کہ وہ کون خوش نصیب ہے

Downloaded from https://paksociety.com

جسے ویرا نے پسند کیا ہوگا مگر وہ اس کا نہ ہوسکا۔" میں نے جلدی سے کہا۔

"تم ہر بات سے واقف ہو۔ کم از کم تم تو ایسی باتیں مت کرو۔" ویرا نے مجھ سے شکوا کیا "سلطان شاہ واقعی مجھے بہت عزیز ہے مگر اس میں کہیں کسی آنچ کی کمی ہے۔ یہ میرا تو کیا، کسی بھی معقول لڑکی کا محبوب نہیں بن سکتا۔"

"سن لیا تم نے۔" میں نے سلطان شاہ سے کہا "جلد از جلد اس آنچ کی کسر پوری کرنے کی کوشش کرو پھر تمہاری بھی لاٹری نکل سکتی ہے۔" میری پوری کوشش یہ تھی کہ ویرا کے موڈ پر طاری ہونے والی سنجیدگی کو گمبھیر رخ اختیار نہ کرنے دوں۔

"میں اپنی ذات میں کسی قسم کی کوئی کمی محسوس نہیں کرتا۔" سلطان شاہ نے خفت آمیز، مدافعانہ لہجے میں جواب دیا "اگر جوہری کی آنکھوں میں موتیا اترا ہوا ہو تو اسے کوہ نور جیسے بے مثال ہیرے میں بھی کئی عیب نظر آئیں گے۔"

"ہیرا!" ویرا بے ساختہ ہنس پڑی "مکمل ہونے کا ایسا بڑا دعویٰ تو ڈینی کو بھی نہیں ہوگا۔ جوہر لحاظ سے تم سے افضل ہے۔"

"تم بلاوجہ مجھے ڈینی سے بھڑانے کی کوشش مت کرو۔" سلطان شاہ خفگی سے بولا۔

"ہاں، یہ دوستانہ فضا خراب نہیں ہونی چاہیے۔" غزالہ نے دونوں ہاتھ اٹھا کر مفاہمانہ انداز میں مداخلت کی "اس چھت کے نیچے ایسے خوشگوار لمحات بہت کم میسر آتے ہیں۔"

ویرا نے سگریٹ کا ایک گہرا کش لے کر دھواں فضا میں بکھیرا پھر بولی "میرا سوال غت ربود ہوگیا۔ جان ایش کوف کی کھوپڑی پر رات کو برف کیوں جم گئی تھی۔"

"ڈینی تک رسائی کی اُمید نے اسے ہر خطرے سے بے نیاز کردیا اور وہ اپنی دانست میں پوری تیاری کرکے دوڑ لگا بیٹھا۔" سلطان شاہ نے ایک فقرے میں جواب دیا۔

"مان لیا۔" ویرا نے سگریٹ کے سرے سے خیالی راکھ جھاڑ کر اتفاق کیا "وہ جوش اور ہیجان میں بہت سی باتیں نظر انداز کر بیٹھا لیکن مندر کے پاس اپنی ناک کی ہڈی تڑوانے کے بعد اس کو سوچنا چاہیے تھا کہ اسے دغا دی گئی ہے۔ اس کے بجائے اس نے رختِ سفر باندھ لیا۔ کیوں؟"

"یہ تم گاہے گاہے بتاتی رہتی ہو کہ امریکی بنیادی طور پر بزدل ہوتے ہیں۔ مار کھانے کا اندیشہ ہو تو اپنے حریف کا جم کر مقابلہ کرنے کے بجائے میدان چھوڑ کر بھاگ نکلنے کو ترجیح دیتے ہیں۔" اس بار غزالہ نے اسے یاد دلایا تھا۔

"چلو، یہ بھی مان لیا جائے تو اب وہ ڈینی کی ذات کو پس پشت ڈال کر عبدالماجد کی تلاش میں کیوں ہیں؟" ویرا نے پوچھا۔

"یہ ڈینی کی حاضر دماغی اور برجستہ گوئی کا کمال ہے۔" سلطان شاہ نے لقمہ دیا "سمندر کے کھارے اور ٹھنڈے پانی میں ڈبکیاں کھانے کے باوجود جان کے اس یقین میں کوئی فرق نہیں آسکا کہ وہ عبدالماجد کی کسی سازش کا نشانہ بنا ہے۔"

"نظر یہی آرہا ہے۔" ویرا اپنا سر ہلاتے ہوئے خود کلامی کے انداز میں بولی "اگر جان اتنا نڈر ہے تو اسے سرے سے سی آئی اے میں رہنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ پتا نہیں وائٹ ہاؤس میں بیٹھے ہوئے کن گدھوں نے ڈینی ڈائریکٹر کے عہدے پر اس کی تقرری کی منظوری دی ہے۔"

میں نے جواب میں کچھ نہیں کہا۔ اس وقت اپنی زبان بند رکھنا سب سے بہتر تھا۔ میں نے گزرے ہوئے دنوں میں امریکی سی آئی اے کے بارے میں جو اہم باتیں معلوم کی تھیں ان میں یہ نکتہ سرِفہرست تھا کہ وہ امریکا میں حکومت در حکومت بلکہ ایک متوازی حکومت کی حیثیت سے جڑ پکڑ چکی تھی۔ امریکی صدر کو سی آئی اے کے سربراہ کے تقرر کا اختیار تھا اور ہر امریکی صدر اپنے اس اختیار کے استعمال میں انتہائی احتیاط سے کام لیتا تھا۔ اس سے آگے سی آئی اے کا اپنا نظام تھا۔ اس کا ڈائریکٹر اپنی صوابدید سے تقرر، ترقی اور نئی بھرتیوں کے بارے میں فیصلے کرسکتا تھا۔ اس کے لیے فیصلے کرنا آسان تھا لیکن کسی فیصلے کو واپس لینا دشوار تھا کیونکہ سی آئی اے کے ہر رکن اور ایجنٹ کو امریکا کے وفاقی ملازم کی حیثیت سے بہت سے تحفظات میسر تھے۔ وہ سی آئی اے کا اندرونی کھیل تھا جس میں وائٹ ہاؤس والوں کا کبھی زیادہ عمل دخل نہیں رہا تھا۔

اچانک بج اٹھنے والی ڈور بیل نے میری خاموشی کا بھرم رکھ لیا۔ سلطان شاہ اٹھ کر دروازے تک گیا۔ گھر میں آنے جانے والوں کی دیکھ بھال کی ذمے داری اس نے رضاکارانہ طور پر سنبھالی ہوئی تھی۔ وہ واپس آیا تو اول خان اس کے ساتھ تھا۔

"خس کم جہاں پاک!" پُرتپاک سلام دعا اور مزاج پرسی کے بعد اول خان نے ایک صوفے پر ڈھیر ہوتے ہوئے کہا۔

"کیا جان ایش کوف بھی مرگیا؟" ویرا نے چونک کر طنزیہ پیرائے میں پوچھا۔

Downloaded from https://paksociety.com

"ایسی بددعائیں نہ مانگو۔" اول خان نے اسے گھورتے ہوئے تادیب کی "وہ کراچی میں بلکہ پاکستان میں کہیں بھی مارا گیا تو سیاسی سطح پر شدید مشکلات کھڑی ہو جائیں گی۔"

"پھر تم کس خس کی کمی کی خوش خبری سنا رہے تھے؟" ویرا اس کا فقرہ مکمل ہوتے ہی بول پڑی۔

"تم پوری بات سنے بغیر درمیان میں اپنی ٹانگ اڑا دیتی ہو۔" اول خان نے ہلکی سی ناگواری کا اظہار کرتے ہوئے کہا "میں تم لوگوں کو یہ بتانا چاہ رہا تھا کہ کراچی ائرپورٹ سے صبح چار بجے اس کا طیارہ دہلی کی طرف پرواز کر گیا۔ اب وہ یہاں نہیں ہے۔"

"بہت ہی کمینہ اور بزدل نکلا یہ جان بھی۔" ویرا نے نفرت سے کہا۔

"شاید جان نام کے سارے امریکی ایسے ہی ہوتے ہیں۔ ڈرپوک' خود غرض اور عیش کوش!" سلطان شاہ بولا۔

"کم از کم جان اسمتھ اور جان ایش کوف کی حد تک تمہاری بات درست معلوم ہوتی ہے۔" غزالہ نے اس سے اتفاق کرتے ہوئے کہا۔

"جان نے یہاں سے جانے سے پہلے مجھے نظر انداز کر دیا۔ اب اس کی توجہ ماجد یمنی پر مرکوز ہے۔ اس کی تلاش کا کام بھی مقامی پولیس اور ایجنسیوں پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ میں کچھ دن بے فکری کے مزے لے سکتا ہوں۔" میں نے صوفے کی پشت گاہ سے ٹیک لگا کر جواب دیا۔

"اس بھول میں نہ رہنا۔ انہوں نے دیکھ لیا ہے کہ اپنے طور پر وہ کچھ نہیں کر سکتے۔ اب وہ ہمارے سر پر سوار ہو جائیں گے کہ ہم نے ان کے مطلوبہ آدمی کی تلاش کے سلسلے میں کیا کامیابی حاصل کی۔" اول خان بولا "خود کام کرنے کے بجائے دوسروں پر ذمے داری تھوپ دینے کا یہی فائدہ ہوتا ہے۔"

"یہاں کی ایجنسیاں ان کی ملازم نہیں ہیں۔" ویرا نے برہمی سے کہا "ان سے پوچھا جا سکتا ہے کہ ڈینی کی تلاش میں برسوں کا وقت اور بھاری سرمایہ خرچ کر کے انہوں نے کیا کامیابی حاصل کی ہے۔ ان کے پاس ڈینی کے بارے میں کوئی ریکارڈ تک نہیں ہے۔"

"ان فضول باتوں میں وقت برباد مت کرو۔ یہ یاد رکھو کہ را اور سی آئی اے والوں کو تین افراد کی تلاش ہے۔ ڈینی' مظہر خان اور ماجد یمنی۔" اول خان کی نظریں میرے چہرے پر مرکوز ہو گئی تھیں۔ ان کے نزدیک تینوں خطرناک اور خونی مجرم ہیں۔ ان تینوں شخصیات کا الگ الگ برقرار رہنا ضروری ہے۔"

"ماجد یمنی کا اب روئے زمین پر کہیں سراغ نہیں ملے گا۔" میں نے بے پروائی سے ہنس کر جواب دیا "وہ نظریۂ ضرورت کی ایک اضطراری پیداوار تھی۔ وہ عمر بھر اسے ڈھونڈتے رہیں' اس تک نہیں پہنچ سکیں گے۔ مجھے دوبارہ یہ نام استعمال کرنے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔"

"اسے ہم بھی بھول جائیں گے....." اول خان نے اطمینان سے اپنی بات شروع کی لیکن میں قطع کلامی کر بیٹھا۔

"تم بار بار اپنا ذکر کیوں کر رہے ہو؟ کمشنر ہاؤس میں جان سے ہونے والی ملاقات میں تم تھے نہ تمہاری ایس ٹی ایف کا کوئی نمائندہ پھر تم بلاوجہ اپنی گردن کیوں پھنسا رہے ہو۔"

"میں ایم آئی' آئی بی' آئی ایس آئی' ایف آئی اے اور پولیس فورس کو خود سے الگ نہیں سمجھتا۔ ہم سب ایک مشین کے کل پرزے ہیں جنہیں مل جل کر چلنا ہوتا ہے۔ جب ہمارے سامنے امریکیوں یا بھارتیوں جیسے حریف ہوں تو ہمیں زیادہ گہرے اتحاد کا مظاہرہ کرنا پڑتا ہے۔"

اس کی بات سادہ اور قابلِ فہم تھی۔ میں نے جواب میں خاموشی اختیار کر لی۔

"لیکن ڈینی اور مظہر خان کے ناموں کو اتنی آسانی سے فراموش نہیں کیا جا سکے گا کیونکہ وہ دونوں زندہ حقیقت ہیں۔"

"جان اور لیری کو ٹال دینے کے بعد تمہیں یہ نام کیوں یاد آ رہے ہیں۔" سلطان شاہ نے پوچھا "اس بارے میں تو جلال نے بھی ایسے لہجے میں بات نہیں کی تھی حالانکہ وہ جان کے ساتھ کمشنر ہاؤس کے اجلاس میں خود شریک تھا۔"

"اس کے بعد سے کچھ تبدیلیاں رونما ہو چکی ہیں۔ کل جان ان دونوں کا طلب گار تھا۔ آج بھارتی وزارت داخلہ نے دہلی میں باضابطہ طور پر ہمارے سفیر سے مطالبہ کیا ہے کہ بھارت کے ان دونوں مجرموں کو پکڑ کر ان کے حوالے کیا جائے۔"

"مظہر خان کے بارے میں صاف انکار کر دو۔" میں نے اول خان کو مشورہ دیا۔

"یہ ناممکن ہے۔" اول خان نے بے یقینی سے میری طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا "تم نے اس نام پر دہلی تک کا سفر کیا تھا۔ تمہارے پاسپورٹ کے کوائف انہوں نے فراہم کیے ہیں۔ ایک باضابطہ پاکستانی شہری کے بارے میں ہم کیسے اپنی لاعلمی ظاہر کر سکتے ہیں۔"

"تم کو اچھی طرح معلوم ہے کہ مظہر خان نے غیر قانونی طور

Downloaded from https://paksociety.com

پر بھارت میں داخل ہوا تھا۔" میں نے کہا "اس کے پاسپورٹ پر بھارتی امیگریشن کی جعلی مہریں لگی ہوئی تھیں۔ اصلی پاسپورٹ بھارتیوں کے پاس نہیں ہے اس لیے وہ یہ ثابت نہیں کرسکتے کہ وہ مہریں جعلی تھیں۔ خود ان کو یہ حقیقت اس وقت معلوم ہوگی جب وہ اپنی اٹاری پوسٹ کے ریکارڈ کی دیکھ بھال کریں گے اور انہیں وہاں سے مظہر خان اور غزالہ نامی پاکستانیوں کے داخلے کا اندراج نہیں ملے گا۔"

"تم سوچتے ہو تو واقعی بہت دور کی کوڑی لاتے ہو۔ میرا دھیان اس طرف نہیں گیا تھا۔" اول خان نے کھلے دل سے اعتراف کیا۔

"مظہر خان نے قانونی طور پر سرحد عبور کی یا غیر قانونی طریقے سے بھارت میں داخل ہوا' یہ بعد کی بات ہے۔ دہلی میں اس کی موجودگی کا اظہار کرکے بھارتیوں نے اپنے گلے میں ہڈی اٹکالی ہے۔ پہلے وہ بتائیں کہ مظہر خان کس راستے سے بھارت سے باہر نکلا۔ اس کے اخراج کے اندراجات دکھائیں۔ اس کے بعد ہی مظہر خان کے بارے میں پاکستان پر کوئی ذمے داری عائد کی جاسکے گی۔ وہ دہلی میں تھا۔ اگر اس کی واپسی کا کہیں کوئی ریکارڈ نہیں ہے تو ایک پاکستانی کے غائب ہونے کی ذمے داری بھارتیوں پر ہے۔ وہ بتائیں کہ وہ کہاں ہے' اسے کس جیل یا تھانے میں رکھا گیا ہے۔ پاکستان ان سے اپنے شہری کی واپسی کا مطالبہ کرسکتا ہے۔"

"گریٹ..... واقعی تم گریٹ ہو۔ یہی موقف غزالہ کے بارے میں بھی اختیار کیا جاسکتا ہے۔" پوری بات سمجھتے ہی اول خان خوشی سے اپنی جگہ پر اچھل پڑا "کاش جان والے اجلاس میں دوسروں کے ساتھ تم بھی موجود ہوتے تو جان اور لیری کے بخیے ادھیڑ ڈالتے۔ یہ بات ابھی تک کسی کے ذہن میں نہیں آئی ہے۔"

"مظہر خان کے پُراسرار طور پر اغوا ہونے کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ کراچی چھوڑنے کے بعد سے اب تک اس کا گھر ویران اور مقفل پڑا ہوا ہے۔" سلطان شاہ نے پُرجوش لہجے میں کہا "بات زیادہ بڑھائی گئی تو اس کے پڑوسی بین الاقوامی ایجنسیوں کے کارندوں کو بتائیں گے کہ جانے کے بعد وہ واپس نہیں لوٹا۔"

"زیادہ بغلیں نہ بجاؤ۔" ویرا نے منہ بنا کر کہا "یہ بچوں کا کھیل نہیں ہے۔ را یا سی آئی اے والے اتنے احمق نہیں ہیں کہ محض ریکارڈ چھاننے میں لگے رہیں۔ وہ سخت پاکستانی جواب کے سامنے جھک جائیں گے اور کہہ دیں گے کہ مظہر خان' غزالہ کو لے کر چوری چھپے پاکستان چلا گیا ہے۔"

"اس سے پاکستان کی اخلاقی پوزیشن مستحکم ہوگی۔" اول خان ویرا کی بات ماننے پر آمادہ نہیں تھا۔ اس نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا "حکومتیں قانون کی عمل داری اور سر بلندی کی علامت ہوتی ہیں اور ہر لاقانونیت ان کی پیشانی کا داغ بن جاتی ہے۔ وہ اس بات کا کوئی جواب نہیں دے سکتے کہ ایک مشتبہ پاکستانی جوڑا دہلی میں روز اول سے را کے بڑے اور ذمے دار افسروں کی نگرانی میں تھا' اچانک کوئی جادوئی چراغ استعمال کرکے بھارت سے کیسے غائب ہوگیا۔ میں نے ڈینی کی بتائی ہوئی ہر بات ذہن نشین کرلی ہے۔ اب دیکھ لینا کہ دہلی میں ہمارے سفیر کو دیا جانے والا مراسلہ بھارتیوں کے گلے پڑجائے گا۔ ڈینی نے اپنی چشم کشا باتوں سے ایک گائیڈ لائن فراہم کردی ہے۔ اس میں بہت سی باریکیاں ہمارے وہ بزرجمہر تلاش کرلیں گے جو دن رات قانون کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنائے رہتے ہیں۔" اس نے اپنی جگہ چھوڑ کر میرے شانے پر زور سے ہاتھ مارا اور بولا "اس وقت تم نے میرا دل خوش کردیا۔ یہی وجہ ہے کہ میں اپنے دل کی ہر بات تمہارے سامنے رکھ دیتا ہوں تو مجھے چین ملتا ہے۔"

"را والوں کو کراچی میں مظہر خان کے پتے کا علم ہے۔" غزالہ بولی "اس تصدیق کے بعد ہی تریش نے آپ پر ڈورے ڈالنے کی کوششیں شروع کی تھیں۔ شروع میں اسے بھنک بھی مل جاتی کہ کراچی کے پتے پر مظہر خان کا وجود نہیں ہے تو آج کی کہانی بالکل مختلف ہوتی۔"

"بالکل!" میں نے اس کی تائید کی "را والے اپنے ان ہی ذرائع سے یہ معلوم کرلیں گے کہ مظہر خان ابھی تک اپنے گھر واپس نہیں پہنچا۔ ان ساری کامیابیوں کی داغ بیل اول خان کی ڈالی ہوئی ہے۔ میرا پاسپورٹ بنواتے ہوئے ان باتوں کا خیال نہ رکھا جاتا تو یہ قدم قدم پر پریشان کرتیں۔"

"اب عبدالماجد یمنی غائب ہوگیا۔ مظہر خان کو بھارتیوں نے کہیں قید کیا ہوا ہے۔ تینوں میں سے صرف ڈینی رہ جاتا ہے۔" ویرا نے نشان دہی کی۔

"وہ بہت مشکل شکار ہے۔" اول خان نے ہنستے ہوئے جواب دیا "یہ بات را سے سی آئی اے اور موساد تک' سبھی جانتے ہیں۔"

"وقتی طور پر ہم نے مسائل کا تدارک کرلیا ہے لیکن ہم اپنے دشمنوں کی طرف سے غافل نہیں رہ سکتے۔ ان پر اگلا وار کرنے کے بارے میں تم کیا سوچ رہے ہو؟" اول خان نے

Downloaded from https://paksociety.com

پوچھا۔

"سوچنے کی کیا ضرورت ہے۔ ایک فون اور فیکس نمبر ڈھونڈ کے پاس موجود ہے۔ اسی کو دیکھنا چاہیے۔" ویرا بول اٹھی۔

اول خان کے اس سوال کے نتیجے میں میرے ذہن میں ایک بے نام سا تاریک دھبا نمودار ہوا تھا لیکن مجھے اس پر غور کرنے کا موقع نہیں مل سکا۔ ویرا کے پُر یقین جواب نے میرے ذہن کو اس تاریک دھبے پر مرکوز نہ رہنے دیا اور بات آگے بڑھ گئی۔

"تم نے فیکس پر بھیجے جانے والے پیغام کے بارے میں کچھ نہ کچھ سوچ لیا ہوگا۔" اول خان نے پوچھا۔

خاکہ میرے ذہن میں تیار تھا۔ میں نے وہ چند نکات ان چاروں کے سامنے دہرائے۔

وہ بہت سیدھی سی بات تھی۔ دہلی کے قیام کے دوران میں انل اور نریش سے میری مفاہمت ہوگئی تھی۔ ایک طے شدہ معاوضے پر مجھے ان کے لیے پاکستان میں کام کرنا تھا۔ یہ کام اتنا پکا تھا کہ مجھے ایک ماہ کی تنخواہ پیشگی دے دی گئی مگر میرے پاکستان پہنچنے سے پہلے ہی مجھے بھارت میں اشتہاری مجرم قرار دے کر شور مچا دیا گیا۔ میں یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ راوا والے مجھے کس بڑے شکار کے لیے اپنا چارا بنانے کی کوشش کر رہے تھے۔

"فیکس میں یہ بات ضرور لکھ دینا کہ تم کسی مقررہ وقت پر فون کرو گے تاکہ کھل کر بات کرسکو۔" ویرا نے تاکید کی۔

فیکس محض ایک ابتدائی کوشش تھی۔ میرا اصل مقصد یہی تھا کہ میں نریش کے دیے ہوئے فون نمبر پر کسی سے کھل کر بات کرنے میں کامیابی حاصل کرلوں۔ ویسے بھی فون کی سہولت ہر جگہ میسر تھی جب کہ فیکس عام نہیں تھا۔ اس پر رابطہ کرنے میں سب سے پہلا خطرہ رازداری کو لاحق ہوتا کیونکہ فیکس مشین کا مالک پیغام پر سرسری نظر ڈال کر بھی محض اتفاقاً کوئی اہم نکتہ ذہن نشین کرسکتا تھا۔

امریکی سی آئی اے میری ذات کے حوالے سے کسی شناخت کے لیے تڑپ رہی تھی۔ میں نے ناشتے کی میز پر بیٹھ کر اپنا پیغام تحریر کیا تو مجھے اندازہ تھا کہ میری تحریر بھی میری شناخت کا ایک ذریعہ بن سکتی تھی۔ اس پیغام کا من و عن دشمن کے ہاتھوں میں پہنچنا مخدوش تھا۔

میرے اس اندیشے سے آگاہ ہوتے ہی ویرا اور سلطان شاہ نے کھلے دل سے پیشکش کی کہ فیکس پر بھیجنے کے لیے وہ میری تحریر کی نقل کردیں مگر میرے ذہن میں ایک خدشہ جنم لے چکا تھا۔ میں اپنے کسی ساتھی کی تحریر کا نمونہ بھی راکے کسی ایجنٹ کو بھیجنے کا روادار نہیں تھا۔

میں انگریزی میں لکھا ہوا پیغام ٹائپ کرانے کے لیے اول خان کے ساتھ نکل کھڑا ہوا۔

کراچی کے حسن اسکوائر پر سوک سینٹر کی عمارت ہمارے گھر سے زیادہ دور نہیں تھی۔ متعدد شہری دفاتر کے اردگرد درخواستیں لکھنے اور ٹائپ کرنے والے صبح سے شام تک روزگار کی آس میں بیٹھے رہتے تھے۔ اس علاقے میں کسی ٹائپسٹ کا ملنا دشوار نہیں تھا مگر پارکنگ کے لیے جگہ ڈھونڈنا محال تھا۔ اول خان نے سوک سینٹر کی عقبی سڑک کے ایک دور افتادہ مقام پر اپنی گاڑی کھڑی کی اور ہم پیدل بارونق دفتری علاقے کی طرف ہولیے۔

ایک خستہ حال سوزوکی میں میز پر ٹائپ رائٹر اور کاغذوں کا پلندا میری نظروں کو بھلا معلوم ہوا۔ ہمیں دیکھ کر کرسی والے شخص نے مصروف نظر آنے کی کوشش کی مگر ہمارے بڑھتے ہوئے قدم دیکھ کر اسے اپنی نام نہاد مصروفیت ترک کرکے ہماری طرف متوجہ ہونا پڑا۔

میں نے اپنا لکھا ہوا کاغذ اسے دیا۔ اس نے فوراً ٹائپ رائٹر پر سفید کاغذ چڑھانا شروع کردیا۔

"اس کی کتنی نقلیں بنیں گی۔ پتا کس کا ہوگا؟" اس نے رٹے رٹائے جملے دہرائے۔

"پتا کسی کا نہیں ہوگا۔ بس یہ مضمون ٹائپ کردو۔" اول خان نے خشک لہجے میں کہا "نقل کی کوئی ضرورت نہیں۔"

"کم از کم ایک کاپی ٹائپ کروالیں۔ کاربن اور ایک کاغذ کا کشن ملتا ہے تو حروف صاف چھپتے ہیں۔" اس نے مشورہ دیا۔

ہم نقل تلف کرسکتے تھے۔ میں نے سرہلا کر رضامندی ظاہر کردی۔

اس پیغام کا متن مبہم سا تھا۔ ٹائپ کرنے والے نے پیشہ ورانہ انداز میں کئی مقامات پر ردوبدل کا مشورہ دیا جسے میں نے مسترد کردیا۔ زا والوں کے لیے وہ سطور لکھتے ہوئے میں نے خیال رکھا تھا کہ کوئی اجنبی ٹائپسٹ کسی اہم بات سے آگاہ نہ ہوسکے۔

ٹائپنگ مکمل کرنے کے بعد اس نے کاغذ مشین سے اتارے بغیر مجھے پیغام پڑھنے کا مشورہ دیا تاکہ کسی غلطی کی اصلاح کی جاسکے۔ میں چھپے ہوئے کاغذ پر جھکا تو پہلی ہی سطر میں املا کی چار غلطیاں موجود تھیں۔ پورا مضمون غلطیوں سے

Downloaded from https://paksociety.com

بھرا ہوا تھا مگر مفہوم بہرحال اپنی جگہ برقرار تھا۔ مجھے اندازہ تھا کہ میں نے غلطیوں کی اصلاح کا مطالبہ کیا تو ہمارا کافی وقت برباد ہوجائے گا۔ میری رضا پاکر اس نے کاغذ رول سے اتارے' اپنا کاربن نکالا اور دو مطبوعہ کاغذ میرے ہاتھ میں تھمادیے۔

غلطیوں سے بھری ہوئی ان چند سطروں کی ٹائپنگ کا معاوضہ پچیس روپے طلب کیا گیا۔ بیس اصل کے اور پانچ روپے کاربن کاپی کے۔ میرے لیے رقم کی کبھی بھی کوئی اہمیت نہیں رہی تھی لیکن بے ایمانی اور دھوکے بازی میری برداشت سے باہر تھی۔ اپنے کسی ناخوشگوار ردِعمل کے مظاہرے سے پہلے مجھے خیال آگیا کہ غلطی میری تھی۔ میں نے ٹائپسٹ کو کام سونپنے سے پہلے پیسے طے نہیں کیے تھے۔ کام کرنے کے بعد اس نے جو کچھ مانگ لیا تھا' وہ دینا ضروری تھا۔ ویسے بھی وہ گردشِ روزگار کا ستایا ہوا ایک پریشان حال سفید پوش تھا۔ میں نے پچیس روپے کے بجائے پچاس روپے کا نوٹ اسے تھمایا اور اس کے ہاتھ سے وہ کاربن پیپر لے لیا جو میرے کام میں استعمال ہوا تھا۔

میں دیکھ چکا تھا کہ وہ کاربن پرانا تھا پھر بھی اس پر میرے پیغام کے کسی لفظ یا جملے کے پڑھے جانے کا احتمال تھا۔ میں نے کاربن پیپر کو اپنی مٹھی میں سمیٹا اور بقیہ پیسوں کی واپسی کا انتظار کیے بغیر وہاں سے چل دیا۔

چند قدم دور نکل آنے کے بعد میں نے کاربن پیپر اور پیغام کی نقل کے پرزے پرزے بکھیر کر فضا میں اڑادیے۔

"تم فطری طور پر بہت زیادہ محتاط آدمی ہو۔" آنے جانے والوں کی بھیڑ سے دور نکل کر اول خان نے معترفانہ انداز میں کہا "میں بھول کر بھی پرانے اور سڑے ہوئے کاربن کے بارے میں نہیں سوچ سکتا تھا۔ شاید یہی عقابی نظریں تمہیں ان دیکھے خطرات سے بچاتی چلی آرہی ہیں۔"

"اب مسئلہ فیکس مشین کا ہے۔" گاڑی میں واپسی کے دوران میں نے کہا۔

"قریب ہی کسی دکان سے فیکس کرلو۔ دس روپے میں کام ہوجائے گا۔" اول خان نے مشورہ دیا۔

"پی سی او سے بھیجے گئے ہر فیکس پر دوسری طرف شناختی لائن بھی جاتی ہے۔ اسے بند کرانے پر بھی خدشہ رہے گا کہ دکان دار نے ہدایت پر عمل کیا ہے یا نہیں۔ راکے آدمی کو یہ پتا نہیں چلنا چاہیے کہ اسے شہر کے کس علاقے سے فیکس کیا گیا ہے۔" میں نے وضاحت کی۔

"پھر تم یہ پیغام مجھے دے دو۔ میں دفتر سے فیکس کردوں گا۔ اس کے فرشتوں کو بھی پتا نہیں چلے گا کہ یہ کہاں سے فیکس کیا گیا ہے۔" اس نے دھیرے سے کہا۔

"احتیاط کے طور پر سی ایس ڈی بھی لے لینا۔ ویسے فیکس پر کسی کی مداخلت کا اندیشہ نہیں ہوگا۔"

میں نے دور تک سوچ کر یہ فیصلہ کیا تھا کہ زیش کے دیے ہوئے نمبر پر فیکس کرنے کے لیے گلشن اقبال کے علاقے کا کوئی پبلک فیکس آفس استعمال نہ کیا جائے۔ پچھلے روز ہم نے اپنی ہر احتیاط بروئے ہوئے کار لاتے ہوئے گھر کے بجائے ایک پبلک کال آفس سے جان ایلش کوف کو فون کیا تھا۔ وہ وہی موقع تھا جب میں نے عبدالماجد کے روپ میں اس سے بات کی تھی۔ بعد میں جلال نے رات گئے بتایا تھا کہ جان نے نہ صرف اس پبلک بوتھ کا نمبر معلوم کرلیا تھا بلکہ میری اور اپنی گفتگو کا مکمل ٹیپ بھی حکام کو دے دیا تھا۔ اس واقعے کے بعد دوبارہ یہ بات سامنے آئی کہ را کے کسی آدمی کو گلشن اقبال ہی سے فیکس کیا گیا تھا تو وہ علاقہ دشمنوں کی نگاہوں میں آجاتا اور ہمارے لیے وہاں ٹھہرنا مشکل ہوجاتا۔

اول خان اس وقت فیکس کے چکر میں ہماری طرف آیا تھا۔ اس کا ارادہ تھا کہ فیکس لینے کے بعد مجھے دروازے پر اتار کر اسٹیشن فور کی طرف روانہ ہوجائے گا لیکن گھر پہنچنے کے بعد میں نے اسے رکنے پر مجبور کردیا۔ گھر میں تینوں افراد اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے۔ میں اول خان کو اپنے ساتھ لے کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ کھلے ہوئے ڈرائنگ روم کے مقابلے میں خواب گاہ کی خلوت میں بیٹھ کر ہم زیادہ آزادی اور بے فکری سے بات کرسکتے تھے۔

اول خان کا میرے ساتھ خواب گاہ میں آنا معمول سے ہٹا ہوا عمل تھا۔ ویرا ایسے معاملات میں بہت کایاں تھی' وہ چونکے بغیر نہ رہ سکی اور چند ثانیوں بعد ہی کمرے میں آکر ہم دونوں کے ساتھ جم گئی۔

"تم یہاں کیوں آئی ہو۔ کچن میں جاکر غزالہ کا ہاتھ بٹاؤ۔" میں نے اس کا ارادہ بھانپ کر خشک لہجے میں کہا۔

"میں غزالہ سے اجازت لے کر یہاں آئی ہوں۔ وہ بہت حوصلے والی لڑکی ہے۔ کام سنبھال لے گی۔" مجھے سلگانے کے لیے اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"اس وقت شاید تمہاری موجودگی ضروری نہیں ہے۔" اول خان نے میرے تیور بھانپ کر اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

"یہ تمہاری منکسر مزاجی ہے کہ ایسا کہہ رہے ہو۔" ویرا ڈھٹائی سے بولی "ورنہ میں اپنے فرض سے غافل نہیں

Downloaded from https://paksociety.com

ہوسکتی۔ تم تھوڑی دیر کے لیے ہمارے مہمان بن کر آتے ہو۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ تمہاری آمد کو نظرانداز کرکے ہم سب اپنے اپنے کاموں میں لگے رہیں۔"

"اول خان کی میزبانی کے لیے میں یہاں موجود ہوں۔ تمہیں اس بارے میں فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں۔" میں نے اپنا غصہ دباتے ہوئے کہا "تم جاکر اپنا کام کاج دیکھو۔ کوئی ضرورت ہوئی تو میں آواز دے کر تمہیں بلالوں گا۔"

"نہیں!" وہ اٹھلا کر بولی "مجھے معلوم ہے کہ تم تکلف کرو گے۔ مجھے آواز نہیں دو گے۔"

اس کے لب و لہجے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ مجھے سلگانے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں شرارت ناچ رہی تھی۔ میں نے زچ ہو کر کہا "میں قطعی تکلف نہیں کروں گا۔ خدا کے لیے اس وقت تم یہاں سے چلی جاؤ۔ میں تخلیے میں اول خان سے بات کرنا چاہتا ہوں۔"

"تو یوں کہو نا کہ تم مجھ سے نجات حاصل کرنا چاہ رہے ہو۔ اب تو میں ہرگز نہیں جاؤں گی۔" اس نے مجھے چڑانے کے لیے کرسی کے دونوں بازو تھام لیے۔

"ایسی کیا بات ہے جو تم ویرا کے سامنے نہیں کرسکتے؟" اول خان نے معاملہ رفع دفع کرانے کی کوشش میں کہا اور ویرا نے اس کی بات اُچک لی۔

"خدا تمہارا بھلا کرے۔ تم نے حق بات کہہ دی ہے۔ جب ہمارا رہنا سہنا اور مرنا جینا ایک ساتھ ہے تو آپس میں ایسی پردہ پوشیوں کی کیا ضرورت ہے؟"

اپنی ذہنی رو کو قابو میں رکھنے کی کوشش میں، میں نے اضطراری طور پر سگریٹ سلگالی۔

اول خان نے بلاوجہ بزرگانہ انداز میں ویرا کو سمجھانا شروع کردیا "اس طرح ہر جگہ ٹانگ اڑانا اچھا نہیں ہوتا۔ اگر تمہیں یہ یقین ہے کہ ہم میں سے کوئی بھی تمہارے خلاف کوئی بات نہیں سوچ سکتا تو تمہیں ایسی دخل اندازی سے گریز کرنا چاہیے۔ اس طرح بلاوجہ کی بدگمانیاں پیدا ہوتی ہیں۔"

ویرا کے دماغ پر اس وقت تجسس اور شرارت کا بھوت سوار تھا۔ وہ معصومانہ سنجیدگی کے ساتھ یوں ہمہ تن اس کی طرف متوجہ ہوگئی جیسے اس کا کہا ہوا ایک ایک لفظ اپنے دل و دماغ پر نقش کرنے کی کوشش کر رہی ہو۔

اول خان نے اپنی لمبی چوڑی اصلاحی تقریر کے بعد پوچھا "میری یہ باتیں تمہاری سمجھ میں آرہی ہیں نا۔"

"بالکل۔" ویرا نے سرہلا کر اقرار کیا "میں نے انہیں گرہ سے باندھ لیا ہے۔ آئندہ تمہیں مجھ سے شکایت نہیں ہوگی۔"

"شاباش! تو اب باہر جاؤ۔ میں ڈینی کی باتیں سن کر یہاں سے جلد نکل جانا چاہتا ہوں۔"

"میں نے آئندہ کے لیے تم سے وعدہ کرلیا ہے مگر اس وقت یہاں سے نہیں جاؤں گی۔" ویرا مچل گئی "یہ میری توہین ہوگی کہ ڈینی مجھے اپنے کمرے سے نکال دے۔"

میں ویرا کا کہا ہوا ہر زہریلا لفظ سن رہا تھا مگر گونگا اور بہرا بنا ہوا، خاموشی سے اپنی سگریٹ پھونکے جارہا تھا۔ اس کا آخری جواب سن کر میں نے اسے یکسر نظرانداز کردیا اور اپنی کرسی کا رخ گھما کر اول خان کے بالکل سامنے ہوگیا۔

"میرے ذہن میں ایک بات بار بار بچھو کے ڈنک کی طرح چبھ رہی ہے۔" میں نے معتدل لہجے میں اپنی بات شروع کی "تم اس بات کے گواہ ہو کہ میں نے کچھ سوچے سمجھے بغیر، اچانک ہی عبدالماجد الحسینی کا نام استعمال کیا تھا مگر یہ نام اسی لمحے جان کی توجہ کا ایسا مرکز بنا کہ اب وہ ڈینی کی ذات کو پس پشت ڈال کر صرف اور صرف ماجد تک پہنچنا چاہ رہا ہے۔ آخر اس نام میں ایسی کیا تاثیر تھی؟"

اول خان نے فوری طور پر میرے سوال کا کوئی جواب نہیں دیا۔ چند ثانیوں کے توقف کے بعد سوچتے ہوئے بولا۔ "فون پر تمہارے یعنی ماجد کے بارے میں سوالات کرتے ہوئے اس نے یہ بھی پوچھا تھا کہ تم القاعدہ کے آدمی تو نہیں ہو؟"

"بالکل پوچھا تھا۔" میں نے اقرار کیا "بعد میں اس نے القاعدہ والوں کے لیے گندی اور ہتک آمیز زبان بھی استعمال کی تھی۔ میرے کان اس نام سے ضرور آشنا ہیں مگر مجھے یہ اندازہ نہیں تھا کہ امریکی ان سے اتنی نفرت کرنے لگے ہوں گے۔"

"یہ جنگ اور سرد جنگ کے کرشمے ہیں۔" اول خان نے ایک گہرا سانس لے کر سوچتے ہوئے جواب دیا "افغانستان میں روسیوں کی سرکوبی کے لیے لڑنے والوں میں ایک گروپ القاعدہ بھی تھا۔ اس وقت امریکی دل کھول کر ہر روس دشمن طاقت کی مدد کر رہے تھے۔ اس لڑائی میں کہیں کہیں امریکی بھی شریک تھے۔ وہ اور القاعدہ والے افغان سرزمین پر روسیوں سے شانہ بشانہ لڑے تھے مگر روس کی روسیاہی کے بعد حالات پلٹ گئے۔ راستے جدا ہوگئے۔ امریکی القاعدہ والوں کے خلاف ہوچکے ہیں۔ ان کو ڈر ہے کہ افغانستان کے عدم استحکام سے فائدہ اٹھا کر القاعدہ کے حامی برسراقتدار آگئے تو اس سرزمین پر امریکیوں کے لیے کوئی جگہ نہیں رہے

Downloaded from https://paksociety.com

گی۔ ہو سکتا ہے کہ اس وقت جان ایش کوف ہی افغانستان کے معاملات کا نگراں ہو اور اپنے جوڑ توڑ کے ذریعے وہاں القاعدہ کی راہ روکنے کی کوششیں کر رہا ہو۔"

"اس میں ماجد یمنی کے کردار کی کیا اہمیت ہو سکتی ہے؟" میں نے الجھ کر سوال کیا۔ ان سیاسی نکات میں مجھے ذرا بھی دلچسپی نہیں تھی۔

"کہا جاتا ہے کہ القاعدہ میں عرب اور یمنی بڑی تعداد میں ہیں۔ تم نے جان سے ڈینی کے بارے میں مخبری کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ شاید اس کے دماغ میں یہ بات بیٹھ گئی ہو کہ ماجد القاعدہ کا کوئی اہم آدمی ہے جس پر ہاتھ ڈال کر وہ دہرا فائدہ اٹھا سکتا ہے۔"

"اچانک سامنے آنے والے ایک سائے سے ایسی کیا امیدیں وابستہ کی جا سکتی تھیں؟" میں نے تلخی سے پوچھا۔

"اسے امید ہو گئی ہو گی کہ ماجد کے ذریعے ایک طرف وہ ڈینی کا سراغ لگا سکتا ہے اور دوسری طرف القاعدہ کی شکست و ریخت کے عمل میں غیر معمولی کامیابیاں حاصل کر سکتا ہے۔ یہی خوش فہمیاں اس کے لیے ایک آسیبی جال بن گئیں اور وہ تمہاری باتوں کے پھندے میں الجھ کر نینٹی جیسی کے مندر تک پہنچ گیا۔ واقعات کی کڑیاں صرف اسی امکان کی نشان دہی کرتی ہیں ورنہ جان آسانی سے فریب کھانے والا آدمی نہیں تھا۔"

اس وقت تک ویرا بالکل خاموشی سے ہم دونوں کے درمیان ہونے والی گفتگو سن رہی تھی۔ اس نے ایک بار بھی اپنی زبان کھولنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ اس کی مفاہمانہ خاموشی کی وجہ سے میرے وجود میں انگڑائیاں لیتا ہوا اشتعال سرد ہو چکا تھا مگر اس مرحلے پر ویرا نے اپنی خاموشی توڑ کر مجھے چونکا دیا "اگر تم دونوں کو کوئی اعتراض نہ ہو تو چند باتیں میں بھی کہہ ڈالوں۔"

اول خان کی مستفسرانہ نگاہیں میرے چہرے پر آ کر رک گئیں اور میں نے ویرا کے چہرے پر سنجیدگی کی پرچھائیں دیکھ کر اسے بولنے کا اشارہ کر دیا۔

"میرے ذہن میں یہ بات چبھ رہی تھی کہ سی آئی اے کا ایک ڈپٹی ڈائریکٹر اتنا احمق کیسے ہو سکتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اب مجھے اپنے سوال کا جواب مل چکا ہے۔ اسے یکایک اپنی دہری کامیابی کا خواب نظر آنا شروع ہو گیا تھا اور وہ اسی چکر میں ڈینی کے ہاتھوں سمندری کھاڑی میں جا گرا۔ میں اس بات کی چشم دید گواہ ہوں کہ شی میں میرے باپ کے اقتدار کے زمانے سے افغان علاقہ امریکیوں کی توجہ کا مرکز بنا ہوا تھا۔ ڈینی محض ایک فرد کے طور پر ان کا سب سے بڑا دشمن ہے لیکن افغان علاقے ایک طویل عرصے سے خفیہ امریکی پالیسیوں کا نشانہ بنے ہوئے ہیں۔"

"اس وقت ہمارا مل بیٹھنا سود مند ثابت ہوا۔" میں نے اول خان سے کہا "ہم سب کے ذہنوں میں کچھ نہ کچھ شکوک و شبہات پل رہے تھے جو اب صاف ہو رہے ہیں۔"

"اب بات واقعی قابلِ فہم ہو گئی ہے کہ ماجد یمنی کے فرضی نام نے اچانک اتنی اہمیت کیوں اختیار کر لی کہ ڈینی پسِ پشت چلا گیا۔" ویرا بولی۔

"سچ سچ بتانا کہ جان سے فون پر بات کرتے ہوئے تمہارے ذہن میں ماجد اور یمن کے نام کیوں آئے تھے۔" اول خان نے مجھ سے پوچھا۔

"مجھے کوئی نہ کوئی فرضی نام لینا تھا۔ میں یہ سب بتا چکا ہوں۔ مقامی نام کو جان اہمیت نہ دیتا۔ غیر ملکی نام میں اس کے لیے کشش ہوتی۔ مغربی نام اپنا کر میں اس لب و لہجے میں زیادہ دیر تک انگریزی نہیں بول سکتا تھا۔ کہیں نہ کہیں مار کھا جاتا۔ جان کے عربی داں ہونے کا امکان نہ ہونے کے برابر تھا۔ میں عرب بن گیا۔"

"عرب ممالک کی تعداد کم نہیں ہے۔ تم نے خود کو یمنی بتانا کیوں پسند کیا؟"

"بس یوں سمجھ لو کہ وہ نہلے پر دہلا تھا۔ اس نے میرے سعودی ہونے کا قیاس کیا تھا۔ میرے لیے اس کی تردید ضروری تھی۔ جواب آں غزل کے طور پر میرے ذہن میں یمن کا نام آ گیا۔"

"بس اس کے ستارے گردش میں آ گئے تھے اس لیے ڈینی کا ذہن بالکل صحیح سمت میں کام کرتا چلا گیا۔" ویرا نے کہا۔

"آج کل القاعدہ بڑی حد تک گمنام ہے۔ اس تنظیم کے خلاف امریکیوں کی نفرت سے ظاہر ہو رہا ہے کہ آنے والے دنوں میں یہ ایک تہلکہ خیز نام بن کر ابھرنے والی ہے۔" میں نے سوچتے ہوئے اپنی رائے دی "سحان کی باتوں میں اب مجھے مستقبل کی جھلکیاں نظر آنے لگی ہیں۔"

"میں سوچ رہی ہوں کہ اس وقت فیر فیکس میں کیا ہو رہا ہو گا۔" ویرا بڑبڑائی۔

میرا ذہن فوری طور پر اول خان کو دیے ہوئے فیکس کی طرف گیا لیکن زبان کھولنے سے پہلے مجھے یاد آ گیا کہ وہ امریکی قصبہ سی آئی اے کا گھر تھا۔ میں نے لمحے بھر کے توقف کے بعد پوچھا "وہ لوگ بہت محنت سے صحیح سمت میں کام کر رہے

Downloaded from https://paksociety.com

ہیں۔ میرے بارے میں ان کے بیشتر اندازے درست ہیں۔"

"اس سے مجھے انکار نہیں۔ وہ لوگ یہ سن کر اپنے سر پیٹ لیں گے کہ جان اسمتھ کے بعد جان ایش کوف بھی کراچی سے ڈر کر دبلی بھاگ گیا ہے۔ سی آئی اے کے منصوبہ ساز اپنے مستقبل کے منصوبوں کے لیے کراچی میں قدم جمانا چاہ رہے ہیں اور ان کے بھیجے ہوئے بھیڑیے' بھیڑوں کی طرح ممیاتے ہوئے دبلی کی طرف دوڑ لگا رہے ہیں۔"

"ان کی یہ افراتفری ہمارے لیے مفید ہے۔ وہ یک سوئی سے کام نہیں کر سکیں گے۔" اول خان نے کرسی چھوڑ دی۔

ہم دونوں نے دروازے تک آ کر اسے رخصت کیا۔

"کبھی کبھی تم مجھ سے بہت زیادہ بیزار نظر آنے لگتے ہو۔" اول خان کو رخصت کرنے کے بعد ویرا نے راہداری میں دبی زبان میں شکایت کی "میں اب تمہیں اتنی زیادہ بری لگنے لگی ہوں تو میں یہاں سے اپنا منہ کالا کر لوں؟"

"تم پہلے بھی منہ کالا کرتی رہی ہو۔" میں نے خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا "یہ محاورہ ذرا احتیاط سے استعمال کیا کرو۔"

اس نے سلگ کر اپنی چٹکی سے میرے بازو کی جلد مروڑ کر رکھ دی۔ راہداری طے کر کے ہم سلطان شاہ کی نشست کے قریب پہنچ چکے تھے اس لیے ویرا کو جواب میں کچھ کہنے کا موقع نہیں مل سکا اور وہ مجھے گھورتی رہ گئی۔

"فیکس کب تک بھیج دیا جائے گا؟" غزالہ نے کچن سے نکلتے ہوئے پوچھا۔ چولہوں کی حدت سے اس کا چہرہ تمتمایا ہوا تھا۔

"اول خان اپنے دفتر میں پہنچتے ہی یہ کارِ خیر کر گزرے گا۔ کچھ خطرات نہ ہوتے تو میں اسی وقت کسی پبلک فیکس سے وہ پیغام بھیج دیتا۔"

"بالکل ٹھیک ہے۔ فریق ثانی کو اتنا وقت ملنا چاہیے کہ وہ پیغام ملنے کے بعد سوچ سمجھ کر کوئی فیصلہ کر سکے۔" سلطان شاہ نے کہا۔

"بکواس مت کرو۔" ویرا نے اس پر آنکھیں نکالیں "ہر وقت اوندھی باتیں کرتے رہتے ہو۔"

"میں نے کون سی غلط بات کہہ دی؟" سلطان شاہ نے اپنے دونوں ہاتھ فضا میں اچھال کر احتجاج کیا۔

"دشمن سے غلط فیصلے کی امید رکھو۔" ویرا نے چٹکی بجا کر اسے آنکھ ماری "دشمن کا کوئی بھی صحیح فیصلہ ہمارے لیے خطرناک ثابت ہوگا۔"

"میرا بھی یہی مطلب تھا۔" سلطان شاہ نے چیخ کر جواب دیا "میں دشمن کے ایسے کسی غلط فیصلے کی بات کر رہا تھا جو ہمارے لیے صحیح ثابت ہو۔"

سلطان شاہ کی اس انوکھی توجیہہ پر غزالہ کھلکھلا کر ہنس پڑی اور گھر کی فضا یک بیک خوشگوار ہو گئی۔

مجھے امید تھی کہ اول خان میرا پیغام بارہ بجے سے پہلے را کے نامعلوم ایجنٹ کو فیکس کر دے گا جبکہ میں نے اپنے پیغام میں سات بجے فون کرنے کا ذکر کیا تھا۔ اس طرح فریق ثانی کو کسی بھی قسم کی ذہنی تیاری کرنے کے لیے پورے سات گھنٹے کا وقت دستیاب تھا۔

نرلیش نے دبلی میں مجھے رابطے کے جو نمبر دیے تھے وہ دونوں شہر کے سول لائنز کے علاقے یا اس کے مضافات سے تعلق رکھتے تھے جس کا اظہار ان نمبروں کے تین ابتدائی ہندسوں کی یکسانیت سے ہوتا تھا۔ جب سے ہم لاہور کے راستے کراچی پہنچے تھے' اتنی مہلت نہیں ملی تھی کہ سکون سے بیٹھ کر اپنی پچھلی کارگزاری کا جائزہ لیا جائے اور پھر کچھ نکات پر تحقیق و تفتیش کے کام کو آگے بڑھایا جائے۔ مجھے وقت ملا ہوتا تو یہ پتا چلانا دشوار نہیں تھا کہ وہ دونوں فون نمبر کس کے نام پر تھے اور عملی طور پر کس کے تصرف میں تھے۔

کراچی میں بھارتی قونصل خانہ کم و بیش اسی علاقے میں' فاطمہ جناح روڈ پر واقع تھا۔ مجھے پورا یقین تھا کہ وہ نمبر قونصل خانے کے نہیں ہو سکتے تھے۔ دبلی میں نرلیش نے میری اداکاری سے جو بھی فریب کھایا ہو' وہ یہ سنگین غلطی نہیں کر سکتا تھا کہ اپنے ایک پاکستانی مخبر کو خفیہ سفارتی رابطوں کی کسی کڑی سے آگاہ کر دے۔

جان سے گفتگو کے لیے استعمال کیے جانے والے پبلک فون بوتھ کے نمبر جان کے ہاتھ لگ جانے سے میرے اعتماد کو دھچکا لگا تھا۔ اس زمانے میں سی ایل آئی کی سہولت کے بارے میں نہیں سنا گیا تھا مگر یہ بات ثابت ہو گئی تھی کہ کم از کم ... کراچی میں مقیم اہم امریکی افسران میں سے بعض کو اس سہولت تک رسائی حاصل تھی۔ ایسی صورت میں سی ایس ڈی کی افادیت بھی مشکوک ہو جاتی تھی۔ میرے تجربے کے مطابق وہ آلہ دورانِ گفتگو کسی تیسرے فریق کی مداخلت کا مکمل ترین انسداد کرنے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ یہ بات وثوق سے نہیں کہی جا سکتی تھی کہ سی ایس ڈی ہمارے فون نمبر کو کسی قسم کی شناخت سے بھی محفوظ رکھ سکتی تھی۔

اس آلے کے بارے میں میرا تجربہ یہ تھا کہ اس کا استعمال کرتے ہوئے ہم کبھی کسی کی گرفت میں نہیں آئے تھے جبکہ ہم اس آلے کی مدد سے امریکی اور بھارتی سفارتی

Downloaded from https://paksociety.com

افسروں سے بھی رابطے کرتے رہے تھے پھر مجھے یاد آیا کہ ویرا نے بھی اسی آلے کے سائے میں جان اسمتھ کو پے درپے فون کرکے اتنا خوف زدہ کیا تھا کہ وہ دہلی کی طرف بھاگ نکلا تھا۔ اگر اس نے ویرا کے فون نمبر کا سراغ لگالیا ہوتا تو اسے کراچی سے بھاگنے کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ فون کا مجرمانہ استعمال ہر اعتبار سے خلافِ قانون تھا۔ جان اسمتھ کے ایک اشارے پر کراچی پولیس ذرا سی دیر میں ویرا کو ہمارے گھر سے اٹھا کرلے جاسکتی تھی۔

جان اسمتھ کے معاملے میں ایسا نہیں ہوا تھا۔ دوسری طرف جان ایش کوف نے پبلک بوتھ کا نمبر پکڑلیا تھا جبکہ وہ خود اسی گھر میں رہ رہا تھا جہاں جان اسمتھ کا قیام تھا۔ ان دونوں کا فون بھی ایک ہی تھا۔ فرق صرف یہ تھا کہ ہمارے گھر پر سی ایس ڈی نصب تھی جبکہ پبلک بوتھ اس آلے سے محروم تھا۔ شاید اس زمانے میں نمبر پکڑنے کے لیے سادہ آلات کے بجائے کوئی ایسی مشین استعمال کی جاتی تھی جو سی ایس ڈی کے حساس آلے سے نہیں بچ سکتی تھی۔

ویرا اور جان والے واقعات یاد آنے کے بعد مجھے سی ایس ڈی کی کارکردگی کی طرف سے دلی اطمینان تو ہوگیا مگر میں نے فیصلہ کرلیا کہ پہلی فرصت میں جلال یا اول خان کے ذریعے مزید معلومات حاصل کروں گا۔ اپنے تحفظ کے لیے مجھے اسی ایس ڈی کی کارکردگی سے پوری طرح باخبر ہونا بہت ضروری تھا۔

عارضی دلی اطمینان ہوجانے کے باوجود میں مزید تصدیق کیے بنا فون یا موبائل فون کسی دشمن سے رابطے کے لیے استعمال کرنے کے لیے آمادہ نہیں تھا۔ دوسری طرف وہ سارا دن بیکار رہ کر گزارنا میرے لیے مشکل تھا۔ میں نے بالہ اور ویرا کو امورِ خانہ داری میں مصروف چھوڑا اور خان شاہ کو اپنے ساتھ لے کر گھر سے نکل کھڑا ہوا۔

سلطان شاہ نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالنے تک کسی چون وچرا کے بغیر میری ہدایات پر عمل کیا لیکن سفر کا آغاز ہونے کے بعد اس کا تجسس سوالات کی صورت میں اس کی زبان پر آیا۔ وہ جاننا چاہ رہا تھا کہ میں اس وقت کہاں اور کس مقصد سے جارہا تھا۔

میرا کوئی خفیہ پروگرام نہیں تھا۔ میں کچھ دیر تک اسے مذاق میں ٹالتا رہا پھر اسے بتادیا کہ میں اولڈ ٹاؤن کے کسی پبلک بوتھ سے نرلیش کے دیے ہوئے نمبر پر فون کرنا چاہ رہا تھا۔ شام کے سات بجے سے پہلے اس فون نمبر کے بارے میں آگاہی حاصل کرسکوں۔

میرا ساتھی بننے سے پہلے سلطان شاہ ایک ٹرانسپورٹ کمپنی میں کام کرتا رہا تھا۔ اسے ہلکی اور بھاری گاڑیوں کی ڈرائیونگ پر کامل مہارت حاصل تھی۔ وہ سڑکوں پر رواں' بھانت بھانت کی گاڑیوں کے ہجوم میں اپنا راستہ بناتا ہوا اولڈ ٹاؤن کی طرف بڑھتا رہا۔

"اس علاقے میں پہنچ کر ہمیشہ میری پرانی یادیں تازہ ہوجاتی ہیں۔" کھارادر کی تنگ سڑکوں پر گاڑی چلاتے ہوئے سلطان شاہ نے جذباتی لہجے میں کہا "میں جس زمانے میں سیٹھوں کے لیے کام کررہا تھا تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ مجھے اپنے وطن کی خدمت کرنے کا ایسا بڑا موقع ملے گا۔"

"یہ دل کو سمجھانے کی باتیں ہیں ورنہ ان دنوں تم واقعی محنت کررہے تھے۔ آج کل تو ہم لوگ وقت گزار رہے ہیں۔" میں نے اسے چھیڑا۔

وہ اسٹیئرنگ وہیل پر ہاتھ مار کر ہنس پڑا "را اور سی آئی اے والے گھاٹ نہیں ہیں کہ بلاوجہ دن رات تمہارے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔ میں دہلی میں تمہارے کاموں کے بارے میں سوچتا ہوں تو میرے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ را کے دفتر میں گھسنا ہی دل حوصلے کا کام تھا۔ تم نے تو ان کے غرور کو خاک میں ملا دیا۔ گرین کوبرا کے ساتھ نہ جانے کیا کیا نکال لائے' ناگر کو مار ڈالا اور ان سالوں کے دفتر کو آگ تک لگا دی۔ وہ تمہارے گن گاتے رہے۔"

"میری ایک بات ہمیشہ یاد رکھنا۔" میں نے سنجیدگی سے اسے سمجھایا "جو لوگ اپنی کامیابیوں پر زیادہ ناز کرتے ہیں وہ رفتہ رفتہ اپنے سنہرے ماضی میں رہنے کے عادی ہوجاتے ہیں اور پھر اپنے اردگرد کے حالات سے غافل ہوتے چلے جاتے ہیں۔ یہ روش انہیں بہت مہنگی پڑتی ہے۔"

"میں نے بھی تمہارے ساتھ رہ کر بہت کچھ سیکھا اور کیا ہے لیکن تم نے میری زبان سے کبھی اس بارے میں ایک لفظ نہیں سنا ہوگا۔ میں ہمیشہ تمہاری اور دوسروں کی بات کرتا ہوں۔" اس نے اپنی صفائی پیش کرتے ہوئے کہا "یہ مرض ویرا کو ہے کہ وہ ہر وقت اپنے راگ الاپتی رہتی ہے۔"

"پھر ویرا درمیان میں آگئی!" میں نے ہنس کر اسے ٹوکا "کسی وقت تو اسے بھلا دیا کرو۔"

"تم نے غور نہیں کیا۔ وہ واقعی اپنے ماضی کے تذکروں میں زیادہ مگن رہتی ہے۔"

"اسے معاف کردیا کرو۔ وہ بہت بدنصیب لڑکی ہے۔ اس نے بے مثال عروج کے بعد ایسا زوال دیکھا ہے کہ اب [illegible] کرمیوں کا

Downloaded from https://paksociety.com

شکار رہتے ہیں اور اپنے ماضی کی کامیابیوں کے تذکرے سے تسکین حاصل کرتے ہیں۔"

میرے ایما پر سلطان شاہ نے ایک قریبی پبلک بوتھ کے قریب گاڑی روک لی۔ بوتھ خالی تھا۔ میں نے اندر داخل ہو کر سلاٹ میں کارڈ لگایا اور ڈائل ٹون ملنے پر اللہ کا نام لے کر اپنا مطلوبہ نمبر ملالیا۔

دوسری طرف گھنٹی بجی۔ میں تیزی سے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ کسی جوابی آواز کا انتظار کرتا رہا لیکن لائن پر کوئی انسانی آواز نہیں سنائی دی۔ دوسری، تیسری، چوتھی اور پھر مسلسل گھنٹیاں بجتی رہیں لیکن کوئی جواب نہیں ملا۔ میں متذبذب انداز میں ریسیور اپنے کان سے لگائے کھڑا رہا۔ گھنٹیاں بجنے کی وجہ سے اندازہ نہیں ہو رہا تھا کہ دوسری طرف کوئی موجود نہیں تھا یا پھر وہ فون خراب تھا۔

کافی دیر کے انتظار کے بعد میں نے مایوس ہو کر سلسلہ منقطع کر دیا۔ بوتھ چھوڑنے سے پہلے میں نے احتیاط سے نمبر ملانے کی دوسری کوشش کی مگر اس کا بھی وہی نتیجہ رہا اور میں ریسیور کریڈل سے لٹکا کر باہر آ گیا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ ناکام واپس آئے ہو۔" سلطان شاہ نے میرے بشرے سے اندازہ لگا کر آہستگی سے کہا۔

"کوئی جواب نہیں مل رہا۔ ہو سکتا ہے کہ مظہر خان پر شبہ ہو جانے کے بعد را کے ایجنٹ نے اپنا ٹھکانا بدل لیا ہو۔" میں نے سگریٹ سلگا کر پُرخیال لہجے میں جواب دیا۔

"ایسا ہے تو پھر اول خان کو بھی ناکامی کا منہ دیکھنا پڑے گا۔" سلطان شاہ نے تبصرہ کیا۔

اس بار میں نے اسے کوئی جواب نہیں دیا۔ مجھے خیال آیا کہ فون نمبر پر رابطے میں ناکامی کے بعد مجھے فیکس نمبر پر بھی ایک کوشش کر لینی چاہیے تھی۔ بہت سے لوگ اپنے لیک ہی فون نمبر کو فون اور فیکس کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ رابطہ نہ بھی ہوتا تو ریسیور پر فیکس کی مخصوص آواز سن کر کچھ نہ کچھ اندازہ ضرور ہو جاتا۔ اس دوسری کال کے لیے میں کوئی اور بوتھ بھی استعمال کر سکتا تھا مگر پہلی ناکامی نے میرے ذہن پر کچھ جھلاہٹ سی طاری کر دی تھی۔ میں نے اسی وقت اول خان سے بات کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

سلطان شاہ کو گھر کی طرف واپسی کی ہدایت دے کر میں نے اپنے موبائل فون پر اول خان کے دفتر کا نمبر ملالیا۔ وہ اپنے دفتر میں موجود تھا۔ اس نے پہلی گھنٹی پر ہی ریسیور اٹھا لیا اور میری آواز سن کر خوش دلی سے چہکنے لگا۔ "تم کہاں گم ہو رہے ہو؟ میں نے گھر فون کیا تو پتا چلا کہ تم کسی سے کچھ کہے سنے بغیر باہر نکلے ہوئے ہو۔ میں نے تمہارے لیے ویرا کو پیغام دے دیا تھا۔ اس نے تمہیں بتا دیا ہو گا۔"

"میں ابھی تک گھر سے باہر ہوں۔ اولڈ ٹاؤن کے کسی پبلک بوتھ سے زیش والے فون نمبر پر رابطہ کرنے کے ارادے سے نکلا تھا مگر ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ یہ بتاؤ کہ فیکس کا کیا رہا؟" میں نے اپنی جھلاہٹ پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے خوش گوار لہجے میں پوچھا۔

"فیکس چلا گیا۔ میں نے تمہارے گھر فون کر کے ویرا کو یہی اطلاع دی تھی۔" اول خان نے بتایا پھر پوچھا "فون مصروف تھا یا اس پر کوئی ریکارڈنگ چل رہی ہے؟"

"مسلسل گھنٹیاں بج رہی ہیں۔ کوئی جواب نہیں مل رہا۔ میرا خیال ہے کہ کسی کو اس نمبر کی چھان بین پر لگایا جانا چاہیے۔"

"میں نے ٹی اینڈ ٹی والے شہزاد کو اس کام پر لگا دیا ہے۔ یہ نمبر کس کے نام پر ہیں، کس کے استعمال میں ہیں اور اس وقت ان کی کیا پوزیشن ہے۔ یہ سب باتیں شام سے پہلے معلوم ہو جائیں گی۔ مجھے ان باتوں کی اہمیت کا اندازہ تھا۔ سات بجے سے پہلے ہمارا باخبر ہونا ضروری ہے۔"

وہ واقعی دور اندیش اور فرض شناس افسر تھا۔ اسے بہت زیادہ بتانے اور سکھانے کی ضرورت پیش نہیں آتی تھی۔ سیدھے مسائل میں وہ ہمیشہ ہر پہلو کو نگاہ میں رکھتا تھا۔ جہاں جوڑ توڑ، جھوٹ، فریب اور سازشوں کا معاملہ ہو، وہاں وہ چکرا جاتا تھا پھر بھی صحیح سمت میں پیش قدمی کرنے کی مقدور بھر کوشش کرتا تھا۔

اول خان سے فون پر مختصر سی گفتگو کر لینے کے بعد مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے سر پر سے ایک بڑا بوجھ اتر گیا ہو۔

"وہ دونوں فون اور فیکس نمبر تمہیں دہلی میں زیش نے دیے تھے۔" سلطان شاہ کہہ رہا تھا "ان کے بارے میں یہ بات یقین سے کہی جا سکتی ہے کہ وہ نمبر کراچی میں مقیم، را کے کسی ایجنٹ کے استعمال میں ہیں۔ اس بارے میں تم کو کسی تردد میں نہیں پڑنا چاہیے۔ ان پتوں پر پہنچو اور بے رحمی سے اپنے دشمنوں کے گریبان پر ہاتھ ڈال دو۔ ایسے معاملات میں مدافعانہ پیش قدمی کے بجائے جارحانہ پیش رفت ہمیشہ سود مند ثابت ہوتی ہے۔"

"یہ باتیں میں بھی جانتا ہوں۔" میں نے اس کے مشورے کا برا منائے بغیر جواب دیا "اگر یہ نمبر بھارتی قونصل خانے کے کسی ملازم کے استعمال میں ہیں تو بات اتنی سادہ نہیں رہے گی۔ ہمیں بہت سوچ سمجھ کر کوئی قدم اٹھانا ہو گا۔"

Downloaded from https://paksociety.com

اپنے تازہ مسائل میں سر کھپاتے ہوئے ہم دونوں دو بجے سے پہلے گھر پہنچ گئے جہاں دونوں خواتین کچن کی مصروفیات سے فارغ ہو کر ہماری واپسی کی منتظر تھیں۔

ویرا نے اپنے مزاج کے مطابق کچھ برہمی کا اظہار کیا کہ میں اسے کچھ بتائے بغیر گھر سے نکل گیا تھا۔ اس کے اصرار کے باوجود میں نے اسے یہ بتانے کی ضرورت محسوس نہیں کی کہ میں سلطان شاہ کو اپنے ساتھ لے کر کہاں گیا تھا اور ویرا کا منہ پھول گیا۔

کھانے کی میز پر ویرا میرے اور سلطان شاہ کے ساتھ منہ ماری کرتی رہی۔ سلطان شاہ نے میرا رویہ دیکھ کر ویرا کو چڑانا اور نظر انداز کرنا شروع کر دیا۔ اس بے چارے کو ایسے سنہری مواقع بہت کم ملتے تھے جب میرا وزن ویرا کے بجائے اس کے پلڑے میں ہو۔

ساڑھے تین بجے اول خان وفورِ جوش سے تمتمایا ہوا آپہنچا۔ اس کے آدمی نے نریش کے دیے ہوئے دونوں مقامی نمبروں کے بارے میں اہم معلومات فراہم کی تھیں۔

فلیکس نمبر کراچی کے بھارتی قونصل خانے کے ایک مقامی ملازم چندن گرنانی کے نام پر تھا جو سول لائنز کے علاقے میں متوسط درجے کے ایک فلیٹ میں رہتا تھا۔ فون نمبر پی آئی ڈی سی ہاؤس کے پیچھے ایک پرانی عمارت میں واقع ایک وکیل کے دفتر کا تھا۔ اس وکیل کا نام سنی کمار تھا۔ وہ نکمہ جاتی معلومات تھیں۔ ٹیلی فون اینڈ ٹیلی گراف ڈپارٹمنٹ کے ریکارڈ میں برسوں سے وہ اندراجات اسی طرح چلے آرہے تھے۔ دونوں نمبر فعال تھے اور ان کے بل ادا کیے جارہے تھے۔ اول خان کے آدمی نے متعلقہ ایکس چینج کے ریکارڈ روم سے بھی چیک کرلیا تھا کہ ان میں سے کسی نمبر میں کوئی گڑبڑ نہیں تھی۔

"فلیکس نمبر کا معاملہ بالکل صاف ہے۔ چندن گرنانی را کا ایجنٹ ہے اور اپنی فیکس مشین پر مقامی مخبروں سے رپورٹیں وصول کرتا ہے۔" ویرا نے اپنا فیصلہ صادر کردیا۔

"بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے۔" اول خان نے سر ہلاتے ہوئے اس کی تائید کی "اہم ترین بات یہ ہے کہ وہ پاکستانی شہری ہے۔ اسے کسی نہ کسی چکر میں گھیر گھار کر پکڑا جاسکتا ہے۔ اس پر ہاتھ ڈالنے کے نتیجے میں کسی بڑی پیچیدگی کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔"

"پولیس کی مدد سے اس کے پاس سے چرس یا ہیروئن برآمد کروائی جاسکتی ہے۔" سلطان شاہ بھی مشورہ دینے میں پیچھے نہیں رہا "منشیات رکھنے کے جرم میں اسے آسانی سے دس پندرہ دنوں تک کسی حوالات میں رکھا جاسکتا ہے۔ وہاں کی خاطر تواضع اس سے سب کچھ اگلوا لے گی۔"

"یہ کام اتنا آسان بھی نہیں ہے۔ بیشتر سفارتی ملازمین کو بہت سے تحفظات حاصل ہوتے ہیں۔ اس خانہ پری کے بغیر چندن گرنانی کو پکڑا گیا تو بھارتی شور مچادیں گے۔ وہ اپنے اس اہم آدمی کو اتنی آسانی سے نہیں بھلائیں گے۔"

"چندن بیچ کا آدمی بھی ہوسکتا ہے۔ وہ فیکس لے کر کسی اور کو پہنچاتا ہوگا۔" غزالہ نے کہا "یہ نہ بھولو کہ فون نمبر کسی اور کا ہے۔"

"چندن بیچ کا آدمی ہے تب بھی کارآمد ہے۔ وہ بہت کچھ بتاسکتا ہے۔" سلطان شاہ نے اصرار کیا۔

"تم نے سنی کمار کے فون کے بارے میں مزید کچھ نہیں بتایا۔" میں نے اول خان کو ٹوکا۔

"اس کی نوبت ہی کہاں آئی۔ سب نے چندن پر مغز زنی شروع کردی۔" وہ ہنستے ہوئے بولا "یہ معلومات حاصل ہوتے ہی میں نے اپنے آدمیوں کو تصدیق کے کام پر مامور کردیا۔ چندن کے گھر والے اندرون سندھ رہتے ہیں۔ وہ فلیٹ میں اکیلا رہتا ہے۔ جمعہ کی رات کو عمرکوٹ جاتا ہے اور اتوار کی شام کو واپس لوٹ آتا ہے کیونکہ پیر سے جمعہ تک اسے مسلسل پانچ دن دفتر جانا ہوتا ہے۔ اس کے فلیٹ میں بھی وہی سب ہوتا ہے جو رنگین مزاج اکیلے مردوں کے گھروں میں ہوسکتا ہے۔"

"اس کے معمولات بہت معقول ہیں۔" ویرا پھر بول پڑی "اس پر ہاتھ ڈالنے سے پہلے، اس کی غیر حاضری میں فلیٹ کی تلاشی لے کر بہت کچھ معلوم کیا جاسکتا ہے۔"

"یہ سب بعد میں سوچا جائے گا۔ پہلے سنی کمار کی کہانی سن لو۔" اول خان نے ہاتھ اٹھا کر کہا "وہ ایک ادھیڑ عمر ہندو وکیل ہے۔ کچھ عدالتوں میں فوج داری کیس لیا کرتا تھا لیکن بیمار ہونے کی وجہ سے کئی مہینوں سے دفتر نہیں آرہا۔ اس نے اپنے عملے کو چھٹی دے دی ہے اور وہ دفتر کئی مہینوں سے مقفل پڑا ہوا ہے۔"

"اسی لیے فون نمبر پر گھنٹیاں بج رہی تھیں اور جواب نہیں مل رہا تھا۔" سلطان شاہ نے کڑی سے کڑی ملالی۔

"احمقانہ باتیں مت کرو۔" میں نے اسے ڈانٹ دیا "اول خان بتا رہا ہے کہ وہ دفتر کئی مہینوں سے بند ہے۔ نریش اس بات سے بے خبر نہیں ہوگا۔ اس نے تین چار روز پہلے مجھے یہ فون نمبر دیا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ دفتر بند ہوگا کھلا، فون پر کسی نہ کسی سے بات ہوسکتی ہے۔"

Downloaded from https://paksociety.com

"لیکن تم کو کوئی جواب نہیں ملا۔" سلطان شاہ نے استفہامت کے ساتھ اعتراض کیا۔

"فون کے بارے میں نریش کی ہدایت تھی کہ اسے صرف ایمرجنسی میں استعمال کیا جائے۔" میں نے سوچتے ہوئے جواب دیا "فیکس کے برعکس فون کا مسئلہ ٹیڑھا ہے۔ دیکھنا ہوگا کہ میرے دیے ہوئے وقت پر کوئی جواب دیتا ہے یا گھنٹیاں بجتی رہتی ہیں۔"

"اگر وہ دفتر بند ہے تو کون تمہاری کال کا جواب دے گا؟" ویرا نے پوچھا۔

"میں نے ابھی بتایا ہے کہ فون نمبر دیتے وقت نریش کو بھی معلوم رہا ہوگا کہ سنی کا دفتر کئی ماہ سے بند ہے۔ میں فیکس پر پیشگی بتا چکا ہوں کہ میں سات بجے فون پر رابطہ کروں گا۔ ہو سکتا ہے کہ اس وقت کوئی نہ کوئی میری بات سننے کے لیے موجود ہو۔"

"سات بجے میرے آدمی سنی کے دفتر کی خفیہ نگرانی کریں گے۔ اگر تمہاری مجوزہ فون کال سننے کے لیے کوئی وہاں آتا ہے تو اس پر گہری نگاہ رکھی جائے گی تاکہ ضرورت پیش آنے پر اسے قانون کی آہنی گرفت میں لیا جا سکے۔" اول خان نے بتایا۔

"اگر یہ محض ایک تجویز ہے تو مجھے اس سے پورا اتفاق ہے۔" میں نے کہا "اپنے آدمیوں کو اسی وقت ہدایات دے دو۔ سات بجے چندن پر بھی نظر رکھی جائے تو زیادہ بہتر ہوگا۔ ہو سکتا ہے کہ وہی اپنے گھر سے نکل کر سنی کے دفتر میں گھس جائے۔"

"سنی کے دفتر کے اردگرد میرے آدمی منڈلا رہے ہوں گے۔ چندن کے بارے میں، میں ابھی کہے دیتا ہوں۔" اول خان اپنی بات پوری کر کے فون کی طرف متوجہ ہو گیا۔

جب تک اول خان فون پر بات کرتا رہا، کمرے میں خاموشی چھائی رہی۔ وہ فون پر اپنے کسی آدمی کو ہدایات دے کر فارغ ہوا تو ویرا بولی "ابھی ابھی مجھے خیال آیا ہے کہ نریش کے دیے ہوئے نمبر پر فیکس بھیج کر تم نے ایک سنگین غلطی کی ہے۔"

غلطی کا ذکر آتے ہی اول خان ہمہ تن گوش ہو گیا "یہ قدم سب کے مشورے سے اٹھایا گیا ہے۔ اب تمہیں اس میں کیا غلطی نظر آ رہی ہے۔"

"بھارتی تمہاری حکومت سے ڈپٹی اور مظہر خان کی گرفتاری اور حوالگی کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ کل طے ہوا تھا کہ مظہر کی پاکستان واپسی سے یکسر انکار کر کے بھارت سے مطالبہ کیا جائے کہ وہ اپنی قید میں موجود مظہر نامی پاکستانی کو واپس کرے یا پھر اس کی واپسی کے کوائف سے آگاہ کرے۔" ویرا نے تائید طلب لہجے میں کہا۔

"ہاں۔ آں!" اول خان نے عجلت میں کہا "پوری بات کہو، تم کیا کہنا چاہ رہی ہو؟"

"سرکاری طور پر تم لوگوں کا مشورہ یہی تھا تاکہ تمہاری حکومت مظہر کی یہاں موجودگی سے صاف انکار کر دے۔" ویرا نے دوبارہ تصدیق چاہی۔

"اب آگے بھی بکو گی یا تمہاری سوئی یہیں اٹکی رہے گی۔" میں نے بھنا کر کہا۔

"سرکاری سطح پر یہ جواب دیا جا چکا ہے۔ جوابی مراسلہ پڑھ کر بھارتی سفیر بوکھلا گیا تھا۔" اول خان نے کہا۔

"اور اب ڈپٹی بلکہ مظہر نے فیکس بھیج دیا جو پاکستان بلکہ کراچی میں اس کی موجودگی کا کھلا ثبوت ہے۔ بھارتی اس فیکس سے پورا فائدہ اٹھائیں گے۔" ویرا نے اپنی بات پوری کر ڈالی۔

اول خان کے لیے ویرا کا اٹھایا ہوا وہ نکتہ شاید بہت اہم تھا۔ اس نے ویرا کو براہِ راست کوئی جواب دینے کے بجائے استفسار طلب نگاہوں سے میری طرف دیکھنا شروع کر دیا۔

"جب بھارتیوں کے جواب کے بارے میں بات ہو رہی تھی تو یہ نکتہ میرے ذہن میں آیا تھا۔" میں نے اطمینان سے جواب دیا "میں نے فیکس کا پیغام لکھتے ہوئے اس بات کو پوری طرح ملحوظِ خاطر رکھا ہے۔ اس میں شروع سے آخر تک کہیں بھی میرا نام نہیں ہے۔"

"میں مانتی ہوں کہ تم نے چالاکی سے کام لیتے ہوئے اپنا نام نہیں لکھا، خط بھی تمہاری تحریر میں نہیں ہے بلکہ ٹائپ کیا گیا ہے مگر اس کا متن صاف نشاندہی کر رہا ہے کہ خط یا فیکس کس کی طرف سے بھیجا گیا ہے۔"

"فیکس اصل تحریر کی فوٹو کاپی ہوتی ہے جس کی کوئی قانونی وقعت نہیں ہو سکتی۔ بھارتی اپنے سر سے بوجھ اتارنے کے لیے خود ہی وہ پیغام ٹائپ کر کے ایک نمبر سے دوسرے کو فیکس کر سکتے ہیں اور پھر اسے ثبوت کے طور پر نچا سکتے ہیں۔" میں نے وضاحت کرتے ہوئے بتایا "تمہارا اندیشہ بالکل بے بنیاد ہے۔ فیکس کا سہارا لے کر پاکستان کے موقف کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی گئی تو بھارتیوں کو منہ کی کھانا پڑے گی۔"

"یہ تمہاری ہٹ دھرمی اور دیدہ دلیری ہے کہ تم فیکس کی اصلیت سے منحرف ہو رہے ہو۔" ویرا نے بیزاری سے کہا۔

Downloaded from https://paksociety.com

"بھارتیوں کی عقل پر پردہ پڑ گیا تو وہ ضرور یہ قدم اٹھائیں گے ورنہ ایسی حماقت کی ذرا سی بھی گنجائش نہیں ہے۔ اگر ذرا سی دیر کے لیے فیکس کے استعمال کا یقین کر لیا جائے تو وہ اس کا متن کہاں لے جائیں گے؟ اس میں صاف لکھا ہوا ہے کہ ایک پاکستانی شخص را کا تنخواہ دار مخبر بنا ہے اور بھارتی حکومت اچانک ہاتھ دھو کر اس کے پیچھے پڑ گئی ہے۔ کیا وہ یہ الزام از خود اپنے سر لے لیں گے کہ وہ جاسوسی کرانے کے لیے پاکستانیوں کو خریدتے ہیں۔"

"یہ کوئی انوکھی بات نہیں ہے۔ ساری دنیا میں ایسا ہوتا رہتا ہے۔" ویرا اپنی جگہ پر اڑی ہوئی تھی۔

"ضرور ہوتا ہے لیکن کوئی بھی حکومت بروقت اپنی ان حرکتوں کا اعتراف نہیں کرتی۔ دس بیس برس گزرنے کے بعد ان رازوں پر سے پردہ اٹھتا ہے کہ ماضی میں کیا کچھ ہوتا رہا تھا۔ اس وقت گڑے مردے اکھاڑنے کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔"

"ہر ملک میں برے یا بھلے قوانین ہوتے ہیں۔" اول خان نے میری حمایت میں کہا "ان کے تحت سرکاری رازوں کا افشا سنگین جرم شمار ہوتا ہے۔ یہ قوانین درحقیقت ایسے سرکاری کاموں کی بھی پردہ پوشی کرتے ہیں جو معروف معنوں میں قابل تعریف قرار نہیں پاتے۔"

"میں بلاوجہ بحث میں نہیں پڑتی۔" ویرا نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا "میرے ذہن میں ایک بات آئی تھی جو میں نے، تم لوگوں کے سامنے رکھ دی۔ اب اس کے فائدے اور نقصان کا اندازہ تم کو لگانا ہے۔ مجھے ڈینی کا آج والا فیکس گلے کا ہوا نظر آ رہا ہے۔"

"تم کو زیادہ ہلکان ہونے کی ضرورت نہیں۔" سلطان نے اس کا مضحکہ اڑایا "ڈینی اور اول خان تم سے زیادہ ذمہ دار آدمی ہیں۔ اگر ان کی دلیلیں بھی تمہیں مطمئن نہیں کر سکیں تو تم بے فکر ہو جاؤ۔ جو ہوگا' دیکھ لیا جائے گا۔"

"تمہاری کھوپڑی میں بھس بھرا ہوا ہے۔" ویرا نے اپنی کنپٹی پر شہادت کی انگلی رکھ کر جلے بھنے لہجے میں کہا "اپنی عقل سے کچھ نہیں سوچتے۔ جو تمہارے آقا کہہ دیں' رٹے رٹائے طوطے کی طرح وہی دہرانا شروع کر دیتے ہو۔"

"گندم اگر بہم نہ رسد' بھس غنیمت است۔" سلطان کو وہ ثقیل فارسی محاورہ نہ جانے کیسے یاد تھا "خدا کا شکر ادا کر لہ میری کھوپڑی میں کچھ نہ کچھ تو بھرا ہوا ہے۔ تمہارا سر تو بالکل خالی ہے۔ بغیر سوچے سمجھے ہر بات میں ٹانگ اڑانا اپنا فرض سمجھتی ہو۔"

"اب تم دونوں میں سے کوئی کچھ نہیں کہے گا۔" اول خان نے سختی سے کہا "ہمیں ان خرافات میں وقت برباد نہیں کرنا چاہیے۔"

ان دونوں نے کینہ توز نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھا لیکن اپنی اپنی زبانیں بند رکھیں۔ وہی اس وقت کی ضرورت تھی۔

پانچ بجے اچانک جلال آ پہنچا۔ ہم پانچوں نے تحیر زدہ خوشی کے ساتھ اس کا استقبال کیا۔

"میں نیپا میں ایک اہم میٹنگ سے فارغ ہو کر واپس جا رہا تھا تو سوچا کہ راستے میں تم لوگوں سے بھی مل لوں۔" اس نے اپنی غیر متوقع آمد کی وضاحت کرتے ہوئے بتایا۔

"اب کورم پورا ہے۔ اچھا ہوا کہ تم آ گئے۔" اول خان نے کہا "اس وقت ہم لوگ فون اور فیکس کے چکر میں الجھے ہوئے تھے۔"

"کسی اور موضوع پر بات چل نکلنے سے پہلے تم یہ بتاؤ کہ سی ایس ڈی کے بارے میں کیا جانتے ہو۔" میں نے جلال سے پوچھا۔

اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ "پتا نہیں تمہیں یہ سوال کیوں یاد آ گیا۔ دراصل اس وقت نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف پبلک ایڈمنسٹریشن میں سی ایس ڈی کے بارے میں کچھ جاپانی افسروں سے تفصیلی بات چیت ہوئی ہے جو میرے ذہن میں تازہ ہے۔ گاڑی میں اس اپریٹس کے بارے میں خفیہ لٹریچر بھی پڑا ہوا ہے۔"

"نیپا میں جاپانی افسر کیا کر رہے ہیں۔" ویرا نے قدرے حیرت سے پوچھا۔

"وہ پاکستان کا قومی تربیتی ادارہ ہے۔" جلال نے اسے بتایا "وہاں بہت سے غیر ملکی افسر بھی تربیت کے لیے آتے رہتے ہیں۔ سینئر حکام وہاں دعوت پر لیکچر دینے آتے ہیں۔ وہ جاپانی وہاں مواصلات کے موضوع پر تربیتی لیکچر دینے کے لیے آئے ہوئے ہیں۔"

"یہ بات حیران کن ہے کہ آج ہی تمہیں ان سے سی ایس ڈی کے بارے میں بات کرنے کی ضرورت پیش آ گئی۔" میں نے تعجب سے کہا۔

"جب سے مجھے اس کے بارے میں پتا چلا تھا' میں اس کے حصول کے لیے سرگرداں تھا۔ اب ریڈ آدمی والوں سے سی ایس ڈی بنانے کے حقوق ایک جاپانی کمپنی نے خرید لیے تھے تو اس آلے کا حصول ذرا آسان ہو گیا ہے۔ یہ ہمارے [illegible]

Downloaded from https://paksociety.com

"ایک وجہ یہ بھی ہے کہ سی ایس ڈی را والوں کے استعمال میں ہے۔" غزالہ نے ہنس کر تبصرہ کیا۔

"ہرگز نہیں۔" جلال نے پورے وثوق سے تردید کی "پتا نہیں بدری ناتھ کو یہ آلہ کہاں سے مل گیا تھا۔"

"تم جلال سے سی ایس ڈی کے بارے میں کچھ پوچھنا چاہ رہے تھے۔" اول خان نے مجھے یاد دلایا۔

"یہ بات یقینی ہے کہ سی ایس ڈی دو طرفہ ٹیلی فونک گفتگو میں کسی تیسرے فریق کی مداخلت سے بچاتی ہے لیکن نمبر ٹریس کرنے والے آلات پر اس کا کیا اثر پڑتا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"یہ بہت اچھی بات ہے کہ کوئی بھی کار آمد نکتہ تمہارے ذہن سے محو نہیں ہوتا۔" جلال نے مسکراتے ہوئے کہا "میرا خیال ہے کہ تم یہ بات نہیں بھلا سکے کہ جان نے گلشن اقبال کے اس پبلک کال آفس کا نمبر ٹریس کرلیا تھا جہاں سے تم نے اس سے بات کی تھی۔"

"اس واقعے نے مجھے بہت زیادہ محتاط بنادیا ہے۔" میں نے اعتراف کیا۔

"سی ایس ڈی ایک لاجواب ڈیوائس ہے جو ایک وقت میں صرف دو لائنوں کو ملائے رکھتی ہے جوں ہی تیسری لائن یا تیسرا سرکٹ جڑنے کی کوشش کرتا ہے' سی ایس ڈی لائن کو ڈراپ کردیتی ہے۔ یہ اس کے کام کرنے کا اصول ہے۔" جلال نے سہل الفاظ میں اپنی معلومات کا بیان شروع کردیا "فون کی گھنٹی بجنے پر نمبر کا سراغ لگانے کے لیے بھی کوئی نہ کوئی سرکٹ ضرور استعمال ہوتا ہے۔ یہ تین سرکٹ یک جا نہیں ہوسکتے۔"

"اس کا مطلب یہ ہے کہ نمبر کا سراغ نہیں مل سکے گا۔" میں نے اس سے یقین دہانی چاہی۔

"میں اس کا عملی مظاہرہ دیکھ چکا ہوں۔ جاپانی کمپنی نے نمبروں کا سراغ لگانے والے پیچیدہ اور بھاری آلات بنائے ہیں۔ ننھی سی سی ایس ڈی انہیں ناکارہ کردیتی ہے۔ میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ آج تمہیں اچانک سی ایس ڈی کی کارکردگی کی تصدیق کرنے کا خیال کیوں آگیا۔"

"سات بجے میں را کے مقامی ایجنٹ کو فون کروں گا۔ سی ایس ڈی محفوظ ہے تو یہ کام گھر سے کیا جائے گا۔ اس بارے میں مجھے ذرا بھی شبہ ہوا تو میں کسی دور افتادہ پی سی او کے استعمال کو ترجیح دوں گا۔ کوئی خطرہ ہرگز مول نہیں لوں گا۔"

"تمہاری لائن کے آدمی کو اسی قدر محتاط ہونا چاہیے۔ تم دہلی سے بلاوجہ صحیح سلامت واپس نہیں آئے۔ تمہاری غیر مبہم سوچ ہر جگہ تمہاری ڈھال بنتی ہے۔ میرا مشورہ ہے کہ تم بے خوف ہو کر سی ایس ڈی کے ساتھ اپنا فون استعمال کرو۔ ویسے بھی ٹیلی مواصلات کے شعبے میں را والے امریکیوں بلکہ ہم پاکستانیوں سے بھی پیچھے ہیں۔" جلال نے خوش دلی سے کہا "وہ اپنا پورا زور لگادیں پھر بھی تمہاری گرد کو نہیں پہنچ سکیں گے۔"

"اس وقت تم نے یہاں آکر ایک بڑا مسئلہ حل کردیا ہے ورنہ چھ بجے میں گھر سے نکل جاتا۔" میں نے ممنونیت سے لبریز لہجے میں کہا۔

"تم سات بجے فون تو کررہے ہو۔ یہ بتاؤ کہ یہ پروگرام کیسے بن گیا؟" جلال نے کہا۔

میں بولنے بھی نہ پایا تھا کہ اول خان نے اسے میرے فیکس اور اس کے بارے میں اختیار کی جانے والی جزوی احتیاطی تدابیر کے بارے میں بتانا شروع کردیا۔

"ویری گڈ!" اول خان کے خاموش ہونے پر وہ تحسین آمیز لہجے میں بولا "اس سے زیادہ مکمل اور بے داغ منصوبہ بندی انسانی بساط سے باہر ہے۔"

"مگر ویرا کو کچھ اعتراضات ہیں۔" اول خان کھلے دل کے ساتھ اسے پوری طرح اپنے اعتماد میں لینے پر آمادہ تھا۔ اس نے مختصر الفاظ میں وہ باتیں دہرادیں جن پر ویرا معترض تھی۔

"ان باتوں میں وزن ہے۔" جلال نے سر کو جنبش دیتے ہوئے کہا "تیر ہماری کمان سے نکل چکا ہے۔ اسلام آباد میں آج صبح ہی بھارتی سفیر سے مظہر خان اور غزالہ کی بہ حفاظت واپسی کا سخت مطالبہ کیا گیا ہے۔ یہ۔۔۔"

اس بار اول خان نے اس کی بات درمیان سے اچک لی اور کہا "تم نے وہ فیکس نہیں پڑھا۔ اسے پڑھ لو پھر تم کسی صحیح نتیجے پر پہنچ سکو گے۔ اس نے اپنی جیب سے تہ کیا ہوا ایک کاغذ نکال کر جلال کی طرف بڑھادیا۔

کاغذ کھول کر جلال نے اپنی نگاہیں تحریر پر مرکوز کردیں۔ میرا اندازہ تھا کہ اس نے خاموشی سے کم از کم دو بار وہ پورا مضمون پڑھا پھر بولا "تحریر بہت نپی تلی ہے۔ اس میں کہیں مظہر یا غزالہ کا نام نہیں آیا بلکہ را کی حرکتوں کی پول کھولی گئی ہے کہ وہ بھارت جانے والے پاکستانیوں کو بہلا پھسلا کر اپنے جال میں پھانستے ہیں اور پھر ان کے خلاف شور کھڑا کردیتے ہیں۔ میرا اندازہ ہے کہ را کے بڑوں میں ذرا بھی عقل ہے تو اس فیکس کی نقل کو منظرِ عام پر لانے کی حماقت نہیں کریں

Downloaded from https://paksociety.com

گے۔"

اول خان کھل اٹھا "ویرا کے اعتراض پر میرا اور ڈینی کا جواب حرف بہ حروف یہی تھا۔"

"نہیں ویرا!" جلال نے اس کی طرف متوجہ ہو کر کہا "جو کچھ ہوا ہے' بالکل صحیح سمت میں ہوا ہے۔ تمہیں اپنے ساتھیوں کی فہم و فراست پر ناز ہونا چاہیے۔"

"میری بھی یہی آرزو ہے کہ سب کچھ صحیح ہوا ہو۔ مجھے ایک شبہ ہوا تھا۔ میں نے اس کی نشاندہی کردی۔ امید اب بھی یہ ہے کہ میرا شبہ غلط ثابت ہو۔"

"میں نے ان دونوں نمبروں کی چھان بین پر اپنے آدمی لگا دیے ہیں۔" قدرے توقف کے بعد جلال نے بتایا۔

"میرے آدمی کسی حد تک یہ کام کر چکے ہیں۔" اول خان نے وہ وضاحت کرتے ہوئے بے چینی سے اپنی جگہ پر پہلو بدلا تھا "اس وقت میرے آدمی سنی کے دفتر اور چندن کے گھر کی نگرانی کر رہے ہوں گے۔ ایسا نہ ہو کہ کسی غلط فہمی میں میرے اور تمہارے آدمی آپس میں ٹکرا جائیں۔"

"اس کا امکان کم ہے۔ ایجنسیوں والے کسی نہ کسی طرح ایک دوسرے کو پہچان لیتے ہیں۔ ایس ٹی ایف والے نیم فوجی تو دور سے نظر آجاتے ہیں۔" جلال نے اطمینان سے کہا پھر پوچھا "یہ سنی اور چندن کون ہیں۔ ان کے بارے میں مجھے بریف تو کردو۔"

اول خان اسے اپنے آدمیوں کی کارگزاری سے آگاہ کرنے لگا۔ میں یہ سوچ رہا تھا کہ میرے کاموں میں یہ ایک وقت دو ایجنسیوں کی گہری دلچسپی کسی بھی وقت کسی ناگہانی سانحے کا سبب بن سکتی تھی' اس بارے میں جلال کی خوش گمانی حقیقت سے بہت دور تھی۔

اول خان کی روداد سن کر جلال نے اپنے سر کو جنبش دیتے ہوئے کہا "تمہارے سامنے شام کے سات بجے کا ٹارگٹ موجود تھا۔ تمہارے آدمیوں نے تیزی سے کام کیا ہے۔ تمہارے کیے ہوئے بندوبست کے نتیجے میں سات بجے تک بہت کچھ سامنے آجائے گا۔ میرا خیال ہے کہ مجھے اپنے آدمیوں کو ہٹا لینا چاہیے....."

میں نے اسے مزید بولنے کا موقع نہیں دیا اور جلدی سے کہا "باقی باتیں بعد میں ہوتی رہیں گی۔ یہ نیک کام فوراً کر ڈالو۔ اس بارے میں تمہارا اطمینان مجھے پریشان کر رہا تھا۔"

جلال ہنستا ہوا فون کی طرف بڑھ گیا جو گوشے میں تپائی پر رکھا ہوا تھا۔

جلال کو یہ جان کر حیرت نہیں ہوئی تھی کہ وہ دونوں نمبر دو ہندوؤں کے نام پر تھے اور ان میں سے ایک بھارتی قونصل خانے کا ملازم تھا۔ فون پر اپنے کسی ماتحت سے بات کرنے کے بعد وہ دوبارہ اپنی جگہ پر آیا تو تھکی ہوئی آواز میں بولا "یہ حقیقت بہت الم ناک ہے کہ بھارتی سفارت کار زیادہ تر پاکستانی ہندوؤں کو اپنا شکار بناتے ہیں۔ وہ خود کو سیکیولر کہتے ہیں لیکن اپنے ہم مذہب پاکستانیوں کا استحصال کرتے ہیں۔ سنی شاید بچ جائے لیکن اب چندن کی زندگی تباہ ہو جائے گی۔"

"اسے بھارتیوں نے زبردستی اپنے جال میں نہیں پھانسا ہوگا۔" ویرا نے سرد مہری سے کہا "آج کل کے نوجوان راتوں رات دولت مند بننے کے چکر میں برے اور بھلے کی تمیز کیے بغیر ہر کام میں ہاتھ ڈال دیتے ہیں۔ انہیں اس لالچ کے منفی پہلوؤں کا بھی علم ہوتا ہے۔ چندن کو اپنے برے انجام کے لیے تیار رہنا چاہیے۔"

"راوالے بہت کمینے ہیں۔" میں نے نفرت سے کہا "وہ لوگوں کو پھانسنے کے لیے لالچ کے ساتھ گندی بلیک میلنگ کا سہارا بھی لیتے ہیں۔ دہلی میں' میں نے بہت قریب سے ان کی ایسی حرکتوں کا مشاہدہ کیا ہے۔ ان کے پھندے میں آیا ہوا شکار بے بس ہو کر رہ جاتا ہے۔" میں نے اپنے ذاتی تجربے کو دانستہ مشاہدے کا نام دے دیا تھا۔

"تم نے دہلی میں کلاسیکل ڈانس اکیڈمی کے خلاف جو محاذ کھولا تھا۔ وہ بہت کامیاب رہا ہے۔" جلال نے چونک کر مجھے بتایا "بہت بڑے بڑے گھرانوں کی لڑکیاں رقص کی تربیت لینے کے لیے وہاں جاتی تھیں۔ ان میں سے کئی بے راہ رو لڑکیوں کو را کے عیاش افسروں نے تباہ کردیا۔ اخباروں نے ایسا طوفان کھڑا کیا کہ اکیڈمی کو غیر معینہ مدت کے لیے بند کردیا گیا ہے۔ خبریں ہیں کہ اکیڈمی کے معاملات کی تحقیقات کے لیے ایک اعلیٰ اختیاراتی کمیشن مقرر کیا جانے والا ہے۔"

"ایک نہ ایک دن یہ ہونا ہی تھا۔ میری کوششوں سے اکیڈمی وقت سے ذرا پہلے اپنے انجام کو پہنچ گئی۔ اس کام میں عابد علی نے میری بہت مدد کی تھی۔ اسے میں نے مواد فراہم کیا تھا۔ اخباری مہم کی ابتدا صرف اور صرف اس کی کوششوں کا نتیجہ تھی۔"

"ان تینوں کی ٹیم بہت عمدہ تھی۔ وہ پوری رازداری کے ساتھ دہلی میں اپنے کام کیے جا رہے تھے۔" جلال نے افسردگی سے کہا "عبداللہ کی شہادت سے ان کی ٹیم کمزور پڑ چکی ہے۔ اب میں عابد اور پرویز پر کئی ہفتوں تک کسی کام کا بوجھ نہیں ڈال سکوں گا۔ اس وقت ان دونوں کی اولین ضرورت صرف

Downloaded from https://paksociety.com

اور صرف بقا ہے۔"

"موت ہر ذی روح کا مقدر ہے اور اس کا ایک وقت بھی مقرر ہے۔ یہ اپنے وقت سے پہلے آتی ہے نہ آنے میں دیر کرتی ہے۔" اول خان نے گمبھیر آواز میں کہنا شروع کیا "جب یہ باتیں اس قدر یقینی ہیں تو انسان کو ہمیشہ بہتر سے بہتر انجام کے لیے کوشاں رہنا چاہیے۔ اپنے ملک کے لیے شہادت کے درجے پر فائز ہونے والے خوش نصیب ہوتے ہیں ورنہ لوگ تو بستر پر لیٹے لیٹے یا حادثے میں کچل کر مرجاتے ہیں۔ میرے سینے پر بھی اپنے بہت سے بے جگر ساتھیوں کی شہادت کے داغ ہیں مگر یہ سوچ کر تسلی ہوتی ہے کہ وہ مرے نہیں، شہید ہوئے ہیں۔ یہ سوچ کر تم بھی عبداللہ کی شہادت پر صبر کرو۔ اللہ اس کے درجات بلند کرے اور اس کے پس ماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔"

وہ عبداللہ کے لیے دعاؤں کا اعادہ تھا مگر نامناسب نہیں تھا۔ جلال کو اس دلاسے کی ضرورت تھی۔

غزالہ ہم سب کے لیے چائے بنا کر لائی تو جلال خوش ہوگیا۔ "یہ تم نے ثواب کا کام کیا۔ میں سات بجے ڈینی کی فون پر بات ہونے تک یہیں بیٹھوں گا۔ اس وقت مجھے چائے کی ضرورت تھی۔"

چائے کے بہانے جلال کا پروگرام واضح ہوگیا۔ اس وقت تک میں تذبذب کا شکار تھا۔ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کب تک بیٹھا رہے گا۔ اس سے یہ پوچھنا مناسب نہیں تھا کہ وہ کب تک ہمارے ساتھ بیٹھا رہے گا۔

"تم چندن والے معاملے میں کچھ زیادہ دلچسپی لے رہے ہو؟" میں نے جلال سے پوچھا۔

"یہ تم نے کیسے سمجھ لیا؟" اس نے محظوظ ہوتے ہوئے ایک جوابی سوال کر ڈالا۔

"تم بہت مصروف آدمی ہو۔ اسلام آباد میں ہر وقت تمہاری ضرورت رہتی ہے۔ اپنے شہر کو چھوڑ کر تم کراچی میں رکے ہو تو یہاں تم کو بہت سے ضروری کام ہوں گے مگر میرے اور چندن کے درمیان ہونے والی گفتگو سننے کے لیے تم نے ہر کام کو پس پشت ڈال دیا ہے۔" میں نے کہا۔

"میری ساری بھاگ دوڑ کے صرف دو ہدف ہیں۔ سی آئی اے اور را کی سرگرمیاں۔"

"مگر تم نے ہمیں امریکیوں سے چھیڑ چھاڑ نہ کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ سی آئی اے کے خلاف تم کیا کر رہے ہو؟"

"شاید میں تمہیں اپنی بات نہیں سمجھا سکا۔ ہم سی آئی اے کی سازش کا توڑ کرنے کے لیے [illegible] کی پاکستانی ایجنسی کے ان سے صرفِ نظر کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ ان کے لیے کھلا میدان چھوڑ دیا گیا ہے کہ وہ یہاں جو چاہیں کرتے پھریں۔ ہمیں اپنی ریاست کے خلاف ہونے والی ریشہ دوانیوں کے تار و پود بکھیرنے کا پورا حق حاصل ہے۔ ہم اس حق کو اپنی تمام تر صلاحیتوں کے ساتھ استعمال کر رہے ہیں مگر امریکیوں کے ساتھ ایسے براہِ راست تصادم سے حتی الامکان گریز کر رہے ہیں جس میں ان کا خون بہنے کا امکان ہو۔ تمہیں بھی میں نے خون ریزی سے روکا ہے۔ تم نے ماجد یمنی کا ساتھی بن کر جان کی ناک توڑ دی۔ اس پر مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔ بہت اچھا ہوا کہ وہ یہاں سے بھاگ نکلا۔"

"مجھ سے تمہارا مفہوم سمجھنے میں غلطی ہوئی تھی۔" میں نے اعتراف کیا "اب بات واضح ہوگئی ہے۔ میں کھلے دل کے ساتھ اپنے فیصلے کر سکوں گا۔"

"را کا معاملہ مختلف ہے۔ وہ گھٹیا دشمن ہیں۔ میں ان سے ان ہی کی سطح پر لڑتا ہوں۔ انہیں گھیرو، رگیدو اور مار ڈالو۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں بلکہ خوشی ہوگی۔ میں تو اب اس دن کے انتظار میں ہوں۔ جب عبداللہ کا وفود نامی قاتل پاکستان آئے گا۔ اس نے عبداللہ کے گردوں سے خون بہایا تھا۔ میں اس کے بدن کے ریشے ریشے سے خون کی دھاریں بہادوں گا۔ ہم اپنے آدمیوں کے خون کا بدلہ بہت سفاکی سے لیتے ہیں۔" جلال کا لہجہ سرد اور خوف ناک ہوگیا۔

"ایسی لڑائیوں میں یہی ہوتا ہے اور ہونا بھی چاہیے۔ اگر مجھے تمہاری آزردگی کا پاس نہ ہوتا تو نینٹی جیٹی سے جان کی بھی لاش ہی ملتی۔"

"میں جانتا ہوں۔" اس نے اپنے سر کو اثبات میں جنبش دے کر کہا "زخمی کر کے چھوڑنے کے مقابلے میں دشمن کو مارنا آسان ہوتا ہے۔"

"میں اس وقت تک صبر کروں گا جب تک ہمیں اپنی آسانی کے مطابق کام کرنے کا موقع نہیں مل جاتا۔"

"تم نے اب تک گرین کوبرا اور دوسری فائلوں کے بارے میں کوئی بڑی خبر نہیں سنائی۔" اول خان نے اچانک ایک نیا ذکر نکال لیا۔

"میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ دہلی سے ڈینی کی نکالی ہوئی ساری فائلیں بہت اہم ہیں۔ اسلام آباد والے آنے والے کئی برسوں میں بھارت کے اس خفیہ ریکارڈ تک رسائی کے بارے میں نہیں سوچ سکتے تھے۔ یہ ڈینی کی اسی خدمت کا صلہ ہے کہ کمشنر ہاؤس میں ہونے والے اجلاس میں جان کو بری [illegible] حق [illegible]

Downloaded from https://paksociety.com

نمائندے نے ڈینی کے خلاف اس کا ساتھ نہیں دیا بلکہ اصولی نکات کی آڑ لے کر ڈینی کا ساتھ دینے کی کوشش کی۔ سرکاری سطح پر یہ بہت بڑا انعام ہے۔"

"اس انعام کی بات کرو جو تم چیک کی صورت میں دے چکے ہو۔" انعام کے ذکر پر مجھے اس کا دیا ہوا چیک یاد آگیا "اول خان اس میں سے ایک روپیا بھی لینے کا روادار نہیں ہے۔ اسے بتاؤ کہ یہ بھی اس انعام میں سے حصہ لینے کا حق دار ہے۔"

"میں نے اندازہ لگایا ہے کہ تم پانچوں کے ذاتی معاملات بہت نازک ہیں۔ میں ان میں دخل نہیں دوں گا۔ سرکار نے وہ رقم تمہیں سونپ دی ہے۔ اپنی صوابدید کے مطابق تم جسے چاہو اپنا حصے دار بنا سکتے ہو۔ کسی کو اس پر کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔"

"اگر ڈینی اس انعامی رقم کا ایک حصہ تم کو دینا چاہے تو تمہارا کیا ردِعمل ہوگا؟" اول خان نے موقع پاکر جلال سے براہِ راست پوچھ لیا۔

"میں شکریے کے ساتھ انکار کردوں گا۔" جلال نے دو ٹوک انداز میں جواب دیا۔

"اور اس کا سبب کیا ہوگا؟" اول خان نے اگلا سوال بھی کر ہی ڈالا۔

"میں سرکار کا باقاعدہ تنخواہ دار ہوں۔ اپنے فرائض کی بجا آوری کے لیے جو کچھ کرتا ہوں اس کے لیے بھاری ماہانہ مشاہرہ اور مراعات لیتا ہوں۔ وہ انعامی رقم ڈینی اور اس کے ان بے لوث ساتھیوں کے لیے ہے جنہیں سرکار کچھ نہیں دیتی پھر بھی وہ تن، من، دھن سے سرکار کے کاموں کو آگے بڑھانے میں لگے رہتے ہیں۔"

اول خان نے فاتحانہ نظروں سے میری طرف دیکھا اور کہا "میرے انکار کی بنیاد بھی یہی ہے۔ اب تم اس موضوع پر مجھ سے کوئی بات نہیں کرو گے۔"

"تمہاری حیثیت ذرا مختلف ہے۔" جلال نے اول خان کی تردید کرکے مجھے حیران کردیا "میں نے تمہارا مقصد بھانپ لیا تھا اسی لیے میں نے اپنے واسطے باقاعدہ تنخواہ دار کے الفاظ استعمال کیے تھے۔ ایس ٹی ایف کا کوئی کاغذی یا قانونی وجود نہیں ہے۔ یہ آئین سے ماورا ایک فورس ہے جسے ناگزیر ضرورتوں کے تحت کھڑا کیا گیا ہے۔ تم لوگ بے قاعدہ تنخواہ دار ہو۔ تمہارے کوئی سروس رولز ہیں نہ تمہاری ملازمتوں کو کوئی تحفظ حاصل ہے۔ کچھ پتا نہیں کہ کب ایس ٹی ایف توڑ دی جائے۔ تم لوگ کتنا ہی بڑا کارنامہ انجام دے لو، حکومت تمہیں کوئی انعام یا اعزاز نہیں دے سکتی کیونکہ تمہارے وجود سے آگے تمہاری کوئی شناخت نہیں ہے۔"

"بولو..... !" میں نے اول خان کو گنگ پاکر ٹوکا "اب تم کیا کہتے ہو۔"

"میں اپنے فرض کی دنیا میں مگن رہنے والا مسلمان ہوں۔" اس نے قدرے توقف کے بعد کہا "مجھے کسی انعام کی فکر ہے نہ اعزاز کی تمنا۔ جب تک ایس ٹی ایف قائم ہے اور مجھے کسی سیکرٹ فنڈ سے تنخواہ مل رہی ہے، میں باہر سے ایک پیسا بھی قبول نہیں کروں گا۔"

"یہ ایک مسلمان اور پٹھان کے الفاظ ہیں۔" جلال نے مجھ سے کہا "اب تم واقعی کچھ نہ کہنا۔"

"اب بولنے کی کوئی گنجائش نہیں رہی۔" میں نے اپنے ہونٹوں پر شہادت کی انگلی رکھ لی۔ جلال کے سامنے اس بارے میں کھلی کھلی بات کرکے میرے ذہن سے بوجھ اتر گیا تھا۔

"فائلوں کا ذکر پھر درمیان میں رہ گیا۔" چند ثانیوں کے وقفے کے بعد اول خان نے جلال کو یاد دلایا۔

"وہ فائلیں واقعی بہت اہم ہیں اور متعلقہ افراد اور ادارے ان پر کام کررہے ہیں۔ میں بھارت سے لائے ہوئے اس ریکارڈ کا امین تھا۔" جلال بتانے لگا "میں نے وہ امانت جوں کی توں آگے بڑھا دی۔ حکومتوں میں فردِ واحد کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ افراد کی متعدد ٹیمیں مل کر کسی بھی نظام کو چلاتی ہیں۔ پاکستان میں بھی یہی ہوتا ہے۔ میں نے اپنے حصے کا کام پورا کردیا۔ اب مجھے نہیں معلوم کہ ان فائلوں پر کیا کام ہورہا ہے۔ جیسے جیسے اوپر سے نئے احکام آئیں گے، اندازہ ہوتا جائے گا کہ فائلوں میں کیا تھا۔ مجھے چند موٹی موٹی باتوں کا علم ہے کہ نیپال پر بھارت کی بُری نظر ہے۔ وہ وہاں کے شاہ کو مروا کر اپنی پسند کے مہروں کو اقتدار میں لانا چاہتا ہے تاکہ نیپال کو اپنی طفیلی ریاست بنالے۔ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کے خلاف وہ اسرائیل کے تعاون سے بیک وقت کئی منصوبوں پر کام کررہے ہیں۔ پاکستان میں قوم پرستی کے رجحانات کو بھڑکانے کے لیے بے دریغ سرمایہ اور ہتھیار فراہم کررہے ہیں۔ گرین کوبرا فائل میں بھارت کے ان تمام گھناؤنے منصوبوں کے بلیو پرنٹ موجود ہیں۔ جلد ہی ہمیں معلوم ہوجائے گا کہ ہمیں کہاں کیا کرنا ہے۔"

"یہ سب مستقبل کی باتیں ہیں۔" میں نے مزاحیہ انداز میں کہا "آج کی حقیقت یہ ہے کہ ہم چندن مہاراج کے فراق میں بیٹھے ہیں۔"

Downloaded from https://paksociety.com

"اس سے تم کن خطوط پر بات کرو گے؟" جلال نے بے تکلفی سے پوچھا۔

"شروع سے آخر تک مظلوم مظہر بنا رہوں گا۔ اسے یقین دلانا چاہوں گا کہ میں پورے خلوص کے ساتھ اس کے لیے کام کرنے پر آمادہ ہوں مگر شرط یہ ہے کہ میرے خلاف بنی ہوئی معاندانہ فضا کو صاف کیا جائے۔ یہ کام دہلی والے کر سکتے ہیں۔" میں نے اپنے منصوبے کا خلاصہ پیش کر دیا۔

"کاش میں تمہارے ساتھ اس کی گفتگو بھی سن سکتا۔" جلال نے حسرت سے کہا۔

"بلکہ ہم سب سن سکتے ہیں۔" اول خان نے خوش ہو کر کہا "ایسے مواقع کے لیے یہاں اسپیکر فون بھی موجود ہے۔"

"ویری گڈ۔ اس کی باتیں اسی کی زبان سے سننے میں مزہ آئے گا اور آج میں پہلی بار خود بھی سنوں گا کہ ڈینی کی... قلابازیاں کیا ہوتی ہیں۔" جلال مسرت سے بولا۔

"ہرگز نہیں۔" میں نے بوکھلا کر ان دونوں کی مخالفت کی "کسی کو ذرا سی بھی چھینک یا کھانسی آگئی تو وہ بھڑک جائے گا۔ یہ اس سے میرا پہلا رابطہ ہے۔ اگر آج اسے میری نیت پر کسی قسم کا شبہ ہو گیا تو یہ سلسلہ یہیں ختم ہو جائے گا۔"

"اس کی تم فکر نہ کرو۔ ہم اپنے گلے گھونٹ لیں گے، کوئی آواز نہیں نکلنے دیں گے۔" ویرا ابھی جوش میں آگئی۔

"نہیں!" میں نے بے بسی سے کہا "تم لوگ بلاوجہ جذباتی ہو رہے ہو۔ ذرا سی گڑبڑ سارا کام بگاڑ دے گی۔"

"ڈینی!" جلال نے براہِ راست مجھے مخاطب کیا "میں ذمے داری لیتا ہوں۔ کوئی مداخلت یا گڑبڑ نہیں ہوگی۔ تم اسپیکر فون منگوا لو۔"

"جب سب لوگ وعدے کر رہے ہیں تو آپ کیوں اڑے ہوئے ہیں۔" غزالہ نے ان لوگوں کی سفارش کی "اس کے باوجود کچھ ہو ہی جاتا ہے تو اسے بھی سنبھال لیا جائے گا۔ چندن ہماری نظروں میں آچکا ہے۔ وہ بچ کر کہاں جائے گا۔"

میں ان لوگوں کو اسپیکر فون کے استعمال سے باز رکھنے کے لیے جو کچھ کہہ رہا تھا وہ غلط نہیں تھا مگر میرے انکار کا اصل سبب یہ تھا کہ کہیں دورانِ گفتگو چندن اس ویڈیو فلم کا تذکرہ نہ نکال لے جس کے فیتے پر میری اور ریتا اجیت رائے کی خلوت کی کہانی تحریر تھی۔ میں نے اپنے ہاتھوں سے اس فلم کو نریش کے دفتر میں نذرِ آتش کر دیا تھا مگر راوالے مسلسل اس فلم کی موجودگی پر مصر تھے اور مجھ پر دباؤ ڈالنے کے لیے گاہے گاہے اس کے حوالے دیتے رہے تھے۔

چندن اس بھری محفل میں وہ ذکر چھیڑ دیتا تو بعد میں میرے لیے وضاحتیں کرنا دشوار ہو جاتا۔

میرے خلاف وہ سب یک زبان ہو چکے تھے۔ ایک سلطان شاہ خاموش تھا لیکن اس بشرے پر پھیلے ہوئے تاثرات سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ بھی ان ہی کے ساتھ تھا۔ میں نے مجبور ہو کر ہتھیار ڈال دیے اور سلطان شاہ نے لمبے تار سے جڑا ہوا اسپیکر فون کونے سے اٹھا کر میرے قریب والی چھوٹی میز پر رکھ دیا۔

"تم لوگوں کے پاس ضرورت کی ہر چھوٹی بڑی چیز موجود رہتی ہے۔ تمہارے کام کرنے کے سمٹے سمٹائے طریقوں سے میرا دل بہت خوش ہوتا ہے۔" جلال نے جاپانی اسپیکر فون سیٹ اٹھا کر اس کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

"میرا خیال ہے بات اسپیکر فون تک آگئی ہے تو ہمیں ڈینی اور چندن کی باتیں ریکارڈ کرنے کا بندوبست بھی کر لینا چاہیے۔" ویرا نے تجویز پیش کی "یہ ٹیپ بعد میں چندن کے خلاف کام آسکتا ہے۔ تمہیں ثبوت حاصل کرنے کا یہ موقع ضائع نہیں کرنا چاہیے۔"

اول خان نے میری طرف دیکھا اور کہا "تم سی ایس ڈی استعمال کرو گے۔ کیا ریکارڈنگ ممکن ہوگی؟"

"ہمیں ٹیلی فون لائن سے براہِ راست ریکارڈنگ کی ضرورت نہیں۔" ویرا کے ذہن میں تجویز موجود تھی "سلطان شاہ کے کمرے میں ٹیپ ریکارڈر موجود ہے جس پر یہ دن رات پشتو گانے سنتا رہتا ہے۔ اسپیکر فون کی آوازیں اس پر صحیح ریکارڈ ہو جائیں گی۔"

"تمہارے کمرے میں بھی ٹیپ ریکارڈر موجود ہے۔" سلطان شاہ نے اسے گھورتے ہوئے سرد لہجے میں کہا "تم اس پر اداس غزلیں سن کر روتی رہتی ہو۔ وہ کیوں نہیں لے آتیں؟" جلال کی موجودگی کی وجہ سے سلطان شاہ اپنے ردِ عمل کے اظہار میں بڑی حد تک محتاط رہا تھا۔

"دونوں میں سے کوئی بھی ٹیپ ریکارڈر آجائے گا۔" بات بڑھتی ہوئی محسوس کر کے غزالہ نے مداخلت کی "اس نکتے پر بحث غیر ضروری ہے۔"

بھارتی سرزمین پر اپنے خون کے پیاسوں کی بھیڑ میں رہ کر را کے خلاف کام کرنے کے تجربات بہت سنسنی خیز اور روح فرسا تھے۔ وہاں صحیح کام کرتے ہوئے بھی مجھے نتائج کا یقین نہیں ہوتا تھا۔ ہر آن یہ دھڑکا لگا رہتا تھا کہ کسی بھی لمحے کوئی گڑبڑ ہوگی اور ساری بساط سمٹ جائے گی۔ میں دہلی میں ہر قدم اپنی آخری بازی سمجھ کر اٹھاتا تھا اور مثبت نتائج کسی

Downloaded from https://paksociety.com

اگلے کام کے لیے حوصلہ بڑھا دیتے تھے لیکن اپنے شہر اور اپنے گھر میں بیٹھ کر را کے کارندوں کے خلاف سوچنے اور کام کرنے کی بات ہی مختلف تھی۔

میرے ذہن میں چندن سے گفتگو کا ایک مبہم سا خاکہ موجود تھا مگر یہ ضروری نہیں تھا کہ میری اور اس کی گفتگو ان ہی خطوط پر جاری رہتی۔ سارا انحصار اس کے رویے پر تھا۔ وہ اپنے مقاصد کے پیش نظر کسی بھی رخ پر بات چیت کر سکتا تھا۔ میرے اور اس کے مفادات متصادم تھے۔ اس بات کا قوی امکان تھا کہ وہ مجھے شدید دباؤ کا احساس دلانے کے لیے ہر اس منفی بات کا ذکر کرتا جو میرے خلاف جا سکتی تھی۔ اس میں میری اور رینا کی آتش زدہ ویڈیو فلم سرفہرست تھی۔

وہ فلم نریش کے شیطانی منصوبے کے نتیجے میں وجود میں آئی تھی اور بلاشبہ نہایت شرمناک رہی ہوگی۔ یہ میرے مقدر کی یاوری تھی کہ میں عابد علی کے ساتھ اس فلم تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا تھا اور پھر اسے نریش کے دفتر کی آگ میں جلا دیا تھا۔ دہلی میں میرے قیام کے آخری لمحات تک را والوں نے اس فلم کی تباہی کو مجھ سے چھپایا اور مجھے اس کی تشہیر کی دھمکیاں دیتے رہے۔ میں ان کی وہ گیدڑ بھبکیاں سن کر سہنے کی اداکاری کرتا رہا۔ میں ان مردودوں کو یہ نہیں بتا سکتا تھا کہ میں نے ان کے دفتر میں نقب لگا کر اپنے ہاتھوں سے وہ فلم تباہ کر دی تھی۔ انہوں نے اپنا بھرم برقرار رکھنے کی ناکام کوشش کی اور میں دانستہ خاموش رہا۔

وہ دہلی کی گھاتیں اور باتیں تھیں۔ نریش جہنم واصل ہو چکا تھا اور کراچی میں میرا واسطہ چندن سے پڑنے والا تھا۔ یہ ضروری نہیں تھا کہ نریش نے اسے میرے بارے میں ہر بات بتا دی ہو مگر ویڈیو فلم والا معاملہ بہت اہم اور کلیدی نوعیت کا تھا۔ میں اس خوش فہمی کا شکار نہیں ہو سکتا تھا کہ چندن اس معاملے سے بے خبر ہوگا اور دوران گفتگو سرے سے اس کا ذکر نہیں آئے گا۔ راء والوں کی دانست میں وہ ان کا ٹرمپ کارڈ تھا جس کے ذریعے وہ مجھے ہر لمحے زیر کر سکتے تھے۔

ان سب نے یک زبان ہو کر مجھے اسپیکر فون استعمال کرنے پر مجبور کر دیا تھا اور میرا ذہن اپنی اس نامو جود فلم میں اٹک کر رہ گیا تھا جس کا حوالہ چندن کی زبان سے متوقع تھا۔

وہ فون پر اس فلم کے بارے میں کیا کچھ کہہ سکتا تھا۔ ان باتوں کو سن کر میرے ساتھیوں کے ذہنوں میں کیسے کیسے زہریلے سوال ناگوں کی طرح پھن کاڑھ کر ابھر سکتے تھے۔ میں ان کے جواب میں کیا کچھ کہہ سکتا تھا۔ میرا ذہن مسلسل ان ہی نکات میں الجھا رہا۔ اس دوران میں سلطان شاہ اپنے کمرے سے ٹیپ ریکارڈر اٹھا لایا تھا۔

وہ لوگ پورے جوش و خروش سے اپنا ساؤنڈ ریکارڈنگ سسٹم جما رہے تھے۔ جلال نے اسپیکر فون پر اپنے کسی آدمی سے کچھ باتیں کیں۔ وہ گفتگو ریکارڈ کرکے بعد میں ٹیپ سنا گیا تاکہ آواز کی کوالٹی کا اندازہ لگایا جا سکے۔ وہ سب ان کاموں میں لگے ہوئے تھے اور میں خاموش بیٹھا اپنے خیالوں میں گم تھا۔

اپنے انہماک میں دوسروں نے میری طرف توجہ نہیں دی لیکن ویرا ہر لمحہ میرے طور طریقوں پر گہری نگاہ رکھتی تھی۔ سلطان شاہ کے کیسٹ ریکارڈر پر اسپیکر فون کی آوازوں کی ریکارڈنگ کے نتائج سننے کے بعد اس نے پیچھتے ہوئے لہجے میں کہا "کیا بات ہے؟ تم اچانک خاموش ہو گئے ہو۔ کیا ہماری کسی بات سے تمہیں صدمہ پہنچا ہے۔"

"ایک چھوٹے سے کام میں اتنے اہم افراد لگے ہوئے ہیں۔ میری کوئی گنجائش نہیں ہے اس لیے خاموشی سے الگ تھلگ بیٹھا ہوا ہوں۔" میں نے اسے گھورتے ہوئے جواب دیا۔

"یہ صرف خاموشی نہیں، کوئی اور بات ہے۔" اول خان نے گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا "جب سے اسپیکر فون کی بات ہوئی ہے، تم کو چپ لگ گئی ہے۔"

"مجھے اندازہ ہے۔" جلال نے صوفے پر نیم دراز ہو کر سگریٹ کا کش لیتے ہوئے تبصرہ کیا "وہ آگ اور خون کی ہولی تھی۔ دہلی میں ڈینی کا ایک ایک لمحہ تلوار کی تیز دھار پر گزرا تھا۔ کئی مواقع پر میرے آدمی اس کی زندگی سے مایوس ہو گئے تھے۔ ایسے روح فرسا حالات میں انسان اپنی بقا کے لیے جھوٹ اور سچ کے نہ جانے کیسے کیسے پاپڑ بیلتا ہے۔ اپنے دشمنوں کا اعتماد جیتنے کے لیے ڈینی کو ہم سب کے خلاف نہ جانے کیا کیا زہر اگلنا پڑا ہوگا۔ اس کی خلوتوں میں راکی بھیجی ہوئی حسین اور بے باک لڑکیاں آئی ہوں گی اور اسے ان کو یقین دلانا پڑا ہوگا کہ یہ ان کے رجھانے میں آگیا ہے۔ حسن جب کھلی ہوئی فیاضیوں پر اتر آئے تو تھوڑی دیر کے لیے پارسا بھی اپنی پارسائی بھول کر درندوں کو پیچھے چھوڑ دیتے ہیں۔ ڈینی تو ان کے چنگل میں پھنسا ہوا ایک مجبور اور محصور قیدی تھا جو اپنی زندگی اور آزادی کی جنگ لڑ رہا تھا۔ وہ سب بڑی ناگفتہ کہانیاں ہوں گی، پتا نہیں چندن کو اس کے بڑوں نے کیا کچھ بتایا ہوا ہے۔ وہ گفتگو کے دوران میں ان میں سے کوئی بھی بات چھیڑ سکتا ہے۔ شاید ڈینی کو یہی فکر کھائے

Downloaded from https://paksociety.com

جارہی ہے۔"

جلال کی باتیں میرے لیے بہت حوصلہ افزا تھیں۔ وہ آئی بی کا ایک باراں دیدہ اور سمجھ دار افسر تھا۔ حالات اور ان کی پیدا کی ہوئی مجبوری کا صحیح ترین ادراک رکھتا تھا۔ اس نے میرے دل میں پلنے والے اندیشوں کو اپنی زبان پر لاکر میری تشویش میں بڑی حد تک کمی کردی تھی مگر میں ویرا اور غزالہ کی موجودگی میں کھل کر یہ اعتراف نہیں کرسکتا تھا کہ جلال نے میری دکھتی ہوئی رگوں کی صحیح نشان دہی کی ہے۔ میں نے پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا "یہ چھوٹی موٹی باتیں بھی میرے لیے پریشان کن ہیں لیکن میری خاموشی کا سبب عبداللہ کی موت ہے۔ مجھے اچانک اس کا خیال آگیا تھا۔"

"یہ ہم سب کے لیے مشکل اور اہم وقت ہے۔ اس کی باگیں تمہارے ہاتھ میں ہیں۔" جلال نے سیدھا ہو کر کہا "اس وقت اپنے ذہن سے ہر بات جھٹک دو اور اپنی پوری توجہ چندن پر مرکوز رکھو۔ میری خواہش ہے کہ تم اس سے شیر ہو کر بات کرو۔ یہ میرا وعدہ ہے کہ اس کی کہی ہوئی چھوٹی موٹی باتوں پر ہم میں سے کوئی تم سے ذاتی نوعیت کے سوال نہیں کرے گا۔"

وہ اپنے کام میں بہت ہوشیار تھا۔ مجھ سے عام سی گفتگو کررہا تھا لیکن اس کے نپے تلے فقروں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ میرے مسئلے کی تہ تک پہنچ گیا تھا اور رواروی کا انداز اختیار کرکے مجھے بنیادی یقین دہانیاں کرا رہا تھا۔

"ہاں یہ ہمارا وعدہ ہے!" اول خان اور سلطان شاہ نے یک زبان ہو کر جلال کی تائید کی۔

"اور تم دونوں کا کیا خیال ہے؟" جلال نے باری باری غزالہ اور ویرا کی طرف دیکھا۔

"میں دہلی میں ان کے ساتھ تھی۔" غزالہ نے بردباری سے جواب دیا "ان کے کرب کو میں نے بہت قریب سے دیکھا ہے۔ ان کی مجبوریاں میرے سامنے تھیں۔ رینا اجیت رائے اور بلا سنگھ کے جیتے جاگتے فتنے میری نظروں کے سامنے ناچتے پھرتے تھے۔ میں کوئی ناروا سوال کرکے ان کے دل کو ٹھیس پہنچانے کا تصور بھی نہیں کرسکتی۔"

"اور تم!" اس بار جلال کی چبھتی ہوئی نظریں ویرا کے چہرے پر مرکوز ہوگئیں۔

"میں کسی کی دل آزاری نہیں چاہتی اور ڈینی تو مجھے بہت ہی عزیز ہے۔ یہ بات سب جانتے ہیں۔" ویرا نے کھل کر کوئی وعدہ کرنے کے بجائے گول مول سا جواب دیا۔

اس گفتگو اور وعدے وعید کی کوئی عملی اہمیت رہی ہو یا نہ رہی ہو' اتنا ضرور ہوا کہ میرے سر پر سوار بوجھ ہلکا ہوگیا۔

وقت دھیرے دھیرے گزرتا چلا جارہا تھا' تیاریاں مکمل تھیں۔ چائے کا دوسرا دور چلا اور پھر فیصلہ کن گھڑی سر پر آگئی۔

جلال اضطراب کی سی کیفیت میں تھا۔ سات بجتے ہی اس نے اپنی ادھ جلی سگریٹ ایش ٹرے میں مسل کر نئی سگریٹ سلگائی تاکہ میری اور اس کی گفتگو کے دوران جلال کو

دُنیا بھر میں پاکستانی اخبارات، رسائل اور کتابوں کے برآمد کنندگان

FAIR EXPORT HOUSE

اس کے علاوہ پاکستانی/ہندوستانی کیسٹ، سی ڈی، پاکستانی ٹی وی

ڈرامے اور دیگر ثقافتی پروگراموں کے لیے بھی رابطہ کیجیے

FAIR EXPORT HOUSE

C-41, Block-B Gulshan-e-Jamal

Off, Rashid Minhas Road Karachi, Pakistan

Phone: (9221) 4574628- (9221) 4595462

Fax: (9221) 4595491-e-mail: fair@cyberaccess.com.pk

Downloaded from https://pksociety.com

ماچس پر دیا سلائی رگڑنے کی ضرورت پیش نہ آئے۔

میں نے اسپیکر فون کا بٹن آن کر کے نریش کا دیا ہوا فون نمبر ملانا شروع کر دیا۔

پہلی گھنٹی بجتے ہی دوسری طرف سے ریسیور اٹھا لیا گیا اور ڈرائنگ روم کی فضا میں بھاری اور گمبھیر ہیلو گونج اٹھی۔ سنی کے مقفل دفتر سے آنے والی وہ اجنبی آواز سن کر سب پر جوش نظر آنے لگے۔

"میں مظہر بول رہا ہوں... مظہر خان۔ تم کون ہو؟" میں نے اضطراری لہجے میں کہا۔

"میں وہی ہوں جس سے تم بات کرنا چاہ رہے ہو۔ تم کہاں چھپے ہوئے ہو؟ تمہارا کہیں پتا نہیں ہے۔" دوسری طرف سے بولنے والے کا لہجہ سخت ہو گیا۔

"میں دہلی میں تھا تو سکون سے تھا۔ یہاں آیا ہوں تو زمین اور آسمان میرے دشمن ہیں۔ ہر ایک میرے خون کی بُو پر لگا ہوا ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ دہلی والوں نے میرا کون سا قصور پکڑ لیا ہے کہ ایک دم میرے خلاف نفرت کی آگ بھڑکا دی ہے۔ میری نیندیں حرام ہو گئی ہیں۔"

"قانون سے بھاگنے والوں کو روئے زمین پر کہیں بھی سکھ، چین اور قرار نہیں ملتا۔ اسی وقت اپنی روپوشی ختم کر دو اور خود کو قانون کے حوالے کر دو..."

"مگر کیوں؟" میں نے اس کی بات کاٹ کر مضطربانہ لہجے میں پوچھا "میرا قصور کیا ہے؟ میں نے کیا جرم کیا ہے؟"

"تم دہلی سے اچانک غائب ہو گئے تھے؟" سرد لہجے میں سوال کیا گیا۔

"میں پاکستان آیا ہوں۔ میں نے نریش کو بتا دیا تھا۔ خود وہ بھی چاہتا تھا کہ میں جلد از جلد پاکستان واپس آ کر تمہارے ساتھ کام شروع کروں۔"

"سب کچھ صحیح ہے مگر تم کسی سے مل کر یا کسی کو بتا کر نہیں آئے۔ تم نے کسی چور اور مجرم کی طرح اچانک ہوٹل چھوڑ دیا۔"

"مجھے کسی کا پتا نہیں تھا۔ میرا دل گھبرایا اور میں نے ہوٹل چھوڑ دیا۔ صبح کی پہلی ٹرین سے ہم روانہ ہو گئے۔"

"تم کو معلوم ہے کہ دہلی میں اسی رات نریش اور انل کو مار دیا گیا!" آواز میں کوڑے کی سی مار عود کر آئی تھی۔

"معلوم ہے!" میں نے رد دینے والی آواز میں کہا "مگر میرا اس سے کیا واسطہ؟ وہ دونوں خود ہی پکڑ پکڑ کر مجھے بلواتے تھے۔ میں ایک بے قصور اور شریف آدمی ہوں..."

"زیادہ مظلوم بننے کی کوشش مت کرو۔" اس نے غرا کر میری بات کاٹ دی "امرتسر اور اٹاری میں چھان بین کی گئی تھی۔ وہاں ہمارے آدمی تمہارے منتظر تھے مگر تم کہیں نظر نہیں آئے۔ تم کس راستے سے سرحد پار نکلے تھے؟"

"اور کون سا راستہ تھا میرے پاس؟ میں اٹاری سے لاہور پہنچا تھا۔" میں نے تحیر زدہ سادگی سے کہا۔

"تم جھوٹے ہو۔ ہمارے کارندے اتنے اندھے نہیں ہو سکتے کہ تم دونوں کو نہ پہچانتے۔ ان میں سے دو نے تم کو دہلی میں دیکھا ہوا تھا۔"

"مجھ پر الزام تراشی مت کرو۔" میں نے لجلجاتی ہوئی آواز میں کہا "تم میرا پاسپورٹ دیکھ سکتے ہو۔ اس پر اٹاری سے نکاسی کی مہر ہے۔"

"تم مسلسل روپوش ہو۔ جب تک سامنے نہیں آؤ گے، یہ تصدیق نہیں ہو سکتی۔ اسی لیے کہہ رہا ہوں کہ خود کو مقامی قانون کے حوالے کر دو۔ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا۔"

"مجھ پر ایسے بھیانک الزامات ہیں کہ پولیس کے تصور سے میرے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ وہ مجھے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔"

"وہ تمہیں نہیں مار سکتے۔ جب تک ہمارے دو آدمیوں کا اصل قاتل نہیں ملتا، تم زندہ رہو گے۔"

"پولیس والے زندگی کو جہنم بنا دیتے ہیں۔ ان کا قیدی مرجانا چاہتا ہے لیکن موت اس سے کوسوں دور بھاگتی ہے۔ تم مجھے بہلانے پھسلانے کی کوشش نہ کرو۔ میں نے دہلی میں بھی بہت مار کھائی ہے۔ اب مجھ میں اور زیادہ پٹنے کی سکت نہیں ہے۔"

"اس وقت تم کہاں روپوش ہو؟" قدرے توقف کے بعد سوال کیا گیا۔

"یہ میں کسی کو نہیں بتاؤں گا۔ مجھے ایسا لگ رہا ہے جیسے نریش سے ایک مہینے کی تنخواہ لے کر میں نے اپنی زندگی اسے بیچ دی تھی۔ ڈراؤنی موت کے خوف سے میری رات کی نیندیں اڑ گئی ہیں۔"

"تم حالات کا شکار ہوئے ہو۔" اس بار بولنے والے کا لہجہ قدرے ہمدردانہ ہو گیا تھا "اگر تم بے قصور ہو تو تمہارا بال بھی بیکا نہیں ہو گا۔ تم پولیس کے پاس جانے سے ڈر رہے ہو تو اپنا پاسپورٹ لے کر کسی بڑے اخبار کے دفتر میں چلے جاؤ اور خفیہ معاملات کے سوا انہیں ہر بات بتا دو..."

"اس سے تمہیں کیا حاصل ہو گا؟ میری شامت آ جائے گی۔ بہت سے اخبار والے پولیس سے بھتا لیتے ہیں اور ان کے لیے مخبری کرتے ہیں۔ میں کسی غلط آدمی سے ٹکرا گیا تو اخبار میں میری سنائی ہوئی کہانی کا ایک لفظ بھی نہیں آئے گا،

Downloaded from https://paksociety.com

میں مفت میں دھر لیا جاؤں گا۔"

"کچھ نہیں ہوگا۔" اس بار وہ جھلا گیا "اس وقت کسی نہ کسی طرح یہ بات ظاہر ہونا ضروری ہے کہ تم زندہ ہو اور پاکستان میں ہو۔ باقی باتیں بعد میں ہوتی رہیں گی۔"

وہ مجھے پرانی کاروں کا ایک سادہ لوح تاجر سمجھ کر چالاک بننے کی کوشش کر رہا تھا مگر میں اس کی مکاری سمجھ رہا تھا۔ وہ کراچی میں بیٹھا ہوا کوئی مقامی ہندو تھا مگر اس کے قونصل خانے کے دہلی کے حکمرانوں کے ساتھ گہرے روابط تھے۔ اسے معلوم تھا کہ مظہر کے بارے میں پاکستان نے بھارت سے جوابی مطالبہ کر دیا تھا جس کا بھارتی حکمرانوں کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ وہ مجھے پیش کر سکتے تھے نہ ان کے کسی ریکارڈ میں میری واپسی کا اندراج تھا۔ اس وقت ان کے لیے ساری اہمیت اس بات کی تھی کہ پاکستان میں میری موجودگی ثابت کی جا سکے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے وہ نامعلوم شخص مجھے کراچی پولیس یا کسی اخباری دفتر سے رجوع کرنے پر مجبور کر رہا تھا۔ کسی بھی ذریعے سے ایک بار یہ خبر سامنے آجاتی کہ میں کراچی میں موجود تھا تو بھارتیوں پر آیا ہوا شدید سفارتی دباؤ یک لخت ختم ہو سکتا تھا۔

اس نے باتوں ہی باتوں میں مجھ سے میری واپسی کا راستہ پوچھ لیا تھا۔ میں اس کے ہر ٹیڑھے کا سوال کا سیدھا جواب دینے کے لیے تیار تھا۔ اس نے میرے دعوے کے جواب میں یہ انکشاف کر کے مجھے حیران کر دیا تھا کہ جب میں امرتسر میں بنگو کا مہمان بنا ہوا تھا تو را کے ایجنٹ اٹاری سے واپس جانے والے پاکستانیوں کی بھیڑ میں میری بو سونگھتے پھر رہے تھے۔ اگر میں نے سرحد پار کرنے کے لیے بھول کر بھی اٹاری کا رخ کیا ہوتا تو وہاں موجود بھارتی گدھوں کے چنگل میں پھنس گیا ہوتا۔

"میں یہ خطرہ مول نہیں لوں گا۔" میں نے مصالحانہ لہجے میں کہا "تمہارے لیے میں کچھ بھی نہیں ہوں۔ پتا نہیں تم مجھے اپنے کس کھیل میں ایک مہرے کی طرح استعمال کرنا چاہ رہے ہو۔ مجھے اپنی جان بہت عزیز ہے۔ میں اپنے رشتے داروں کی پناہ میں زیادہ محفوظ ہوں۔ مجھے کچھ دن سکون سے گزار لینے دو۔"

"پھر تم نے مجھے فیکس پر اپنی فریاد کیوں بھیجی تھی؟" دوسری طرف سے غرا کر سوال کیا گیا۔ سوال سے ظاہر ہو رہا تھا کہ بولنے والا چندن تھا۔

"میرا خیال تھا کہ یہ سارا چکر شاید کسی غلط فہمی کی وجہ سے چل رہا ہے۔ میں تم سے رجوع کروں گا تو میرا مسئلہ حل ہو جائے گا۔"

"میں تمہیں حل بتا رہا ہوں مگر تم اپنی احمقانہ ضد پر اڑے ہوئے ہو۔"

"تمہارے بتائے ہوئے حل پر میرا دل نہیں ٹھک رہا۔ اس وقت میں سامنے آیا تو مارا جاؤں گا۔"

"تم کو مجھ پر بھروسا ہونا چاہیے۔ میں تمہیں غلط مشورہ نہیں دے سکتا۔" اس نے زور دے کر کہا۔

"میں نے کہا نا کہ تمہاری نیت پر مجھے شک نہیں ہے۔ بس میرا دل نہیں مان رہا۔"

"تو کان کھول کر سن لو کہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں، وہ میرا حکم ہے۔ اب مشورہ نہیں رہا۔"

"میں تمہارے ہر حکم پر عمل کرنے کے لیے تیار ہوں۔ تم لوگوں سے پیشگی رقم لے چکا ہوں لیکن پہلے اپنی چمڑی بچاؤں گا۔"

"میں تمہیں چوبیس گھنٹے کی مہلت دے رہا ہوں۔" بولنے والے کی آواز سرد اور تحکمانہ ہو گئی "تم نے چوبیس گھنٹوں میں اپنی روپوشی ختم نہ کی تو تمہارا حشر خراب کر دیا جائے گا۔"

"افہام و تفہیم کے بجائے اب تم دھمکیاں دینے پر اتر آئے ہو۔" میں نے رو دینے والی آواز میں شکوا کیا۔

میرے بزدلانہ خوف کا اندازہ کر کے وہ شیر ہو گیا "بس چوبیس گھنٹے۔ یہ یاد رکھنا۔ کل شام سات بجے تک تم منظر عام پر نہ آئے تو تمہاری اور رینا کی ویڈیو فلم کی سیکڑوں نقلیں کراچی کی دکانوں میں پھیلا دی جائیں گی۔ اس کے بعد کے ہولناک نتائج کا تم اندازہ کر سکتے ہو۔"

"نہیں۔ تم ایسا نہیں کرو گے۔ تم کیوں مجھے تباہ کرنے پر تل گئے ہو۔"

"یہ بات تمہیں دہلی میں بتا دی گئی تھی۔ ان لوگوں کو

انتباہ

سسپنس ڈائجسٹ میں شائع ہونے والی ہر تحریر کے حقوق طبع و نقل بحق ادارہ محفوظ ہیں۔ کسی بھی فرد یا ادارے کے لیے اس کے کسی بھی حصے کی اشاعت یا کسی بھی طرح کے استعمال سے پہلے تحریری اجازت لینا ضروری ہے۔ بصورت دیگر ادارہ قانونی چارہ جوئی کا حق رکھتا ہے۔

تمام اشتہارات نیک نیتی کی بنیاد پر شائع کیے جاتے ہیں۔ اس سلسلے میں ادارہ کسی بھی طرح ذمے دار نہ ہوگا۔

Downloaded from https://paksociety.com

معلوم تھا کہ رقم لینے والے سرحد پار کرنے کے بعد اپنے وعدوں کو بھول جاتے ہیں۔ ہم ہمیشہ اپنے آدمیوں کا حافظہ تازہ کرنے کا بندوبست رکھتے ہیں۔ تم نے جب بھی میرے کسی حکم سے سرتابی کی، فلم کی تشہیر تمہارا مقدر بن جائے گی۔"

"کچھ دن گزر جانے دو۔ یہ دھول بیٹھ جائے گی تو میں خود بخود سامنے آجاؤں گا۔" میں نے خوشامدانہ لہجے میں کہا۔

"ہرگز نہیں۔ ہم احمق نہیں ہیں کہ تمہاری سہولت کے وقت کا انتظار کریں گے۔ چوبیس گھنٹے بعد فلم بازار میں آجائے گی۔ اسی کے ساتھ ہی ہمارے آدمی تمہاری تلاش میں نکل پڑیں گے۔ یہ نا سمجھنا کہ میرے حکم کے سرتابی کر کے تم زیادہ دیر روپوش رہ سکو گے۔ میرے آدمی تمہیں تمہاری کمین گاہ سے نکال کر کسی گندے تھانے کے سامنے ڈال دیں گے۔"

"میں اخبار پڑھتا رہا ہوں۔ تم لوگوں کی اصل دشمنی کسی ڈینی سے ہے۔ تمہیں اس کی تلاش تھی۔ دہلی والے بلاوجہ میرے پیچھے کیوں لگ گئے ہیں؟"

"اتنی دیر میں تم نے پہلی بار ڈھنگ کی کوئی بات کی ہے۔" میرے سوال پر اس کے لہجے میں یکایک تبدیلی اور نرمی آگئی "ڈینی اوّل درجے کا حرامی اور کتے کا پلا ہے۔ دہلی میں سارا گند اسی کا پھیلایا ہوا ہے۔ یہ تمہاری بدنصیبی ہے کہ جس وقت وہ دہلی کی ایک بستی میں خون ریزیاں کر رہا تھا' اسی وقت تم دہلی چھوڑ رہے تھے۔ وہ پاکستانی ہے۔ تم بھی پاکستانی ہو۔ شبہات کا رخ تمہاری طرف ہوگیا۔ میں تم کو یقین دلا رہا ہوں کہ یہ عارضی حالات ہیں۔ وقت کے ساتھ تمہیں ہر پریشانی سے نجات مل جائے گی۔"

"جب تک ڈینی ہاتھ نہیں آئے گا' میرے سر پر تلوار لٹکتی رہے گی۔" میں نے بے یقینی سے کہا۔ اس کی دی ہوئی گالیوں کو میں نے خندہ پیشانی سے نظرانداز کر دیا تھا جس پر جلال کی آنکھیں حیرت سے کشادہ ہوگئی تھیں۔

"اس کا وقت پورا ہو چکا ہے۔ تمہیں نہیں معلوم کہ کون کون اس کا پیچھا کر رہا ہے۔"

اس مرحلے پر جلال سے صبر نہ ہو سکا' اسپیکر فون آن ہونے کی وجہ سے وہ مجبور تھا اس لیے ہاتھوں کے تیز اشاروں اور لبوں کی خاموش جنبشوں سے مجھے کچھ سمجھانے کی کوشش کرنے لگا۔ اس وقت میرا ذہن اپنی اور اس کی گفتگو پر مرکوز تھا۔ جلال کی کوئی بات میری سمجھ میں نہیں آسکی۔

"تمہارے ہر مشورے پر میرا دل ڈوب رہا ہے۔ تم مجھے کہیں مروا دو گے۔"

"یہ تمہارا وہم اور اندر کا خوف ہے۔ ایسی کوئی بات نہیں ہوگی۔" بولنے والے کی آواز مزید نرم اور ناصحانہ ہوگئی۔ اپنے شکار کو شیشے میں اترتا ہوا محسوس کر کے اس نے مفاہمت کی راہ اپنالی تھی۔

"وقت کم ہے۔ مجھے تھوڑی سی مہلت دے دو۔" میرا وہ جواب سنتے ہی جلال مسرت سے اپنی جگہ پر اچھل پڑا۔ اس کا چہرہ مسرت سے دمک اٹھا تھا۔ شاید وہ اپنے مضطربانہ اشاروں سے مجھے وہی بات سمجھانا چاہ رہا تھا۔ میں نے اپنی بات جاری رکھی "چوبیس گھنٹے کا وقت بہت کم ہے۔"

"تمہیں اندازہ نہیں ہے۔ گزرتے ہوئے وقت کے ساتھ تم دلدل میں دھنستے چلے جاؤ گے۔ تم جتنی جلد فیصلہ کرلو' تمہارے حق میں بہتر ہوگا۔ مجھے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ میں تمہیں چوبیس کے بجائے اڑتالیس گھنٹے دے سکتا ہوں۔"

حقیقت یہ تھی وقت اسی کے لیے سب کچھ تھا۔ میرے لیے اس کی کوئی وقعت نہیں تھی۔ اس کا نام اور پتا میری نظروں میں آچکا تھا۔ ایس ٹی ایف کے مستعد آدمی دونوں پتوں کی نگرانی کر رہے تھے۔ میری وہ فون کال ختم ہونے کے بعد ذرا سی دیر میں علم ہو جاتا کہ سنی کمار کے مہینوں سے مقفل دفتر میں اس شام کون داخل ہوا تھا۔ اس کا مسلسل تعاقب جاری رہتا۔ جوں ہی ہم اس کے بارے میں کوئی فیصلہ کرتے' اول خان یا جلال کے آدمی اس نامعلوم شخص کے نرخرے پر ہاتھ ڈال دیتے جو اس وقت سنی کے دفتر میں چھپا' مجھ سے بلی اور چوہے کا کھیل کھیلنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"تم مجھے وقت دے دو تاکہ میں بے فکر ہو کر کسی فیصلے پر پہنچ سکوں۔ میری کوشش ہوگی کہ میں جلد از جلد فیصلہ کرلوں۔ امید یہی ہے کہ میں تمہارے حکم کی تعمیل کرلوں۔ تم نے ویڈیو فلم کا ذکر کر کے مجھے لرزہ براندام کر دیا ہے۔ میرا منہ کالا ہو جائے گا۔ میں کسی سے ملنے جلنے کے قابل نہیں رہوں گا۔"

میری مجبوریوں کا حسرت بھرا بیان مکمل ہوتے ہی اسپیکر فون پر رعونت آمیز ہنسی کی آواز ابھری پھر وہ بولا "تم بہت سمجھ دار آدمی ہو۔ تمہیں ہر وقت یہ یاد رہنا چاہیے کہ دہلی والوں نے تمہیں بہت مضبوطی سے دوستی کے بندھن میں باندھا ہے۔ ہم سے منحرف ہو کر تم زیادہ دیر تک چین سے آزاد نہیں رہ سکتے۔"

"رفتہ رفتہ یہ باتیں میری سمجھ میں آتی جارہی ہیں۔" میں نے آزردہ سی آواز میں کہا "میں اڑتالیس گھنٹے پورے ہونے سے پہلے تمہیں فون پر اپنا فیصلہ سنا دوں گا۔"

Downloaded from https://paksociety.com

"ہرگز نہیں!" اسی لمحے جواب آیا "تم بھول رہے ہو کہ تمہیں یہ فون نمبر ایمرجنسی کے لیے دیا گیا ہے۔"

"میرے لیے اپنے فیصلے سے بڑی کیا ایمرجنسی ہو سکتی ہے۔" میں نے بے بسی سے پوچھا۔

"آج تمہارا پہلا فون تھا اس لیے میں نے گھنٹی بجتے ہی ریسیور اٹھایا لیا۔" وہ کہہ رہا تھا "ورنہ مجھ سے رابطے کے کچھ اصول ہیں۔ اس نمبر پر فون چھ بجے کے بعد وصول کیا جاتا ہے اور بارہ گھنٹیوں کے بعد میں ریسیور اٹھاتا ہوں۔"

"بارہ گھنٹیوں کے بعد کیوں؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔ اس حیرت میں میری صداکاری کا کوئی دخل نہیں تھا۔

"میں کسی غلط آدمی سے بات کرنا پسند نہیں کرتا۔ ہر شخص بارہ گھنٹیوں کا انتظار نہیں کرتا۔ دو چار گھنٹیاں بجا کر فون بند کر دیتا ہے۔ اتنا صبر وہی کرتا ہے جو میرا خاص آدمی ہو اور اسے مجھ سے کوئی ضروری کام ہو۔ تم کو بھی ان باتوں کو یاد رکھنا ہوگا "میں بارہ گھنٹیوں کے بعد فون نہ اٹھاؤں تو تم کو سمجھ لینا چاہیے کہ میں موجود نہیں ہوں۔"

"اچھا ہوا کہ تم نے بتا دیا مگر آج تو تم نے پہلی گھنٹی پر ہی فون اٹھا لیا تھا۔" میں نے اس کی ابتدائی وضاحت کے باوجود وہ سوال دہرایا۔

"اس لیے کہ یہ تمہارا پہلا فون تھا۔" اس نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا "تم نے اپنے فیکس میں فون اور وقت کا ذکر کر دیا تھا۔ میں سمجھ گیا کہ ٹھیک سات بجے آنے والا فون تمہارا ہو سکتا ہے۔ تم نے فیکس میں فون کا ذکر نہ کیا ہوتا تو آج مجھ سے کسی قیمت پر تمہاری بات نہیں ہو سکتی تھی۔"

"سات بجے سے پہلے تم سے رابطے کے لیے کیا کیا جائے؟" میں نے الجھن آمیز لہجے میں پوچھا۔ میں اس سے اس کا پورا طریقہ کار اگلوانے کے لیے کوشاں تھا۔

"تم مجھے ہر وقت فیکس کر سکتے ہو۔" اس کا جواب میرے لیے متوقع تھا "اس کے لیے وقت کی کوئی قید نہیں ہے۔ فون کے لیے شام چھ بجے سے صبح چھ بجے تک کی پابندی ہے۔"

"فیکس پر میں اپنی بپتا نہ سنا سکتا ہوں۔ تمہارے مشورے نہیں سن سکتا۔ اب یہی دیکھ لو کہ اس وقت ہم نے فون پر جتنی باتیں کر لیں وہ پچاس فیکس بھیج کر بھی نہیں ہو سکتی تھیں۔" میرے پاس اسے قائل کرنے کے لیے مضبوط نکتہ موجود تھا۔

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو لیکن میری بھی کچھ مجبوریاں ہیں۔ وقت اور بارہ گھنٹیاں۔ یہ دو باتیں مجھ سے براہِ راست رابطے کے لیے ضروری ہیں۔"

"کیا تم اب بھی اپنا نام نہیں بتاؤ گے؟" میں نے پوچھا۔

"ناموں میں کچھ نہیں رکھا۔ تم آواز سے مجھے شناخت کر لو گے۔ یہ فون میں ہی اٹھاتا ہوں۔ کسی اور کی اس تک رسائی نہیں ہے۔" اس نے لمحے بھر کے توقف کے بعد اپنی بات جاری رکھی "جب تم منظرِ عام پر آجاؤ گے تو میں تم سے ضرور ملوں گا۔ اس وقت تم میرا نام بھی جان لو گے۔"

مجھے شبہ ہونے لگا کہ وہ چندن کرنانی نہیں، کوئی بہت زیرک اور چالاک بھارتی تھا جو اپنی ذات کو پوشیدہ رکھنے کے لیے چندن کرنانی کا فیکس نمبر استعمال کر رہا تھا۔ چندن کا کام بس اتنا تھا کہ وہ اپنی مشین پر آئے ہوئے پیغامات اس تک پہنچا دے۔

"اگر تم کو مجھ پر اعتماد نہیں ہے تو میں مناسب وقت کا انتظار کروں گا۔" میں نے مایوسی سے کہا۔

"آج پہلی مرتبہ میری اور تمہاری بات ہوئی ہے۔ اعتماد رفتہ رفتہ پیدا ہوتا ہے۔ اپنا کام اور حوصلہ دکھاؤ۔ میں کام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آصف شاکر ہیئر کلینک

ڈاکٹر آصفہ شاکر ڈاکٹر عباس علی اختر

اوقات کار

ہفتہ اتوار ——— صبح 10.00 تا 1.00 دوپہر

روزانہ ——— شام 6.00 تا 9.00

تنویر بلاک ——— جناح گارڈن

شاکر ہیئر آئل بھی دستیاب ہے

مزید معلومات کے لئے فون: 0300-8243069

6/1 سفاری ویو بلاک 7 نزد مین گیٹ

سفاری پارک گلشن اقبال، کراچی

Downloaded from https://paksociety.com

کے آدمیوں کی بہت قدر کرتا ہوں۔"

"پھر مہلت میں مزید چند گھنٹوں کا اضافہ کردو۔" میں نے اس سے بلاوجہ فرمائش کی "مجھے پرسوں کی ساری شام مل جائے تو بہتر ہوگا۔ چھ بجے تم فون پر آتے ہو' سات بجے تمہارا دیا ہوا وقت پورا ہوجائے گا۔ اس میں کچھ نہ کچھ گنجائش ہونی چاہیے۔"

"میری کہی ہوئی بات اٹل ہوتی ہے۔ فیکس پر تم ہر وقت مجھے اپنے فیصلے سے آگاہ کرسکتے ہو۔ تمہیں فون کے وقت کا انتظار کرنے کی ضرورت نہیں۔"

وہ چالاک اور حاضر دماغ شخص تھا۔ میں نے اپنی نیم رضامندی کے اظہار کے ساتھ فون بند کردیا۔ سلطان شاہ نے بھی ٹیپ ریکارڈر آف کردیا۔

"شان دار!" جلال نے اپنی جگہ سے اٹھ کر پرجوش انداز میں اپنا داہنا ہاتھ میری طرف بڑھادیا اور پرتپاک انداز میں ہاتھ ملاتے ہوئے بولا "اپنے دشمن سے ایسی لچھے دار باتیں تم ہی کرسکتے ہو۔ اس کے لیے بہت ٹھنڈے ماتھے کی ضرورت ہوتی ہے۔ گالیاں کھا کے بے مزہ نہ ہونے والی بات تم پر پوری طرح صادق آتی ہے۔"

"اس وقت پاکستانی مطالبہ ان کے گلے کی ہڈی بن گیا ہے۔ کوئی مخالفانہ ثبوت نہ ہونے کی وجہ سے مظہر کا درجہ ابھی تک ایک معزز پاکستانی شہری کا ہے۔ ہرضابطے کی رو سے اس کے بارے میں جواب دہی بھارتی حکومت کا فرض ہے۔" ویرا کہہ رہی تھی "وہ بس یہ چاہ رہا تھا کہ ڈینی گھڑی کی چوتھائی میں اپنا سینہ ٹھونک کر میدان میں کود جائے تاکہ بھارتیوں کی پیشانی سے مظہر کی گمشدگی کا داغ مٹ سکے۔"

"میں اس سے اسی نکتے کے گرد کھیل رہا تھا۔" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"میرا خیال ہے کہ میں بھی تحمل سے اس کے ساتھ اتنے کامیاب مذاکرات نہیں کرسکتا تھا۔" جلال خوشی سے پھولے نہ سما رہا تھا "تمہارا ایک ایک لفظ سفید جھوٹ تھا مگر اس پر حقیقت کا گمان ہو رہا تھا۔ وہ الّو کا پٹھا چکرا کر رہ گیا ہوگا۔" یہ کہتے ہوئے اس نے ریکارڈر میں سے ہماری گفتگو کا کیسٹ نکال لیا۔

"بھارتی کسی بھی طرح بے وقوف نہیں ہوتے۔ وہ بہت ذہین' تجربے کار اور مکّار ہوتے ہیں۔" اول خان بولا "یہ ڈینی کا کمال ہے کہ جب وہ ہمارے شیر کے سامنے آتے ہیں تو اس کی باتوں کے ہیر پھیر میں پڑ کر ساری چوکڑیاں بھول جاتے ہیں۔ اس وقت ڈینی کے مخاطب نے کوئی بے وقوفی نہیں کی لیکن ڈینی نے چالاکی سے کام لیتے ہوئے اس سے بہت کچھ اگلوالیا۔"

"دیکھنا ہے کہ ڈینی سے بات کرنے والا کون تھا۔ اگر یہ چندن تھا تو مجھے حیرت ہے۔ وہ اپنی باتوں سے پکا بھارتی معلوم ہو رہا تھا۔" ویرا نے کہا۔

"اگر اجازت ہو تو میں تھوڑی سی وعدہ خلافی کرلوں۔" اچانک جلال نے مجھ سے پوچھا۔

"مجھے معلوم تھا کہ بعد میں یہ مرحلہ بھی آئے گا۔" میں نے ہلکے سے طنز سے کہا "وعدہ کرنا آسان ہوتا ہے۔ اسے نباہنا سب سے مشکل کام ہے اور تم تو وعدہ کرنے والوں کے سرخیل بنے ہوئے تھے۔ تم اتنی جلدی اپنا وعدہ بھول گئے۔"

"اگر تم برا مان رہے ہو تو پھر جانے دو۔" جلال نے شائستگی سے کہا "تم بالکل صحیح پہنچے ہو۔"

"یہ بھارتیوں کی سطح کی گھٹیا باتیں ہیں۔" میں نے ان لوگوں کو سوالات کی اجازت دے کر بھڑوں کا چھتا چھیڑنے کی کوشش نہیں کی۔ از خود انہیں بتانا شروع کردیا "میں غزالہ کو اپنی بیوی بنا کر نہیں لے گیا تھا مگر اسے اپنے کمرے میں رکھا ہوا تھا۔ دہلی میں اتنی سی بات راداں کے لیے پرکشش بن گئی۔ انہوں نے کچھ لڑکیوں کو میرے پیچھے لگادیا۔ رینا نامی ایک لڑکی مجھے اپنے ساتھ ہوٹل کے ایسے کمرے میں لے جانے میں کامیاب ہوگئی جہاں پہلے سے کیمرے چھپے ہوئے تھے۔ راوالے اب تک جس فلم کی دھمکیاں دے رہے ہیں' وہ بنی ضرور تھی لیکن را کے دفتر میں دوسرے ریکارڈ کے ساتھ جلادی گئی۔ وہ اس کے تلف ہونے کا اعتراف کرنے سے گریزاں ہیں۔ میں انہیں بتا نہیں سکتا کہ میں نے وہ ویڈیو کیسٹ اپنے ہاتھوں سے جلایا تھا۔"

"پھر تم بلاوجہ کیوں ان سے دب رہے ہو؟" ویرا نے بھڑک کر پوچھا۔

"مصلحت!" میں نے دھیرے سے جواب دیا "میں ان کی صفوں میں شامل رہ کر ان کی بیخ کنی کرنا چاہتا ہوں۔ اگر ان کی خوش فہمی دور کردوں تو وہ مجھ سے بات کرنا بھی پسند نہیں کریں گے۔ اس وقت راوالوں کا سارا زور اسی فلم پر تھا۔"

"ہاں۔" اول خان نے اقرار کیا "محنت سے استوار کیے ہوئے رابطے اتنی آسانی سے ختم نہیں کیے جاسکتے۔ ان کی خوش فہمی کو برقرار رہنا چاہیے۔"

"ذرا اپنے آدمیوں کو دیکھو۔" جلال نے چونک کر اسے یاد دلایا "سات بجے کون سنی کے دفتر میں گیا تھا۔"

اول خان نے فون پر شاید اسٹیشن فور کے ریڈیو روم سے

Downloaded from https://paksociety.com

رابطہ کیا۔ میری معلومات کے مطابق وہاں بیٹھا ہوا ڈیوٹی افسر شہر بھر میں ایس ٹی ایف کے کارکنوں کی جملہ سرگرمیوں سے باخبر رہتا تھا کیونکہ ہر ٹرانسمٹر پر ہونے والی گفتگو وہاں ضرور سنی جاتی تھی۔ اس کے علاوہ بھی ہر رکن وقفے وقفے سے وہاں اپنی کارکردگی کی رپورٹ دیتا رہتا تھا۔

اول خان فون پر بات کرکے مڑا تو اس کا چہرہ اترا ہوا تھا۔ اس نے شکست خوردہ آواز میں بتایا کہ اس کے آدمی سنی کے دفتر کے قریب بیٹھے بیٹھے اکتا گئے تھے۔ سہ پہر سے اس وقت تک کوئی اس مقفل دفتر کے پاس نہیں پھٹکا تھا۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے۔" میں نے حیرت سے کہا "سات بجے میں نے خود اس دفتر کے فون نمبر پر بات کی ہے۔ تم سب اس کے گواہ ہو۔"

"شاید تم ذہنی طور پر کہیں اور ہو۔" جلال نے کہا "مقابلہ راوالوں سے ہو تو سب کچھ ممکن ہے۔"

"پھر یہ لمبا چکر معلوم ہوتا ہے۔" میں نے سوچتے ہوئے کہا "سنی کے دفتر کا فون نمبر کہیں اور استعمال ہو رہا ہے۔"

اول خان کی آنکھیں چمک اٹھیں "تم نے بالکل صحیح نتیجہ اخذ کیا ہے۔ چندن کے گھر اور سنی کے دفتر میں ڈیڑھ دو فرلانگ کا فاصلہ ہے۔ بیمار سنی کمار کے فرشتوں کو کچھ پتا نہیں اور اس کا فون راوالے استعمال کر رہے ہیں۔ وہ لائن یقینی طور پر چندن کے گھر پر استعمال کی جا رہی ہے۔"

"تمہارے آدمی وہیں موجود ہیں۔ کسی سے کہو کہ تالا کھول کر دیکھے۔ کیا سنی کا فون ڈیڈ پڑا ہوا ہے۔" ویرا بولی۔

اگلی کسی کارروائی سے پہلے وہ یقین دہانی واقعی ضروری تھی۔ اول خان کا اپنے آدمیوں سے براہِ راست کوئی رابطہ نہیں تھا۔ اس نے ایک مرتبہ پھر اسٹیشن فور پر اپنے ڈیوٹی افسر کو ہدایات دیں اور ہمارے ساتھ باتوں میں شریک ہو گیا۔

"میں سمجھ رہا تھا کہ سنی کی راوالوں سے ملی بھگت ہے مگر اب حالات کا دوسرا رخ سامنے آ رہا ہے۔" جلال کہہ رہا تھا "سنی اپنے گھر پر بیمار پڑا ہوا ہے۔ اس کے فرشتوں کو بھی علم نہیں ہو گا کہ اس کے فون کے ساتھ کیا بدسلوکی کی جا رہی ہے۔"

"وہ بے گناہ نہیں ہو سکتا۔" سلطان شاہ نے پہلی مرتبہ جلال سے اختلاف رائے کی جسارت کی اور جلال کی تیوریوں پر ہلکا سا بل آ گیا۔

"تم اسے گناہ گار کیسے قرار دے رہے ہو؟" جلال نے اس سے پوچھا۔

"پتا نہیں یہ سلسلہ کب سے چل رہا ہے۔ فون کا بل ہر

کمال

ایک صاحب فخر سے دوسرے صاحب کو بتا رہے تھے "میری شادی کو دس سال ہو گئے ہیں مگر آج بھی میں ڈیوٹی سے واپسی پر بس سے اترتا ہوں تو میری بیوی میرے انتظار میں بس اسٹاپ پر کھڑی ہوتی ہے۔"

"یہ کون سی خاص بات ہے..." دوسرے صاحب بولے "میری شادی کو بیس سال ہو چکے ہیں مگر میری بیوی کا بھی اب تک یہی معمول ہے۔"

تیسرے صاحب بولے "میرا خیال ہے میں آپ دونوں حضرات سے زیادہ داد کا مستحق ہوں۔ میں بھی بس اسٹاپ پر اترتا ہوں تو بیوی میرے انتظار میں کھڑی ہوتی ہے.... اور قابل ذکر بات یہ ہے کہ میں شادی شدہ نہیں ہوں۔"

وقت ادا نہ ہوتا تو فون کبھی کا کٹ چکا ہوتا۔ اگر سنی یا اس کا کوئی آدمی باقاعدگی سے بل ادا کرتا ہے تو اسے اندازہ ہو جانا چاہیے کہ فون دفتر کے بجائے کہیں اور استعمال ہو رہا ہے۔"

جلال نے سہلایا اور سوچ میں پڑ گیا۔ سلطان شاہ نے وہ کمزور اعتراض اتنی سنجیدگی سے اٹھایا تھا کہ کوئی فوری طور پر اس کے منفی پہلو پر توجہ نہیں دے سکا۔ میں نے ان لوگوں کا تجسس دور کرنے کا ارادہ کیا تو مجھ سے پہلے ویرا بول پڑی۔

"بولنے سے پہلے کچھ سوچ بھی لیا کرو۔" ویرا کی آواز پر سب کی نگاہیں اس کی طرف اٹھ گئیں۔ وہ سلطان شاہ سے کہہ رہی تھی۔ "فون کے بل میں اسی وقت اضافہ ہوتا ہے جب اس سے کوئی کال کی جائے۔ کال وصول کرنے میں کوئی خرچ نہیں ہوتا۔ اگر وہ لوگ اتنے چالاک ہیں کہ سنی کا فون چرا کر استعمال کر رہے ہیں تو وہ اسے صرف پیغام وصول کرنے کے لیے استعمال کرتے ہوں گے۔ انہوں نے یہ احتیاط رکھی ہو گی کہ اس نمبر سے کوئی فون نہ کیا جائے۔ سنی بے خبری میں ہر ماہ لائن رینٹ وغیرہ ادا کر رہا ہے۔"

"ہاں، یہ تو ہے۔" جلال نے ویرا کی تصدیق کی "ہم اس امکان کو کیوں بھول رہے ہیں۔ یہ امکان ہی نہیں حقیقت ہو سکتی ہے۔"

ویرا کے مربوط اعتراض پر سلطان شاہ کا چہرہ خفت سے

Downloaded from https://paksociety.com

سرخ ہوگیا اور اس نے خاموشی سے سر جھکالیا۔

"حیرت ہے کہ ایسی سامنے کی بات فوری طور پر کسی کے ذہن میں نہیں آسکی۔" جلال بڑبڑایا۔

جلال کی فرمائش پر غزالہ ایک مرتبہ پھر سب کے لیے چائے بنانے چلی گئی۔ اس مرتبہ ویرا بھی اس کے ساتھ کچن کی طرف گئی تھی۔

رات کے اس ابتدائی پہر میں سنی کے ویران اور مقفل دفتر میں گھسنا زیادہ دشوار نہیں تھا۔ ساری اہمیت صرف ایک بات کی تھی کہ اول خان کے آدمی قفل شکنی میں کتنے ماہر تھے۔ تھوڑی دیر بعد اسٹیشن فور سے کال آگئی۔ اول خان کے آدمیوں نے قفل شکنی کے بعد دفتر کو پہلے کی طرح دوبارہ لاک کردیا تھا۔ مہینوں کے گرد و غبار میں اٹے ہوئے دفتر کا فون بالکل بے جان تھا۔

"اگر اتنی چھان بین نہ کی جاتی تو سنی کھلا مجرم نظر آرہا تھا۔" جلال نے ہلکی سی عصیلی آواز میں کہا "اگر یہ لائن چندن کے فلیٹ میں پائی گئی تو میں اس باسٹرڈ کو ادھیڑ ڈالوں گا۔"

"ایک کام میں دو ایجنسیاں لگ جائیں تو کہیں نہ کہیں گڑبڑ ہوجاتی ہے۔" میں نے جلال سے کہا "لائن کے سراغ پر تم کسی کو مامور کرو گے یا اول خان کے آدمی کام کرتے رہیں؟"

"میں نامعقول قسم کی دخل اندازیوں کا قائل نہیں ہوں۔" جلال نے جواب دیا "اول خان کی ٹیم کام کررہی ہے وہی کرتی رہے لیکن رزلٹ آج رات ہی مل جائے تو بہتر ہوگا۔"

"میں تمہاری بے چینی کو سمجھ رہا ہوں لیکن یہ کام کل کے لیے ٹال دیا جائے تو بہتر رہے گا۔" میں نے تجویز پیش کی۔

"آج رات اور کل میں کیا فرق ہے؟" اس کی نگاہیں میرے چہرے پر مرکوز ہوگئیں۔"

"چندن یا فون چرانے والے نے کال کے لیے چھ بجے کا وقت دیا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ دن بھر اپنے ٹھکانے سے غائب رہتا ہے۔ چھ بجے ہر حال میں لوٹ آتا ہے اور پھر رات وہیں بسر کرتا ہے۔ دن میں وہ باہر ہوگا۔ ہر چیز کی اچھی طرح دیکھ بھال کرلی جائے گی۔"

"بالکل مناسب تجویز ہے۔ مجھے اس سے پورا اتفاق ہے مگر تاروں کے سہارے یہ تو معلوم ہونا چاہیے کہ وہ نمبر کہاں لیا گیا ہے۔ اس گھریا دفتر کی چھان بین کل دن میں کرلی جائے گی۔"

اول خان کے آدمیوں کو وہ کام سرانجام دینا تھا۔ وہ ہمیشہ ہمہ تن خدمت بنا رہتا تھا۔ اسے کوئی اعتراض نہیں تھا۔ میں خاموش ہوگیا۔

ہم سب نے جلال کو کھانے کے لیے روکنے کی کوشش کی لیکن وہ رکنے پر آمادہ نہ ہوا۔ اس کے پاس ہمیشہ اپنی مصروفیات کا عذر موجود رہتا تھا۔ اس نے کہا کہ اگر فون اور فیکس والا پراسرار معاملہ درپیش نہ ہوتا تو وہ ہمارے ساتھ اتنا وقت نہیں گزار سکتا تھا۔

ہمارے گھر سے اسے نشتر روڈ پر صدف مینشن کی طرف جانا تھا۔ اس نے یہ بتا کر ہم سب کو حیران کردیا کہ وہ ساری رات صدف مینشن کے نمبروں پر دستیاب ہوگا۔

صدف مینشن کی عمارت میری دیکھی بھالی تھی۔ گراؤنڈ فلور پر معقول دفتری سہولیات سے قطع نظر وہ ایک اجاڑ اور آسیبی عمارت تھی جہاں جا بہ جا چھوٹے بڑے قید خانے بنے ہوئے تھے۔ آئی بی والے اس عمارت کو اپنے انٹروگیشن سیل کے طور پر استعمال کرتے تھے۔ وہاں پرانے اور ضدی مجرموں کو قید میں رکھ کر ایسے نفسیاتی اور جسمانی تشدد سے گزارا جاتا تھا کہ نہ چاہتے ہوئے بھی وہ اپنی روح کی گہرائیوں سے سچ اگلنے پر مجبور ہوجاتے تھے۔

"اس قید خانے میں تم ساری رات کیا کرتے رہو گے؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"ضرورت پڑتی ہے تو وہاں دن رات کام ہوتا ہے۔ اس وقت بھی وہاں چند اہم قیدی موجود ہوں گے جن کے اعصاب کسی بھی وقت جواب دے سکتے ہیں۔ ان سے تفتیش کے لیے میرا وہاں موجود ہونا ضروری ہے۔" اس نے خندہ پیشانی کے ساتھ وہ سفاکانہ حقائق بیان کرڈالے۔

"خدا تمہاری حالت پر رحم کرے۔ اعصاب زدہ قیدیوں کی چیخوں میں وہاں گہری نیند سونا بھی دشوار ہے۔"

"یہ زندگی کے روپ ہیں جو پل پل میں بدلتے رہتے ہیں۔" یہ کہہ کر اس نے ہم سب کو الوداع کہا اور روانہ ہوگیا۔

اول خان کا ارادہ تھا کہ سنی کے گم شدہ ٹیلی فون کنکشن کا سراغ لگانے کے لیے وہ خود متعلقہ علاقے میں پہنچ جائے جہاں محکمے کے افراد اس کی مدد کرکے لائن کے دوسرے سرے تک پہنچ سکیں گے مگر میری دانست میں اس کی وہ بھاگ دوڑ غیر ضروری ہوتی۔ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا کہ ٹیلی فون کے محکمے میں کھمبوں پر کام کرنے کے لیے سیڑھیوں کا استعمال متروک ہوچکا تھا۔ لائن مین سائیکلوں پر

Downloaded from https://paksociety.com

سسپنس اور الجھن

کا معروف سلسلہ اب کتابی شکل میں

انبیائے کرام کی سوانحات پر مبنی مضامین

سوانحِ انبیاؑ

قیمت فی حصہ 150 روپے

ڈاک خرچ فی حصہ 25 روپے

خوبصورت سرورق

مضبوط جلد

ضیاء تسنیم بلگرامی کے قلم سے

جب جب اس دنیا میں شیطانی دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوا ہے، کائنات کے مالک نے بدی کی راہ پر چل نکلنے والوں کو سچائی کا راستہ دکھانے کے لئے انسانی اجسام میں ایسی روحوں کو بھیجا ہے جو شیطانی دھاروں کے سامنے چٹان بن کر کھڑی ہوئی ہیں۔

یہ کتاب انہی ارواح مطہرہ کی زندگی کا روزنامچہ ہے، انہی انبیا کی زندگی کا خاکہ ہے، جنہوں نے اندھیروں میں بھٹکتے ہوئے انسانوں کو شمع وحدت کی روشنی دکھائی اور شیطان کے عزائم کو شکست دینے کے لئے اپنی خاکی زندگی کا ہر لمحہ وقف کیا۔

23 انبیائے کرام کی زندگی کے پر لطف، چونکا دینے والے پر از حقائق واقعات، جن کا عام لوگوں کو علم نہیں۔

یہ کتاب "اچھی کتابوں" میں ایک نادر کتاب ہے

قارئین کے پرزور اصرار پر دو حصوں میں شائع کی جارہی ہے

کتاب کی قیمت مع ڈاک خرچ بذریعہ پیشگی منی آرڈر ارسال کریں

کتابیات پبلی کیشنز

رمضان چیمبرز بلمور یا اسٹریٹ آئی آئی چندریگر روڈ

پوسٹ بکس 23

کراچی 74200

فون: 5802552-5895313 فیکس: 5802551

kitabiat1970@yahoo.com

Downloaded from https://paksociety.com

پنے علاقے میں گھومتے رہتے تھے اور جہاں ضرورت ہوتی تھی' جوتے اتار کر بندروں کی طرح کھمبوں پر چڑھ کر اپنا کام پورا کر لیتے تھے۔

ان تکلیف دہ تماشوں میں محکمے کی مالی زبوں حالی کا دخل ہوا نچلے ملازمین کی سہل پسندی کا' ایک بات طے تھی کہ ایسی بشقیں اول خان جیسے بردبار اور متین آدمی کے لیے ممکن نہیں تھیں۔ وہ تکنیکی کام تھا جسے متعلقہ اہل کار خوبی سے نجام دے سکتے تھے۔

اول خان نے ہمارے گھر سے ٹی اینڈ ٹی والے آدمی سے بات کی۔ ٹیلی فون لائن کی ایسی دیدہ دلیرانہ چوری کی شکایت سن کر وہ حیران ضرور ہوا مگر اس نے بتایا کہ شہر میں جھولتے ہوئے تاروں کے درمیان میں کہیں سے لائن کا متوازی طور پر چوری ہونا انوکھا نہیں تھا۔ ایسے واقعات ہوتے رہتے تھے۔

اول خان صبح سے اپنے گھر سے نکلا ہوا تھا۔ دفتر کا چکر لگا کر وہ دوبارہ ہمارے پاس لوٹ آیا تھا۔ اس کی بیوی بچے کراچی میں تھے اور اس کی توجہ کے حق دار تھے۔ جب اس نے اپنے گھر جانے کا ارادہ ظاہر کیا تو کوئی بھی اسے روکنے کی ہمت نہیں کر سکا۔

"خدا کا شکر ہے کہ ایک ایک کر کے دونوں رخصت ہو گئے ورنہ میرا تو دم سوکھ رہا تھا۔" اول خان کے چلے جانے پر ویرا نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔

"ان کی موجودگی سے تمہاری صحت پر کیا اثر پڑ رہا تھا؟" سلطان شاہ نے منہ بنا کر پوچھا۔

"میری شام خراب ہو رہی تھی۔" ویرا نے اپنی بائیں آنکھ دبا کر کہا "شام ہوئی اور رات آ گئی لیکن غضب خدا کا کہ میرے منہ میں ایک بوند بھی نہیں گئی۔ سب بے فکر ہو کر یوں فرصت سے بیٹھے ہوئے تھے جیسے انہیں دنیا میں دوسرا کام ہی نہ ہو۔"

"باتیں کام کے سلسلے میں تھیں۔ یہاں گپ شپ نہیں ہو رہی تھی۔" غزالہ نے اسے تادیب کی۔

"میں اس وقت کسی سے بحث کے موڈ میں نہیں ہوں۔" ویرا نے اٹھتے ہوئے کہا "پینے کے تصور سے ہی مزاج میں بلا کی نرمی اور ملنساری آ جاتی ہے۔" میرے قریب سے گزرتے ہوئے اس نے دانستہ مجھے کندھا مارا اور رک کر سرگوشی کی "تھوڑی دیر کے لیے میرے کمرے میں آ جانا ورنہ میں بھری محفل میں سوالوں کی بھرمار کر دوں گی۔"

وہ میرا جواب سنے بغیر لہراتے ہوئے اپنے کمرے کی طرف بڑھتی چلی گئی۔

"یہ تم سے کیا کہہ رہی تھی؟" سلطان شاہ نے میرے قریب آ کر رازداری سے پوچھا۔

"وہ اول فول بکتی رہتی ہے۔ تم اس کے چکروں میں نہ پڑو۔" میں نے اسے ٹال دیا۔

ہم لوگوں نے کافی لمبا وقت بیٹھ کر گزارا تھا۔ میں اپنی کمر سیدھی کرنے کے لیے کمرے میں جا کر بستر پر دراز ہو گیا۔

معاملات آگے بڑھ رہے تھے لیکن ان کی رفتار سست محسوس ہو رہی تھی۔ شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ ہم لوگ ہاتھ پر ہاتھ دھرے' خیالی گھوڑے دوڑا رہے تھے' موہوم سراغوں کے پیچھے دوڑ رہے تھے۔ مار دھاڑ یا کسی مقابلے کا دور دور تک امکان نظر نہیں آ رہا تھا۔ ساری پیش رفت اطلاعات کے میدان میں ہو رہی تھی۔

میں نے راکے نامعلوم ایجنٹ سے فون پر گفتگو کرتے ہوئے فیکس کے موضوع پر دانستہ بات نہیں کی تھی۔ میں مظہر کے روپ میں جس ذہنی سطح کا مظاہرہ کر رہا تھا' اس کے لیے ایسی دور کی باتیں موزوں نہیں تھیں۔ یہ را والوں کی اپنی صوابدید تھی کہ وہ میرے بھیجے ہوئے اس پیغام کو کس طرح استعمال کرتے۔

بستر پر لیٹے لیٹے مجھے یہ بھی یاد آیا کہ اول خان نے اپنے آدمیوں سے سی کے دفتر کی نہ صرف خیر خبر لے لی تھی بلکہ تلاشی تک لے ڈالی تھی لیکن چندن کے فلیٹ کی نگرانی کرنے والوں کی طرف سے کوئی اطلاع نہیں ملی تھی کہ سات بجے وہاں کی کیا صورت حال تھی۔

سوچتے سوچتے مجھے غنودگی کی لہر نے آ لیا لیکن میری وہ کیفیت زیادہ دیر تک برقرار نہ رہ سکی۔ کسی نے میرے داہنے پیر کا انگوٹھا جھنجھوڑ کر مجھے بیدار ہونے پر مجبور کر دیا۔ میں نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھولیں تو میرے پیروں کے قریب ویرا کھڑی دل آویز انداز میں مسکرا رہی تھی۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے۔" میں نے غرا کر کہا "کسی کے بیڈ روم میں یوں گھس آنا بہت بے ہودہ حرکت ہے۔"

"غزالہ تمہارے ساتھ اس کمرے میں بند ہوتی تو میں ہرگز اندر نہ آتی۔ وہ اپنے بے بی فرینڈ کے ساتھ باہر بیٹھی ٹی وی دیکھ رہی ہے۔" ویرا پر میری پھٹکار کا کوئی اثر نہیں ہوا۔

"تم یہاں کیوں آئی ہو؟ کیا چاہتی ہو؟" میں نے کہنیوں کے بل اٹھ کر پوچھا۔

"غزالہ اور سلطان شاہ نے ٹیلی وژن کے سامنے اپنی جو ڑی بنائی ہوئی ہے۔ میں اکیلی بور ہو رہی ہوں۔ تھوڑی دیر

Downloaded from https://paksociety.com

کے لیے میرے کمرے میں آجاؤ تو باتیں کریں گے۔"

میں اسے سخت سست کہنے والا تھا کہ مجھے اس کی دھمکی یاد آگئی۔ میں اس کے کمرے میں نہ جاتا تو غزالہ کے سامنے میری اور رینا کی ویڈیو فلم کا ذکر چھیڑ کر میرے لیے خاصی خفت اور پریشانی کا سامان پیدا کرسکتی تھی۔

"چلو!" میں نے برہمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایک جھٹکے سے بستر چھوڑ دیا۔

"اپنی نشیلی آنکھوں پر تھوڑا سا ٹھنڈا پانی مارلو تو تمہارے دماغ کی گرمی کم ہوجائے گی۔" اس نے کمرے سے نکلتے ہوئے مشورہ دیا۔

میں ویرا کے مشورے کو ٹھکرا کر اسی حالت میں جانے پر آمادہ تھا لیکن پھر مجھے خیال آگیا کہ اس کی بے سروپا باتوں پر غصہ دکھا کر میں اپنے آپ کو نقصان پہنچا رہا تھا۔ اس کا بہترین علاج یہ تھا کہ اسے ہنس ہنس کر سلگایا جائے۔

میں رخ بدل کر باتھ روم میں گھس گیا۔ میرا ارادہ منہ دھونے کا تھا لیکن ہتھیلیوں پر ٹھنڈے پانی کا لمس محسوس کرکے طبیعت غسل پر مائل ہوگئی۔

میں تازہ دم ہوکر غسل خانے سے نکلا تو میرا موڈ تبدیل ہوچکا تھا۔ میں نے ڈرائنگ روم کے سرے پر رک کر غزالہ اور سلطان شاہ سے کچھ چھیڑ چھاڑ کی اور پھر ویرا کے کمرے میں داخل ہوگیا۔

"تم آتے ہو تو مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ میری کھوئی ہوئی توانائیاں واپس لوٹ رہی ہیں۔" ویرا نے مسکرا کر کہا۔

"تمہاری کوئی توانائی کہیں نہیں کھوئی۔ بس کبھی کبھی حواس کھو جاتے ہیں۔ آج زیادہ نہ پی لینا۔"

اس نے مجھے جواب نہیں دیا۔ خاموش بیٹھی اپنے گلاس سے کھیلتی اور کچھ سوچتی رہی۔

"بت کی طرح خاموش کیوں بیٹھی ہو۔ میں یہاں تمہارا رخ روشن دیکھنے کے لیے نہیں آیا۔ بلایا گیا ہوں۔" میں نے جل کر اسے ٹوکا۔

"ہم لوگ جس سمت میں جارہے ہیں، تم اس سے مطمئن ہو؟" اس کی زبان سے وہ گہرا اور سنجیدہ سوال سن کر میں حیران رہ گیا۔

"شروع سے ہماری سمت ایک ہی ہے۔ اس میں اب تک کوئی تبدیلی نہیں آئی۔" میں نے بھی سنجیدگی سے کہا۔

"یہ تمہاری غلط فہمی ہے۔ پہلے ہم اپنے طور پر کام کرتے تھے۔ اول خان ہمارا معاون اور تمہارا دست راست ہوا کرتا تھا لیکن رفتہ رفتہ اور شاید بہت غیر محسوس طریقے سے یہ سب بدلتا جارہا ہے۔ اپنی ابتدا کے مقابلے میں آج ہمارا رخ بہت زیادہ بدلا ہوا ہے۔"

"یہاں کوئی تیسرا نہیں ہے۔ پہیلیاں بجھوانے کے بجائے کھل کر بات کرو۔" میں نے الجھ کر اسے مشورہ دیا۔

"میرا احساس ہے کہ اب ہم دو پاکستانی ایجنسیوں کے آلہ کار بن چکے ہیں۔ ایک طرف ایس ٹی ایف ہے اور اب آئی بی کے ضابطے جگہ جگہ ہماری راہ روک رہے ہیں۔"

"ایسا نہیں ہے۔ وہ لوگ ہمیں مشورے دیتے ہیں۔ اپنی وسیع تر معلومات کی روشنی میں رہنمائی فراہم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہمارا راستہ کبھی نہیں روکتے۔"

"تم میری طرح واقعات کا تنقیدی جائزہ نہیں لیتے اس لیے ان خوش فہمیوں میں مبتلا ہو۔"

"میرا خیال ہے کہ تم اپنی دلیل کے حق میں ایک بھی مثال نہیں دے سکتیں۔" میں نے وثوق سے کہا۔

"جان ایش کوف کی تازہ ترین مثال تمہارے سامنے ہے۔ ہم اسے جہنم واصل کردینا چاہتے تھے۔ جلال نے ہمیں روک دیا۔ ویرا نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا "اسے تم کیا کہو گے؟ اب ہم قدم قدم پر اس کی اجازت کے محتاج ہوتے جارہے ہیں۔"

"ہم اب بھی اپنی من مانی کرسکتے ہیں۔ وہ حکومتی حلقوں کا قریبی آدمی ہے۔ اس نے ہمیں یہ سمجھانا چاہا تھا کہ جان یا کسی اور اہم امریکی کو مار کر ہم پاکستان کی کوئی خدمت نہیں کریں گے بلکہ سنگین مسائل کھڑے کردیں گے۔ ہمارا نصب العین اس ملک کی سربلندی ہے۔ ہم نے اس کی بات مان لی۔"

"تم نے اسے چھوڑ دیا لیکن کوئی عام بدمعاش اسے گولی ماردیتا تو تم یا حکومت کیا کرلیتی؟"

"قیاس آرائیوں کی کوئی انتہا نہیں ہوتی۔ اپنے خیالی گھوڑوں کو لگام دو۔ بدمعاش کسی کو بلاوجہ نہیں مارتا۔ مارتا ہے تو سولی پر بھی لٹک جاتا ہے۔ جلال ہمارے ایسے انجام سے خوف زدہ ہے اسی لیے ہمیں سمجھاتا اور روکتا رہتا ہے۔ تم دیکھ لو کہ جان اسمتھ دہلی میں مارا گیا اور امریکی اس کے قاتل کو یہاں تلاش کررہے ہیں۔"

ویرا اپنے گلاس سے اسکاچ کا ایک گھونٹ لے کر ہنس پڑی "امریکی کچھ نہیں کررہے۔ وہ بزدل ہیں۔ ڈر کر بھاگ گئے اور تلاش کا طوق تمہاری پولیس کے گلے میں ڈال گئے۔"

"جان بھاگا ہے۔ اس کا چیف کلرک، لیری اب بھی

Downloaded from https://paksociety.com

کراچی میں موجود ہے۔"

"لیری کراچی میں ہے۔" ویرا کی آنکھیں چمک اٹھیں "تو ہم اس کو کیوں نہیں رگڑ دیتے۔"

"اس وقت ہماری توجہ راپر مرکوز ہے۔ فی الحال لیری کو بھولی رہو۔ وقت آنے پر اس کے بارے میں بھی بات ہوجائے گی۔"

"ایسے لوگ بار بار تمہارے نشانے پر نہیں آئیں گے۔ سی آئی اے میں چیف کلرک کا عہدہ بہت اہم ہوتا ہے۔" ویرا نے مجھے سمجھانا چاہا۔

"نہیں ویرا۔ ایسا نہیں ہوگا۔ یہ کھلی دہشت گردی ہوگی۔ اگر تم لیری کو صرف اس لیے مار دینا چاہتی ہو کہ وہ سی آئی اے میں چیف کلرک ہے تو پھر کون محفوظ رہے گا۔ ہر ممتاز امریکی تمہارے نشانے پر ہوگا۔ ہماری لڑائی ان سے ہے جنہوں نے ہم کو ڈسا ہے۔"

ویرا کی پیشانی پر بل آگئے۔ "پھر تم نے جان ایلش کوف کو اسی نظریے کے تحت چھوڑا ہے۔ اس کے عزائم زہریلے ہیں مگر اس نے ابھی تک پاکستان کو عملی طور پر کوئی نقصان نہیں پہنچایا۔ تمہارے لیے یہ اس کی بے گناہی بلکہ معصومیت کا سب سے بڑا ثبوت ہے۔"

"اب تم طنز کلامی پر اتر آئیں۔ وہ مجھے زندہ یا مردہ پکڑنا چاہتا ہے۔ میرا دشمن ہے میں بھی اس کا دوست نہیں بن سکتا۔"

اس نے اپنے گلاس سے ایک گھونٹ اور لیا پھر بولی "چھوڑو.... یہ بات بہت دور نکل جائے گی۔ یہ بتاؤ کہ تمہاری ویڈیو فلم کا کیا چکر ہے۔ اتنی اہم بات تم نے آج تک مجھ سے چھپائی ہوئی تھی۔"

مجھے خوشی ہوئی کہ ایجنسیوں کے آلہ کار بننے والی بات اس کے ذہن سے نکل گئی تھی۔ اس میں سب سے بڑی خوبی یا خامی یہی تھی کہ وہ جس موضوع پر اپنی بات منوانے میں ناکام ہوجاتی تھی' اسے جھٹ بدل دیتی تھی تاکہ اسے زیادہ خفت کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ خفت یا ندامت سے اس کی انا پسندی مجروح ہوتی تھی۔

"اس میں چھپانے والی کوئی بات نہیں تھی۔ فلم ان کے قبضے میں ہوتی تو میں ضرور اس کا ذکر کرتا۔ ایک چیز جو بھڑکتی ہوئی آگ میں جل کر راکھ ہوگئی' اس کا ذکر کرنا بے سود ہے۔"

"یہ رینا اجیت رائے کون تھی؟" ویرا کے سینے میں تجسس اور اشتیاق کی آگ بھڑک رہی تھی۔

"ایک خوب رو اور بے کس لڑکی تھی جو اپنی بیمار ماں کے علاج کی خاطر را کے بھیڑیوں کے ہتھے چڑھ گئی تھی۔"

"خاصی خوب صورت تھی؟" ویرا نے اپنا گلاس خالی کرکے پوچھا۔

"خاصی سے بھی کچھ زیادہ!" میں نے غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا "تم اندازہ لگا سکتی ہو کہ میں کیسے امتحان سے گزرا ہوں گا۔"

"مجھ سے بے پر کی ہانکنے کی کوشش نہ کرو۔ میں تمہاری رگ رگ سے واقف ہوں۔ تم شروع سے ہی عاشق مزاج ہو۔"

"بلاوجہ کی الزام تراشی نہ کرو۔" میں نے ترشی سے کہا "تم میرے کتنے معاشقوں سے واقف ہو؟"

"تم اب سدھرنے کی کوشش کررہے ہو تو اتنے پارسا نہ بنو۔ اپنے بارے میں تم میرے تجربات کو نہیں جھٹلا سکتے۔"

وہ سچ کہہ رہی تھی۔ اس کو جھٹلانا ناممکن تھا۔ میں اسے یہ نہیں بتا سکتا کہ میں نے شی میں اپنا مقام برقرار رکھنے کے لیے اس کی خواہشات کے سامنے سر تسلیم خم کیا تھا۔ اسباب کچھ بھی رہے ہوں' ویرا کے معاملے میں میرا دامن صاف نہیں تھا۔

"کیا تمہیں ان تلخ باتوں کے سوا کچھ نہیں سوجھتا؟" میں نے بے چارگی سے پوچھا۔

"میں تو رنگین باتیں کررہی تھی۔ اس میں تلخی تم نے گھولی ہے۔" اس نے مجھے آنکھ مار کر والہانہ انداز میں کہا "اب سچ سچ بتادو کہ رینا کا کیا قصہ تھا۔"

"وہ آگ اور تیل کا کھیل تھا۔ میرا خیال تھا کہ وہ خلوت میں بھی مجھے نہیں بہکا سکے گی مگر وہ را کی تربیت یافتہ تھی۔ شکار کو اپنے شکنجے میں کسنے کے فن میں طاق تھی۔ جب تیل اوپر سے نیچے بہہ رہا ہو تو ڈھلان میں دم توڑتے ہوئے انگارے بھی یکایک بھڑک اٹھتے ہیں۔ میں یکایک کمزور لمحوں میں گھر کر رہ گیا۔"

"اور پوشیدہ کیمروں نے تمہاری اور رینا کی فلم بنالی؟" ویرا نے مخمور اور دھیمی آواز میں پوچھا۔

"لاحول ولا قوۃ!" میں نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا اور جھلائے ہوئے انداز میں کہا "ہاں' انہوں نے فلم بندی کرلی۔ بعد میں رینا نے یہ بات خود مجھے بتادی۔ جب دوسرے ذرائع سے اس کی تصدیق ہوگئی تو میں نے وہ فلم نیست و نابود کردی۔"

"رینا کو اپنے محکمے کا راز تم کو بتانے کی کیا ضرورت

Downloaded from https://paksociety.com

تھی؟" میری برہمی بھی اس کا تجسس دور نہ کر سکی۔

"تم اتنی باریکیوں میں جاؤ گی تو یہ کہانی کئی دنوں تک ختم نہیں ہوگی۔ میں نے اسے شیشے میں اتار لیا تھا۔ وہ لڑکی میرے بہت کام آئی ہے۔"

"رینا اجیت رائے!" ویرا نے سختی سے دہرا دیا "اس وقت میرے دل میں رقابت کے شعلے بھڑک رہے ہیں۔ میرے بس میں ہوتا تو میں اسی وقت دہلی پہنچ کر اس کمینی کا چہرہ لہولہان کر دیتی۔ اسے تمہارے قریب آنے کی ہمت کیسے ہوئی۔"

میں اس کے لب و لہجے پر یکایک سنبھل گیا۔ مجھے معاملے کی نزاکت کا احساس ہو چکا تھا۔ اس وقت وہ ویرا نہیں رہی تھی۔ اس کے وجود میں سوئی ہوئی 'انا پرست اور منتقم مزاج بلیک کوئن جھرجھری لے کر بیدار ہو چکی تھی۔ بلیک کوئن اپنے پسندیدہ مرد پر کبھی کسی اور لڑکی کا سایہ پڑنا پسند نہیں کرتی تھی۔

"میرے معاملے میں اس کی پسند یا مرضی کا کوئی دخل نہیں تھا۔ اس کے بڑوں نے اسے حکم دے کر میری طرف دھکیلا تھا۔ وہ اپنا فرض پورا کر رہی تھی۔"

"میں نے اس لڑکی کا نام اپنے دل پر نقش کر لیا ہے۔" ویرا نے خلا میں تکتے ہوئے خواب ناک آواز میں کہا "جب بھی موقع ملا' میں اس لڑکی کو نہیں بخشوں گی۔"

مجھے اندازہ ہو گیا کہ ویرا اداکاری نہیں کر رہی تھی۔ میرے اور رینا کے بارے میں کوئی بات جان کر اسے شدید ذہنی جھٹکا لگا تھا اور وہ اپنے حواس میں نہیں رہی تھی۔ میں تیزی سے اپنی جگہ چھوڑ کر صوفے پر اس کے برابر میں جا بیٹھا۔

ویرا نشے میں ہرگز نہیں تھی لیکن اس وقت اس کی گھنی پلکیں آنکھوں پر جھکی پڑ رہی تھیں۔ گلابی ہونٹ بار بار اس کی نیلگوں آنکھوں کو اپنے پیچھے چھپانے کی کوشش کر رہے تھے۔ اپنے شانے پر میرے ہاتھ کا دوستانہ دباؤ محسوس کر کے ویرا نے پوری کوشش سے آنکھیں کھول کر میری طرف دیکھا۔ ایک آسودہ سی بے ساختہ مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر تیر گئی۔ اس نے اپنی آنکھیں بند کر کے اپنا سر میرے شانے سے ٹکا دیا۔

چند منٹ تک ہم دونوں اسی طرح بے حس و حرکت بیٹھے رہے۔ بس میں اپنے بازو پر اس کے دل کی دھڑکنیں محسوس کر رہا تھا۔ بالکل ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے ویرا مجھ سے باتیں کرتے کرتے کسی ٹرانس میں چلی گئی ہو۔

اس نے کسمسانا شروع کیا اور پھر آنکھیں کھول دیں۔

اس وقت ویرا کے دائیں ہاتھ میں تھما ہوا خالی گلاس اس کی گود میں تھا۔ اپنے ٹرانس سے باہر آتے ہی اس نے غیر ارادی طور پر اپنا داہنا ہاتھ اٹھایا اور خالی گلاس پر نگاہ پڑتے ہی تھکے ہوئے انداز میں ہنس پڑی "اوہ! گلاس خالی ہو گیا۔ مجھے کیا ہوا تھا؟ تم میرے پہلو میں کیوں بیٹھے ہوئے ہو؟"

ویرا کو کچھ یاد نہیں تھا کہ پچھلے چند منٹوں میں وہ کس کیفیت سے گزری تھی۔ وہ اس پر ٹیزو فرینیا کا واضح حملہ تھا جس کا مظاہرہ میں نے پہلی بار دیکھا تھا۔ وہ دہری شخصیت کی مریضہ تھی یا شدید ڈیپریشن اور صدمے کے باعث اس ذہنی حملے کا شکار ہو گئی تھی۔

"تمہیں کچھ نہیں ہوا تھا۔ تم نے فرمائش کی' میں تمہارے پہلو میں آ بیٹھا اور تم میرے شانے پر سر رکھ کر ذرا اونگھ گئیں۔"

"ہم کیا باتیں کر رہے تھے۔" اس نے اپنے ذہن پر زور دینے کی کوشش کرتے ہوئے کہا "شاید تمہاری اور رینا کی ویڈیو فلم کی بات ہو رہی تھی۔"

"میں نے تمہیں ہر بات بتا دی تھی۔ تم ایس ٹی ایف کے بارے میں کچھ کہہ رہی تھیں۔" میں نے اس سے الگ ہوتے ہوئے بتایا۔ میں رینا کی طرف سے اس کا ذہن ہٹانا چاہ رہا تھا۔ مجھے ڈر تھا کہ وہ اس حسین بھارتی جاسوسہ کے بارے میں سوچتی رہی تو دوبارہ صدمے سے دوچار ہو جائے گی۔

"ہاں' ہم پہلے آزاد تھے جو چاہتے تھے کر گزرتے تھے۔ میں کہتی ہوں کہ اب ان ایجنسیوں سے اپنا پیچھا چھڑاؤ۔"

"تمہاری باتیں سمجھ میں آنے والی ہیں۔ دوسروں سے مشورہ کر کے کوئی قدم اٹھاؤں گا۔ اچانک کنارہ کشی مناسب نہیں ہوگی۔"

اسی وقت دروازے پر تیز دستک ہوئی اور میں ہڑبڑا کر اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔ اگلے ہی لمحے سلطان شاہ کمرے کا دروازہ کھول کر اندر آ چکا تھا۔

"اول خان کا فون ہے۔ وہ تم سے بات کرنا چاہ رہا ہے۔" سلطان شاہ نے اطلاع دی اور میں بلا توقف دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

میں ڈرائنگ روم میں پہنچا تو غزالہ فون پر مصروف تھی۔ مجھے دیکھتے ہی اس نے ریسیور میری طرف بڑھا دیا۔

"ہاں خان! کیا خبریں ہیں۔" میں نے ریسیور کان سے لگاتے ہی پوچھا۔

"سب ٹھیک ہے۔ [illegible]" دوسرے کان میں اول خان کی

Downloaded from https://paksociety.com

جو شیلی آواز آئی "اس کام میں ٹی اینڈ ٹی کا کوئی آدمی بھی چندن کا شریک ہے۔ سنی والے پول میں فون کی لائن غائب ہے۔ اس لائن کو کیبنٹ سے ہی چندن کے گھر کی طرف موڑ دیا گیا ہے۔"

"تمہیں پورا یقین ہے کہ یہ اطلاع درست ہے!" میں نے مضطربانہ انداز میں پوچھا۔

"چندن کے گھر کے قریبی کھمبے سے انسٹرومنٹ لگا کر دیکھا گیا ہے۔ سنی کے دفتر کے نمبر پر کی جانے والی کال کی گھنٹی وہاں بج رہی ہے۔"

"پھر چندن کو اس کے گھر سے اسی وقت اٹھالینا چاہیے۔ اسے مہلت مل گئی تو کام بگڑ سکتا ہے۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ میرا خیال ہے کہ کوئی قدم اٹھانے سے پہلے اچھی طرح سوچ سمجھ لو۔ چاہو تو تم جلال سے بھی مشورہ کرسکتے ہو۔"

میرے ذہن میں ویرا کے کہے ہوئے الفاظ گونج اٹھے اور میں نے چڑ کر کہا "تم ہر بات میں جلال کو درمیان میں کیوں لانے لگے ہو۔ وہ اپنی مجبوریوں اور مصلحتوں کا پابند ہے۔ یہ ایک سفارت کار کا معاملہ ہے۔ وہ اوپر سے کلیرنس کے بغیر کوئی کارروائی نہیں ہونے دے گا....."

"تم بھول رہے ہو کہ وہ خود بھی چندن کی طرف سے بہت مشتعل ہے۔" اول خان نے میری بات کاٹ کر کہا۔

"ایک سرکاری ملازم کا ذاتی اشتعال اس کی ذات تک محدود رہتا ہے۔ وہ اپنے محکمے کا ڈسپلن توڑ کر پالیسی کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھائے گا۔ میں اسے جانتا ہوں۔ وہ ایک مثالی سرکاری ملازم ہے۔ اس وقت ہمیں روک دے گا۔"

"اس نے جان کے معاملے میں بھی شکوا کیا تھا۔" اول خان نے دبی زبان سے کہا "وہ ہم سے ناراض ہوسکتا ہے۔"

"میں اسے سنبھال لوں گا۔ تم یہاں آجاؤ۔" میں نے خشک لہجے میں کہا اور فون بند کردیا۔

"یہ کوئی اچھی بات نہیں ہے کہ تم جلال کو نظرانداز کردو گے۔" سلطان شاہ نے کہا جو میرے پیچھے آکھڑا ہوا تھا۔

"میں اسے نظرانداز نہیں کررہا' مشکلات سے بچا رہا ہوں۔ ہم اس سے جان ایش کوف کے بارے میں مشورہ کرتے تو وہ ہمیں ہرگز آگے نہ بڑھنے دیتا۔ تم نے دیکھا کہ بعد میں وہ ہمارے اقدام پر خوش تھا۔ اس کی بے خبری ہمارے اور اس کے لیے سودمند ثابت ہوئی۔"

"بار بار ایسا نہیں ہوسکتا۔ آپ اس سے مشورہ نہ لیں۔ اسے اپنے ارادے سے آگاہ کردیں تاکہ وہ چندن کے اٹھائے جانے کے بعد پیش آنے والے حالات کے بارے میں کوئی مناسب منصوبہ بندی کرسکے۔" غزالہ نے سلطان شاہ کی تائید کرتے ہوئے کہا "اپنے فیصلوں کے لیے آپ اس کے مشوروں کے پابند نہیں ہیں۔"

غزالہ نے بہت معقول رائے دی تھی۔ ہم لوگوں سے قریبی مراسم کے حوالے سے یہ جلال کا حق بنتا تھا کہ اسے کسی اہم پیش رفت سے قبل از وقت یا کم از کم بروقت آگاہ کردیا جائے۔ میں نے اسے فون کرنے کے ارادے سے ہاتھ بڑھایا تھا کہ فون کی گھنٹی بجنے لگی۔

میں نے ریسیور اٹھایا تو دوسری طرف سے جلال میری مزاج پرسی کررہا تھا۔

"بہت لمبی عمر ہے تمہاری۔" میں نے بے ساختہ ہنستے ہوئے کہا "ابھی تمہارا ذکر خیر ہورہا تھا۔ میں نے تمہیں فون کرنے کا ارادہ کیا اور ادھر تمہارا فون آگیا۔"

"یار! میں اپنے چکروں میں کچھ زیادہ ہی الجھ گیا ہوں لیکن تمہاری بھی فکر ہے۔ وہ فون والے معاملے کی رپورٹ ملی یا نہیں۔"

"لائن چندن کے گھر میں جارہی ہے۔ میں نے اسی وقت اسے اٹھالینے کا فیصلہ کرلیا ہے۔" جلال کے کہنے سننے سے پہلے میں نے اسے اپنے ارادے سے آگاہ کردیا۔

"اسے اٹھالو۔" جلال کے وہ الفاظ سن کر میرا دل خوشی سے اچھل پڑا۔ وہ کہہ رہا تھا "یہ نازک سفارتی معاملہ ہے۔ میں اپنے ہاتھ صاف رکھنا چاہتا ہوں۔ میرا کوئی آدمی ادھر نہیں پھٹکے گا۔ میری مانو تو اول خان اور اس کے آدمیوں کو بھی الگ تھلگ رکھو۔ اس کام میں کسی ایجنسی کا نام نہیں آنا چاہیے۔"

جلال کے وہ الفاظ ہولناک تھے۔ وہ چندن کے قصے کو ریکارڈ سے دور رکھنا چاہتا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ چندن کی رہائی کا کوئی امکان نہیں تھا۔ اسے قید میں رہنا تھا یا اپنے جرائم کی پاداش میں عبرت ناک موت کے گھاٹ اتر جانا تھا۔

"یہ کام میں خود کروں گا۔" میں نے چند لمحوں کے سکوت کے بعد جواب دیا "مگر میرے پاس کوئی ٹھکانا نہیں ہے۔ اسے اس کی کمین گاہ سے نکالنے کے بعد میں اسے خان کے ہی حوالے کروں گا۔ وہاں اس کی بہترین خاطر تواضع ہوتی رہے گی۔"

"چندن بہت خطرناک آدمی ہے۔ اس نے کوئی نیا گل کھلایا ہے۔ وہ کسی رعایت کے قابل نہیں ہے۔"

"کیا کوئی مسئلہ کھڑا ہوگیا ہے؟" میں نے چونک کر

Downloaded from https://paksociety.com

پوچھا۔

"رات آٹھ بجے اطلاع ملی ہے کہ لیری کل صبح جلد از جلد ایجنسیوں کے نمائندوں سے ملنا چاہتا ہے۔ اس کی خواہش ہے کہ اس بار ایس ٹی ایف کے نمائندے کو بھی اجلاس میں شامل کیا جائے کیونکہ اسے ڈیٹی اور مظہر کے بارے میں کچھ نئے شواہد ملے ہیں۔"

"لیری!" میں نے حیرت سے دہرایا "کیا سی آئی اے کا یک چیف کلرک ایسی کسی ملاقات کی خواہش کرنے کا حق رکھتا ہے۔"

"حق کسی کو بھی نہیں ہے۔ اس نے رسمی طور پر درخواست کی ہوگی۔ یہ حالات کی ستم ظریفی ہے کہ ہم ان لوگوں کی درخواست کو بھی اہمیت دینے پر مجبور ہیں۔ میرا بس چلے تو میں ذاتی طور پر اس ملاقات سے صاف انکار کردوں۔ ویسے امریکی پروٹوکول میں کلرک کا عہدہ خاصا اہم ہوتا ہے۔"

"تو انکار کیوں نہیں کردیتے۔" میں نے دانستہ وہ سوال کر ڈالا۔

"سول سرونٹ کی ذات کچھ نہیں ہوتی۔ وہ حکم کا بندہ ہوتا ہے۔ یہ اجلاس کل گیارہ بجے کراچی میں ہونا ہے اور میں یہاں موجود ہوں اس لیے مجھ کو اپنے محکمے کی نمائندگی کے لیے نامزد کیا گیا ہے۔ بقیہ لوگ بھی شاید وہی ہوں گے جو اپنے پر فریب دشمنوں کو اچھی طرح پہچانتے ہیں۔" جلال کے جواب میں اس کے اندر کا کرب پنہاں تھا۔

"ایس ٹی ایف کی طرف سے کون آئے گا؟" میں نے پوچھا۔

"کوئی بھی آسکتا ہے۔ یہ اسلام آباد والوں کی مرضی پر منحصر ہے۔" اس کے جواب سے بیگانگی مترشح تھی۔

"جان نے لیری کو جان بوجھ کر یہاں چھوڑا ہے تاکہ اس کے اشاروں پر وہ تمہیں ستاتا رہے۔"

"معلوم یہی ہوتا ہے۔ اجلاس کا چکر اچانک کھڑا ہوا ہے۔"

"ایس ٹی ایف غیر آئینی تنظیم ہے۔ اس کے نمائندے کس حیثیت میں آسکتے ہیں؟"

"یہ پہلے بھی ہوچکا ہے۔ اجلاس آف دی ریکارڈ ہوگا۔ ریکیوں کو ٹیکنالوجی میں ایسی برتری حاصل ہے کہ انہوں نے بہت سی قوموں کو زچ کیا ہوا ہے۔ وہ دوستی کا احسان جتا کر ایس ٹی ایف کا نام نہیں اچھالتے ورنہ اس کے وجود اور کرتوتوں سے خاصی حد تک باخبر ہیں۔"

"پھر معلوم ہوتا ہے کہ قرعہ فال اپنے خان کے نام ہی نکلے گا۔ اس سے ابھی ابھی میری بات ہوئی ہے۔ وہ اجلاس سے بے خبر ہے۔"

"اگر اسے شریک ہونا ہے تو آج رات کسی ذریعے سے اسے پیغام مل جائے گا۔"

"تم نے ابھی تک یہ نہیں بتایا کہ چندن اور کل کے اجلاس میں کیا تعلق ہوسکتا ہے؟"

"ابھی میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ یہ میری چھٹی حس کہہ رہی ہے۔ صبح تم نے چندن کو فیکس بھیجا اور شام کو لیری نے مشترکہ اجلاس کا مطالبہ پیش کردیا۔ یہ اتفاق نہیں ہوسکتا۔ ان دونوں باتوں میں کوئی نہ کوئی چیز مشترک ضرور ہے۔"

"اجلاس کو تم دیکھ لینا۔ میں چندن کی خبر لیتا ہوں۔" میں نے کہا۔

"جو کچھ بھی ہوتا ہے، مجھے باخبر ضرور رکھنا۔ آج میری رات صدف مینشن میں ہی کالی ہوگی۔"

"سارا قصہ ہی نمٹ گیا۔" میں نے غزالہ اور سلطان شاہ کو خوش خبری سنائی "وہ میرا فیصلہ سن کر خوش ہوگیا۔ ہم چندن کو اٹھائیں گے۔"

"وہ چندن کی گرفتاری میں مدد نہیں دے گا؟" ویرا نے پوچھا جو میری بات سنتی ہوئی ڈرائنگ روم میں آگئی تھی۔

"وہ الگ رہے گا۔ اس کے مشورے پر اول خان کو بھی دور رکھا جائے گا۔" میں نے ان لوگوں کو مزید خوش خبری سنائی۔

ایک مرتبہ پھر سرگرمی سے باتوں کا سلسلہ چل نکلا۔ اس وقت تک ویرا اپنے جذباتی بحران پر قابو پاکر نارمل ہوچکی تھی۔ اس نے زیادہ شراب نہیں پی تھی اور کمزوری کے کسی اظہار کے بغیر پوری سرگرمی سے گفتگو میں حصہ لے رہی تھی۔

وہ تینوں میری اور جلال کی کہی ہوئی ہر بات جان لینے کے خواہش مند تھے کیونکہ اس بات چیت نے جلال کی طرف سے میرا دل کسی آئینے کی طرح صاف کردیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد اول خان بھی تیسری مرتبہ ہمارے گھر آپہنچا۔ اسے میری اور جلال کی گفتگو کا علم نہیں تھا اس لیے وہ ماحول میں گھٹن اور تلخی کی امید لے کر آیا تھا۔ اس نے ہم چاروں کو خلاف توقع ہشاش بشاش پایا تو اس کی آنکھوں میں حیرت تیرنے لگی۔

بعد میں اسے یہ جان کر ازحد خوشی ہوئی کہ جلال نے میرے فیصلے کی مکمل توثیق کردی تھی۔ اس کی حد سے بڑھی

Downloaded from https://paksociety.com

ہوئی خوشی کو اعتدال میں لانے کے لیے جب میں نے اسے یہ بتایا کہ وہ ہم سے دور رہے گا تو اس کا منہ لٹک گیا۔ عملی کاموں میں بھرپور حصہ لے کر اسے ہمیشہ عجیب سی آسودگی ملتی تھی۔

"پھر اب تمہارا کیا پلان ہے؟" سب کچھ سن لینے کے بعد اول خان نے پوچھا۔

"میں سلطان شاہ کو اپنے ساتھ لے کر جاؤں گا۔ اس سے پہلے مجھے تمہاری بریفنگ کی ضرورت ہوگی۔" میں نے کہا۔

"تم مجھے اس آپریشن سے دور رکھ سکتے ہو لیکن میری فورس کے جوانوں کو ہر وقت اپنی دسترس میں پاؤ گے۔" اس نے فخر سے بتایا "اس وقت بھی میرے دو آدمی چندن کے گھر سے دور رہ کر اس کی نگرانی کر رہے ہیں۔ عام طور پر وہ گھر میں اکیلا رہتا ہے مگر آج اس کے پاس ایک لڑکی آئی ہوئی ہے۔ گھر میں ان کے سوا کوئی تیسرا فرد نہیں ہے۔"

"تمہارے وہ دونوں آدمی وہاں سے کب لوٹیں گے؟" میں نے سوال کیا۔

"وہ صبح آٹھ بجے آنے والوں سے اپنی ڈیوٹی بدلیں گے۔ میں ابھی انہیں احکام دیے دیتا ہوں۔ وہ تمہارے کام میں کوئی مداخلت نہیں کریں گے۔"

"جلال تجربہ کار آدمی ہے۔ اس کا مشورہ ہے کہ ان اطراف میں کسی ایجنسی کا کوئی آدمی موجود نہیں ہونا چاہیے۔"

"جلال کے بارے میں یہی بات میں نے کہی تھی تو تم ناراض ہو گئے تھے ذرا سی دیر میں تمہاری سوچ میں تبدیلی کیسے آگئی۔" اول خان نے ہنس کر پوچھا۔

"اس کے بارے میں میری سوچ ہمیشہ بہت اچھی رہی ہے۔" میں نے ویرا کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا "اس وقت کسی نے میرے دماغ میں زہر بھر دیا تھا۔"

"میں اس کے دیے ہوئے مشورے کو رد نہیں کر سکتا مگر اتنا ضرور کہوں گا کہ ان دونوں کو نہ چھیڑو۔ وہ تمہارے پیچھے پیچھے وہاں سے لوٹ جائیں گے بلکہ تم چاہو تو یہ بندوبست بھی ہو سکتا ہے کہ تم راستے میں کہیں رک کر چندن کو ان کے حوالے کر دو۔ ان کے پاس نئی کرولا موجود ہے۔"

"جب انہیں تماشائی بنا رہنا ہے تو ان کی موجودگی کی کیا افادیت ہے۔" میں نے اس کی تجویز کو نظر انداز کرتے ہوئے سوال کیا۔

"خدانخواستہ عین وقت پر کوئی گڑبڑ ہو گئی تو وہ تمہاری مدد کر سکیں گے۔" اول خان نے پورے خلوص سے کہا اور میں نے اس کی بات مان لی۔

ہم لوگوں کو کراچی میں ایک ساتھ کوئی بڑی مہم سر کیے ایک عرصہ ہو چکا تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ اس موقع پر ویرا ہمارے ساتھ چلنے کی ضد کرے گی لیکن وہ کچھ مضمحل سی ہو رہی تھی۔ اس نے اس موضوع پر ایک لفظ بھی نہیں کہا اور ہم تینوں سر جوڑ کر پروگرام طے کرنے لگے۔

"اس چکر میں تم اول خان کو لیری والے اجلاس کے بارے میں بتانا بھول گئے۔" سلطان شاہ نے مجھے یاد دلایا اور میں اول خان سے معذرت کر کے اس نئے مسئلے کے بارے میں بتانے لگے۔

جلال سمیت کوئی بھی اس اجلاس سے خوش نہیں تھا۔ اول خان کا خیال تھا کہ امریکی اس حکمت عملی کے ذریعے خود کو خفیہ اداروں کے سروں پر مسلط کرنے کی کوشش کر رہے تھے جس کے ردعمل میں وہ ان ایجنسیوں کے سرگرم تعاون سے محروم ہو سکتے تھے۔ اس وقت رات کے دس بجنے والے تھے لیکن اول خان کو اپنے ذرائع سے اجلاس کے بارے میں کوئی خبر نہیں ملی تھی۔ اس نے یہ فرض کر لیا کہ ایس ٹی ایف کی نمائندگی کے لیے کسی اور کو منتخب کر لیا گیا تھا۔

اول خان اپنی جان بچ جانے سے خوش تھا۔ اس کے شب و روز ہمارے درمیان گزرتے تھے۔ اگر اسے اجلاس میں شریک ہونا پڑتا تو اس کے لیے لیری کے اگلے ہوئے زہر کو ہضم کرنا مشکل ہو جاتا۔ وہ ایک سیدھا اور سچا پاکستانی تھا۔ اسے اندیشہ تھا کہ اشتعال کے عالم میں اس کی زبان سے کوئی ایسی بات نکل سکتی تھی جو نقصان دہ ثابت ہوتی۔

ہم دونوں کافی دیر تک نئے مسائل پر سر کھپاتے رہے لیکن کسی نتیجے پر پہنچنے میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ ظاہری طور پر صرف ایک امکان نظر آ رہا تھا جس کی نشان دہی جلال کر چکا تھا۔ میں نے مظہر کی حیثیت سے چندن کو ایک فیکس بھیجا' اس نے وہ آگے بڑھا دیا۔ وہ تیز رفتار مواصلاتی سہولتوں کا زمانہ تھا۔ فیکس اور ای میل کے ذریعے ذرا سی دیر میں معلومات ہزاروں میل کا فاصلہ طے کر کے ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچ جاتی تھیں۔ دہلی میں بیٹھے ہوئے حکام کے لیے وہ فیکس اس بات کا کھلا ثبوت تھا کہ مظہر خان بھارتیوں کو جُل دے کر کسی طرح پاکستان نکل گیا تھا اور حالات سے پریشان ہو کر وہ کراچی میں روپوشی کے دن گزار رہا تھا۔

فیکس کے متن کی وجہ سے وہ ثبوت پاکستانیوں کے سامنے پیش نہیں کیا جا سکتا تھا۔ بھارتیوں نے اپنے امریکی

Downloaded from https://paksociety.com

آقاؤں سے مدد لے لی تھی اور وہ فیکس دکھا کر انہیں یقین دلا دیا تھا کہ مظہر خان کراچی میں موجود تھا۔ پاکستانی حکام اسے پکڑنے میں دانستہ بے پروائی برت رہے تھے۔

دہلی میں جان کے ہاتھوں سے ہوتا ہوا وہ فیکس دوبارہ کراچی آگیا تھا اور اس بار لیری کی تحویل میں تھا۔ شاید لیری نے اسی ثبوت کی بنا پر پاکستانی ایجنسیوں کے ساتھ ملاقات کی خواہش ظاہر کی تھی۔

میں نے اپنے مشن کے لیے رات کے بارہ بجے کا وقت منتخب کیا تھا۔ اس وقت سول لائنز کے رہائشی علاقے میں اتنا سناٹا ہوجانا چاہیے تھا کہ ہمیں چندن کو اس کے فلیٹ سے نکال کر واپس روانہ ہونے میں کوئی دشواری پیش نہ آئے۔

میرے ایما پر اول خان نے فون پر صدف مینشن سے رابطہ کرکے جلال کو اس پروگرام سے آگاہ کردیا۔ اگر سب کچھ توقع کے مطابق ہوتا چلا جاتا تو رات کے ایک بجے تک چندن کو ہر حال میں اسٹیشن فور پہنچ جانا چاہیے تھا۔

ان دونوں کے فون پر براہِ راست مذاکرات ہوئے تو جلال کو یہ جان کر حیرت ہوئی کہ اول خان کو سرے سے اجلاس کے بارے میں نہیں بتایا گیا تھا۔ وہ فکرمند تھا کہ ایس ٹی ایف کی طرف سے اجلاس میں شرکت کے لیے کسی نئے آدمی کو نامزد کیا گیا تو شاید وہ لیری کے سوالوں کا کامیابی سے سامنا نہ کرسکے مگر وہ اس بارے میں بے بس تھا۔ ایس ٹی ایف کے چیف تک کسی کی بھی رسائی نہیں تھی۔ وہ اپنے فیصلے خود کرنے کا عادی تھا۔

میں نے اول خان کو اپنے پاس بلاتے ہوئے یہ عندیہ دے دیا تھا کہ میں چندن کے خلاف کوئی فیصلہ کن قدم اٹھانے کا ارادہ کرچکا تھا اس لیے وہ اپنے ساتھ ایک اپریٹس بھی لیتا آیا تھا جو چندن کے گھر کی نگرانی کرنے والوں سے رابطے کے لیے کارگر تھا۔ اس نے ہمارے ڈرائنگ روم میں بیٹھے بیٹھے اپریٹس پر چارلی ون کے کوڈ پر اپنے آدمی سے رابطہ کیا اور تفصیل سے آگاہ کردیا کہ چارلی تھری کے کوڈ سے ایک شخص بارہ بجے میدان میں اترنے والا ہے۔ ان دونوں کو چندن کے گھر سے دور اور الگ تھلگ رہ کر چارلی تھری کی ہدایات کا انتظار کرنا ہوگا۔

چارلی ون کو وہاں صرف نگرانی کے کام پر مامور کیا گیا تھا۔ میری اور سلطان شاہ کی مہم جوئی اس کے لیے نئی چیز تھی۔ اسے اس کا محدود کردار سمجھانے میں اول خان کو خاصی دیر لگ گئی لیکن جب اس نے اپنی ہدایات کا سلسلہ مکمل کرکے اپریٹس آف کیا تو اسے طمانیت کا احساس ہوا۔

میری اور اس کی مرضی کے مطابق ہوگا۔ اس کے آدمی کسی مرحلے پر میری راہ میں حائل ہونے کی کوشش نہیں کریں گے۔

"مجھے بہت عجیب محسوس ہورہا ہے کہ تم دونوں ایک مہم پر جارہے ہو اور میں تمہارے کسی کام نہیں آؤں گا۔" اول خان نے اپریٹس میرے حوالے کرتے ہوئے افسردگی سے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ آج کی مہم بہت آسان ہوگی۔ شاید سرے سے کوئی مزاحمت ہی نہ ہو۔ تم کو فکرمند نہیں ہونا چاہیے۔" میں نے اسے تسلی دی۔

"اس بھول میں نہ رہنا کہ چندن نے اپنے فلیٹ میں کسی لڑکی کو بلایا ہوا ہے تو وہ دنیا و مافیہا سے غافل ہوگا۔" اس نے مجھے آگاہ کیا "اگر وہ واقعی پیشہ ور سیکرٹ ایجنٹ ہے تو سوتے ہوئے بھی دیکھ سکتا ہے۔ ایسے لوگ رنگین مزاج اور بہت

موت کے سوداگر کا
پانچواں اور چھٹا حصہ شائع ہوگیا ہے
بڑے شہروں میں ہمارے سول ایجنٹ یہ ہیں

الکوثر نیوز ایجنسی
فریئر مارکیٹ۔ کراچی
فون: 7723601

شفیق نیوز ایجنسی
اخبار مارکیٹ۔ 1 اسپتال روڈ
لاہور۔ فون: 7124584 7358249

اشرف بک ایجنسی
کمیٹی چوک۔ راولپنڈی
فون: 5531610

شائلہ بک ایجنسی
محلہ چوہدری پارک۔ ٹوبہ ٹیک سنگھ
فون: 515011

شمع بک اسٹال
بھوآنہ بازار۔ فیصل آباد
فون: 613449

کتابیات پبلی کیشنز
رمضان چیمبرز۔ بلور یا اسٹریٹ آئی آئی چندریگر روڈ
فون: 5802551 فیکس: 5802552-5895313
پوسٹ بکس 23
کراچی 74200
kitabiat1970@yahoo.com

Downloaded from https://paksociety.com

سفاک ہوتے ہیں۔ میں اسٹیشن فور پہنچ کر تمہارے لیے دعا گو رہوں گا۔"

"تمہیں اب گھر جانا چاہیے۔ اسٹیشن فور پر تمہاری موجودگی ضروری نہیں ہے۔ قیدی کو تمہارے آدمیوں کے حوالے کر کے ہم بھی گھر آجائیں گے۔ اس سے پوچھ گچھ کی ابتدا صبح کی جائے گی۔"

"تم گھر آؤ یا کہیں اور جاؤ' میں قیدی کے پہنچنے تک اپنے دفتر میں رہوں گا۔ تمہارا مشن مکمل ہونے کے بعد میں اپنے گھر یا آرام کے بارے میں سوچوں گا۔" اس نے دو ٹوک الفاظ میں اپنا فیصلہ سنا دیا۔

"تمہارے پاس ایسے وسائل ہیں کہ گھر پر رہ کر بھی تم پل پل کے حالات سے باخبر رہ سکتے ہو....."

اول خان نے مجھے آگے بولنے کا موقع نہیں دیا "مشن تمہارا ہے۔ اس کے بارے میں فیصلے کرنے کا اختیار تم کو ہے۔ اب تم میرے فرائض میں دخل اندازی مت کرو۔ مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ کس وقت کیا کرنا ضروری ہوتا ہے۔ میں ان فرائض سے روگردانی نہیں کر سکتا۔"

"اول خان کی بات اصولی ہے۔" ویرا نے دخل انداز ہوتے ہوئے کہا "دونوں اپنے اپنے کام دیکھو۔ دوسرے کے کام میں خلل مت ڈالو۔"

اس گفتگو کے بعد وہ زیادہ دیر تک ہمارے ساتھ نہیں رکا۔ میں محسوس کر رہا تھا کہ اس کا دل بوجھل ہو رہا تھا۔ اس وقت اسے دہری مار پڑی تھی۔ میں نے جلال کے ایما پر اسے اپنے ساتھ لے جانے سے انکار کر دیا تھا۔ دوسری طرف اسے اگلے دن کے اجلاس میں نمائندگی کے سلسلے میں نظر انداز کر دیا گیا تھا۔

کہنے کو اس نے کہہ دیا تھا کہ وہ اپنی جان بچ جانے پر خوش تھا مگر میں جانتا تھا کہ آدمی زبان سے کچھ بھی کہتا رہے' اس کی پیشہ ورانہ انا کو اسی وقت تسکین ملتی ہے جب اس کے سر پر بھاری ذمے داریوں کا بوجھ ڈالا جائے۔ اس بار ایس ٹی ایف کے بڑے نے کسی اور کو اس بوجھ کا اہل سمجھ لیا تھا۔

اول خان کو رخصت کرنے کے بعد میں نے اپنی تیاری کے امکانات کا جائزہ لینا شروع کر دیا۔ سلطان شاہ بہت خوش تھا کہ اس بار اسے ویرا پر فوقیت دی گئی تھی۔ وہ بھی کیل کانٹے سے لیس ہونے کے ارادے سے اپنے کمرے میں جا گھسا تھا۔

دونوں عورتیں بہت حوصلہ مند اور اپنی حفاظت کے معاملے میں خود کفیل تھیں پھر بھی انہیں گھر میں محصور رہنے کی ہدایات دے کر پونے بارہ بجے میں سلطان شاہ کے ساتھ گھر سے نکل کھڑا ہوا۔

سڑکیں اس وقت دور تک خالی نظر آرہی تھیں۔ سلطان شاہ نے مین روڈ پر آتے ہی گاڑی کی رفتار بڑھانی شروع کر دی۔

اس وقت ایس ٹی ایف کے دو آدمی میری مدد کے لیے شکار گاہ کے اطراف میں موجود تھے۔ ان سے میرا کوئی تعارف نہیں تھا۔ میں نے اپریٹس آن کر کے چار ہی ون کے لیے پیغام نشر کیا تو وہ اسی لمحے لائن پر آگیا۔ ریڈیو سگنلز کے شور میں اس آواز کو شناخت کرنا مشکل تھا۔

"ہم نکل چکے ہیں اور اس وقت جیل کے قریب سے گزر رہے ہیں۔ ادھر کی کیا پوزیشن ہے..... اوور!" میں نے اپنے مخاطب سے پوچھا۔

"گھر میں سکون اور خاموشی ہے سر! روشنیاں جل رہی ہیں۔ لڑکی ابھی بھی اندر ہے۔ سی جی اس کے ساتھ ہے..... اوور!"

"واپسی پر تم ہمارے پیچھے آؤ گے۔" میں نے اسے ہدایت کی "قائداعظم کے مزار کے پیچھے والی سڑک پر رک کر تم مجھ سے سامان لو گے اور پھر تیزی سے اپنی منزل کی طرف روانہ ہو جاؤ گے..... وہاں چیف صاحب تمہارا انتظار کریں گے۔ اوور اینڈ آل۔"

ہمارا سفر تیزی سے جاری رہا۔ میرے ذہن میں اول خان کا بتایا ہوا نقشہ محفوظ تھا۔ ہم پی آئی ڈی سی ہاؤس سے آگے نکل کر بغلی گلی میں مڑے تو رات کے بارہ بجنے میں صرف ایک منٹ باقی رہ گیا تھا اور اس سڑک پر دور تک سناٹے کا راج نظر آرہا تھا۔

کاروباری علاقے سے ملحق ہونے کی وجہ سے دن کے اوقات میں وہ سڑک گاڑیوں کے ہجوم سے ایسی اٹی ہوئی ہوتی تھی کہ وہاں سے گزرنا محال ہو جاتا تھا مگر اس وقت وہاں ویرانی کا راج تھا۔ سڑک کے کناروں پر کہیں کہیں اکا دکا گاڑیاں کھڑی ہوئی تھیں۔

میں اپنے بائیں ہاتھ پر عمارتیں گن رہا تھا۔ وہ شہر کا قدیم علاقہ تھا۔ وہاں کی دفتری اور رہائشی عمارتیں بھی پرانی ساخت کی تھیں۔ جدید طرز کی کثیر المنزلہ عمارتوں کی تعمیر کا سلسلہ وہاں اس وقت تک شروع نہیں ہوا تھا۔ سلطان شاہ نے ساتویں عمارت سے ذرا آگے گاڑی روک دی۔

اس سڑک پر آتے ہی میں نے یہ محسوس کر لیا تھا کہ

Downloaded from https://paksociety.com

وہاں عمارتوں پر الگ الگ چوکیدار مامور نہیں تھے۔ علاقے کے مکینوں نے اپنے مال و اسباب کے لیے شاید کسی گشتی چوکیدار پر انحصار کیا ہوا تھا۔ جو اس وقت آس پاس نظر نہیں آرہا تھا۔ ہم دونوں بیک وقت اپنی اپنی سمت کے دروازے کھول کر گاڑی سے نیچے اترے۔ میری متجسس نگاہیں اول خان کے دونوں آدمیوں کی تلاش میں ہر طرف بھٹک رہی تھیں لیکن ان کا کہیں پتا نہیں تھا۔

ساتویں عمارت کے عین مقابل' چار دیواری میں گھرا ہوا ایک خالی پلاٹ گھور سیاہی میں ڈوبا ہوا تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ ایس بی الیف کے آدمیوں نے اسی پلاٹ کی تاریکی میں پناہ لی ہوئی تھی۔ وہاں سے وہ اپنے مطلوبہ مکان پر آسانی سے نظر رکھ سکتے تھے۔

وقت دھیرے دھیرے گزر رہا تھا۔ ہم ایک خطرناک زون میں داخل ہو چکے تھے جہاں ہمارا کسی حریف کی نظروں میں آنا مہلک ثابت ہو سکتا تھا۔ وقت کے تیز ترین استعمال کے لیے میری نگاہیں بے چینی سے ساتویں عمارت اور اس کے قرب و جوار کا جائزہ لے رہی تھیں۔

وہ احاطے کی دیوار سے محروم ایک پرانی سی چار منزلہ عمارت تھی۔ اس کی حالت سے ظاہر ہو رہا تھا کہ ابتدا میں یہ تین منزلہ رہی ہوگی۔ اس کی چھت پر واقع چوتھی منزل بعد میں تعمیر کی گئی تھی کیونکہ اس کی ساخت بقیہ تین منزلوں سے یکسر مختلف اور قدرے جدید طرز کی تھی۔

بادی النظر میں یوں معلوم ہو رہا تھا کہ اس عمارت کے داخلی زینوں کے ساتھ' ہر منزل پر دو رہائشی فلیٹ واقع تھے جو اکر کشادہ نہیں تھے تو تنگ بھی نہیں کہے جا سکتے تھے۔ کمروں کے سائز کا اندازہ سڑک کی سمت میں کھلنے والی کھڑکیوں اور روشن دانوں سے ہو رہا تھا۔ عمارت کی ابتدائی تین منزلوں کی اونچائی مروج معیار سے زیادہ تھی۔ اونچی چھتوں والے ان فلیٹوں میں تازہ ہوا کی مناسب گردش کے لیے بنائے ہوئے روشن دان خاصے منفرد نظر آرہے تھے۔

ایک سب سے بڑی خرابی یہ تھی کہ روشن کھڑکیوں اور روشن دانوں پر مضبوط آہنی گرل کا جال نظر آرہا تھا۔ اس رکاوٹ کی موجودگی میں یہ امکان نہیں رہا تھا کہ گراؤنڈ فلور پر واقع چندن کے فلیٹ کی کسی کھڑکی کا شیشہ توڑ کر ہم اطمینان سے اندر داخل ہو سکیں۔

میرے لیے زیادہ دیر تک گاڑی کے قریب کھڑا رہ کر سستانا خطرناک تھا۔ ہم دونوں کسی نادیدہ نگہبان کی نظروں میں آسکتے تھے۔

نقصان

ماہر نفسیات "مبارک ہو' آپ کا علاج ہو گیا۔ اب آپ بالکل ٹھیک ہیں۔"

دماغی مریض "کیا فائدہ ایسے علاج کا.... آپ کے پاس آنے سے پہلے میں فرانس کا بادشاہ تھا۔ اب میں ایک عام آدمی ہوں۔"

ایک لمحے کے لیے میرے ذہن میں بیم گن کے استعمال کا خیال آیا۔ ہم اس کی مدد سے بہت تیزی سے کسی تاریک کھڑکی کی گرل کاٹ سکتے تھے مگر اس عمل میں کئی خطرات پوشیدہ تھے۔ رات کی گہری تاریکی میں بیم گن کی تیز نیلگوں روشنی کو چھپانا ممکن نہیں تھا۔ اندھیرے میں چمکنے والی وہ غیر معمولی روشنی کسی کی بھی توجہ اپنی طرف مبذول کرا سکتی تھی۔ وہ امکان خارج ہونے کے بعد واحد صورت یہ رہ جاتی تھی کہ چندن کے فلیٹ میں اس کے دروازے سے داخل ہونے کی کوشش کی جائے۔

میں سر کی ہلکی سی جنبش سے سلطان شاہ کو اپنی تقلید کا اشارہ کرتا ہوا عمارت کے اس راستے کی طرف بڑھ گیا جہاں سے زینے اوپری منزلوں کی طرف جا رہے تھے۔ اس جگہ ایک بلب روشن تھا جو اس مختصر سی جگہ کی تاریکی دور کرنے کے لیے کافی تھا۔

"کیا دروازے پر دستک دینے کا ارادہ ہے؟" میرے ساتھ بڑھتے ہوئے سلطان شاہ نے ہذیانی انداز میں سرگوشی کی۔

"اس کے علاوہ اور کیا چارہ ہے؟" میں نے ازراہِ تمسخر کہا۔ اس خطرناک مرحلے پر یکایک میرا سکون بحال ہو چکا تھا اور شاید مزاج کی حس بھی جاگ اٹھی تھی۔

"دروازہ توڑ دو۔ اسے ہوشیار کر کے گھر میں گھسنا شامت کو دعوت دینے کے برابر ہوگا۔" اس نے اضطراری لہجے میں کہا۔

میں دل ہی دل میں اس کی بوکھلاہٹ سے محظوظ ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ یہ بات میرے ذہن میں پہلے سے بیٹھی ہوئی تھی کہ وہ خاصا گنجان آباد علاقہ تھا جہاں متوسط طبقے کے قانون پسند شرفا رہتے تھے۔ اگر چندن کو زیر دام آنے سے پہلے خطرے کا ذرا بھی ادراک ہو جاتا تو وہ شور مچا کر ایک ہنگامہ کھڑا کر سکتا تھا۔ اس کی ایسی کوئی ہنگامہ آرائی ہمارا پورا

Downloaded from https://paksociety.com

منصوبہ ٹھپ کر سکتی تھی۔

میں نے جوں ہی عمارت کی حدود میں قدم رکھا' میرے ذہن میں اچانک ایک محفوظ ترکیب آگئی۔

وہ عمارت پوری طرح آباد ضرور تھی لیکن فلیٹوں کے مکین اپنے دروازوں پر بیٹھے ہوئے نہیں ہو سکتے تھے۔ رات کے بارہ بج چکے تھے۔ ان میں سے بیشتر اپنی آرام دہ خواب گاہوں میں سو چکے ہوں گے جو جاگ رہے تھے' وہ بھی اپنے گھر کی حدود میں کہیں نہ کہیں مصروف ہوں گے۔ یہ امکان نہ ہونے کے برابر تھا کہ کوئی ہم دونوں کو چندن کے فلیٹ کے دروازے پر موجود پا کر شکوک و شبہات کا شکار ہو جاتا۔

دوسری طرف چندن کے فلیٹ کی اندرونی صورتِ حال بھی میرے پیشِ نظر تھی۔ وہ اپنے بیوی بچوں کو عمر کوٹ چھوڑ کر کراچی میں رضاکارانہ تجرد کی زندگی گزار رہا تھا۔ وہ ہفتے میں ایک بار اپنے گھر ضرور جاتا تھا لیکن اس کی حرکتوں سے اس کی اوباشانہ طبیعت کا کھلا اظہار ہوتا تھا۔ یہ بات ہمارے حق میں تھی کہ اس رات چندن نے اپنی دل بستگی کے لیے ایک لڑکی کو اپنے فلیٹ میں بلایا ہوا تھا۔ شراب اور شباب کی دستیابی نے اس کی سرگرمیوں کو یقینی طور پر خواب گاہ کے آرام دہ بستر تک محدود کیا ہوا ہوگا۔ ایسے میں اس کے فلیٹ کے داخلی دروازے کے قفل پر بیم گن آزمائی جاتی تو اس کے متوجہ یا ہوشیار ہونے کا امکان نہیں تھا۔

اس خیال کے ساتھ ہی میرا ہاتھ اپنی جیکٹ میں رینگ گیا۔ میں معمول کی رفتار سے راستہ طے کرتا ہوا چندن کے فلیٹ کے دروازے پر پہنچا تو میرا ہاتھ بیم گن کے سرد آہنی دستے پر جم چکا تھا۔ میں نے لمحہ بھر رک کر دوسرے فلیٹ کے بند دروازے اور اوپری زینوں پر نگاہ ڈالی پھر سرعت سے بیم گن کا نوزل ہمشی قفل کے ہول پر رکھ کر ٹریگر دبا دیا۔ چند ہی لمحوں بعد بیم گن دوبارہ میری جیب میں منتقل ہو چکی تھی۔

سلطان شاہ نے احتیاط سے دروازے پر ہاکا سا دباؤ ڈالا اور اس نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔ اس رات چندن کے ستارے گردش میں آئے ہوئے تھے۔ اپنی کسی خوش بدن مہمان کی بھرپور پذیرائی میں ڈوب کر وہ دروازے کو اندر سے بولٹ کرنا بھول گیا تھا۔

میں نے دروازے میں ہلکی سی جھری پیدا کر کے ڈرتے ڈرتے اندر جھانکا۔ روشن راہداری سے کوئی متنفس نظر نہیں آیا لیکن ایک طرف سے کسی کے ابکائیاں لینے کی آواز آئی۔ چشم زدن میں مجھے اندازہ ہو گیا کہ کھانے اور پینے میں بے اعتدالی چندن پر اپنا رنگ دکھا رہی تھی۔ وہ کہیں مدہوش پڑا قے کر رہا تھا۔ وہ گھر میں گھسنے کا بہترین موقع تھا۔

میں نے ایک جھٹکے سے دروازہ کھول دیا۔ بے آواز قبضوں پر پٹ گھومتے ہی ہمارے داخلے کی راہ ہموار ہو گئی۔ ہم دونوں پھرتی سے اندر گھس گئے۔ سلطان شاہ دروازہ بند کر کے بولٹ کرنے کے لیے رکا اور میں اتنی دیر میں ابکائی کی آوازوں کے سہارے چندن کی خواب گاہ کے دروازے پر پہنچ گیا۔

کمرے میں ہلکی اور خواب ناک روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ کنگ سائز کی آرام دہ مسہری پر مرمریں بدن والی ایک نیم برہنہ لڑکی شرمناک حالت میں بے سدھ پڑی ہوئی تھی اور کمرے کی فضا الکحل اور جلے ہوئے تمباکو کے دھوئیں کی تیز بو سے بوجھل ہو رہی تھی۔ قالین پر لڑھکی ہوئی اسکاچ کی خالی بوتل ان دونوں کی گزری ہوئی مصروفیات کی داستان سنا رہی تھی۔

کمرے میں اس لڑکی کے سوا کوئی متنفس نہیں تھا۔ وہ اپنی آنکھیں موندے مدہوش پڑی ہوئی تھی۔ چندن باتھ روم میں گھسا الٹیاں کر رہا تھا۔ خواب گاہ کے نرم قالین پر میں بہت تیزی سے آگے بڑھا اور کمرے سے ملے ہوئے روشن غسل خانے کے دروازے پر پہنچ گیا۔ وہ اپنے بدن پر صرف ایک ڈھیلا نیکر پہنے واش بیسن کے سامنے کھڑا ہوا تھا۔

چندن کی نم آلود آنکھوں نے واش بیسن پر لگے ہوئے آئینے میں میرا عکس دیکھا تو اس کے چہرے پر یکایک خوف کی زردی پھیل گئی۔ اس نے تیزی سے میری طرف پلٹنا چاہا مگر میں نے اسے کامیاب نہیں ہونے دیا۔ وہ نشے میں تھا اور میں پوری طرح ہوش و حواس میں تھا۔ میں نے واش بیسن کے سامنے ہی اس کی گردن دبوچ لی۔ اس کے حلق سے بس ایک مختصر سی بے معنی آواز نکلی اور پھر اس کے ہاتھ پیر جواب دیتے چلے گئے۔ وہ کھڑے کھڑے لڑکھڑا کر باتھ روم کے سفید ٹائلوں والے فرش پر ڈھیر ہو گیا۔

اول خان سے ملی ہوئی انگوٹھی کے کھوکھلے نگینے سے چندن کے بدن میں اترنے والے سریع الاثر سیال نے اسے دیکھتے ہی دیکھتے پھاڑ دیا تھا۔

میرے لیے چندن کا وہ انجام اتنا پُریقین تھا کہ میں نے اسے چھونے یا چھیڑنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ میں اس سے فارغ ہو کر دوبارہ خواب گاہ کی طرف پلٹا تو سلطان شاہ بہت برے برے منہ بناتا ہوا چندن کی خوش بدن مگر بے شرم مہمان کے برہنہ تن کو چادر سے ڈھانپ رہا تھا۔

انسانیت کے دشمنوں کی اس داستانِ عبرت کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجیے

Downloaded from https://paksociety.com

"وہ مدہوش بلکہ بے ہوش پڑی ہوئی ہے تو بلاوجہ اس سے کیوں چھیڑ چھاڑ کررہے ہو؟" میں نے دانستہ سلطان شاہ سے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔ چندن کے فلیٹ میں گھسنے سے پہلے میں جس شدید اعصابی دباؤ میں مبتلا تھا' وہ یکایک ختم ہوچکا تھا۔ مجھے یوں محسوس ہورہا تھا جیسے اس مشن کے اصل حریف کے زیر ہوتے ہی میری ظرافت کی سوئی ہوئی حس بیدار ہوچکی تھی۔

"میں چھیڑ رہا ہوں!" سلطان شاہ نے پھاڑ کھانے والے انداز میں دبی دبی سرگوشی کی "تم نے دیکھا نہیں کہ یہ بے شرم کیسی حالت میں بستر پر پڑی ہوئی تھی۔"

"تم درست کہہ رہے ہو" میں نے دھیمی آواز میں اطمینان سے جواب دیا "میں نے بھی اسے دیکھا تھا مگر بے ضرر سمجھ کر نظرانداز کردیا اور اپنے اہم شکار کی طرف بڑھ گیا۔ تم نے اسے دیکھا تو بس اسی میں الجھ کر رہ گئے۔"

"اسے بھی کسی نہ کسی کو دیکھنا تھا۔" سلطان شاہ نے لڑکی کی برہنہ پنڈلیوں پر چادر کا ایک گوشہ ڈالتے ہوئے اس بار قدرے بے پروائی سے جواب دیا "ہم دونوں ایک شکار پر پل پڑتے تو یہ سراسر وقت کا ضیاع ہوتا۔"

"چندن بے ہوش ہوچکا ہے۔ اب ہمیں ان دونوں کو یہاں سے نکال کر گاڑی میں پہنچانا ہے" وقت کی نزاکت کا احساس کرتے ہوئے میں نے اپنے مذاق کو طول دینے کی کوشش نہیں کی۔ میری دانست میں وہ اگلا کام اس مہم کا مشکل ترین مرحلہ تھا۔

"میں چندن کو کندھے پر لادلیتا ہوں۔ تم لڑکی کو اٹھالو" سلطان شاہ نے جھٹ تجویز پیش کردی۔

میرے سرسری مذاق کے جواب میں اس کی وہ تجویز بری نہیں تھی۔ لڑکی کے نازک سراپا کے مقابلے میں چندن کا وجود خاصا بھاری تھا۔

اس وقت میرا ذہن بہت تیزی سے کام کررہا تھا اور میں چندن کی بے ہوشی کے بعد والی صورتِ حال کا ذہنی تجزیہ کرنے میں مصروف تھا۔

ہم اس گلی کی ساتویں عمارت کے زیریں فلیٹ میں موجود تھے۔ ہماری گاڑی عمارت کے قریب موجود تھی اور عمارت کے گرد کوئی احاطہ نہیں تھا' باہر دھندلائی ہوئی ناکافی روشنی بلکہ بڑی حد تک تاریکی کا راج تھا۔ اس وقت رات کے بارہ بج چکے تھے اور شہر کے کاروباری علاقے کے قلب میں رہنے والے بیشتر شرفا اپنے گھروں میں گھسے ہوئے تھے۔ باہر کسی گشتی چوکیدار کے نہ ہونے کی وجہ سے یہ خطرہ کم ہی تھا کہ کوئی ہمیں دو بے حس و حرکت ہیولوں کے ساتھ چندن کے فلیٹ سے نکل کر گاڑی تک جاتے ہوئے دیکھ لیتا اور شور مچادیتا۔ ایسی کوئی نازک پوزیشن پیدا ہونے کی صورت میں تاریک پلاٹ کے احاطے میں چھپے ہوئے ایس ٹی ایف کے کارکن ہماری مدد کے لیے میدان میں کود سکتے تھے۔ وہ پیشہ ور لوگ تھے۔ لڑنے بھڑنے اور صاف بچ نکلنے کے فن میں خصوصی مہارت رکھتے تھے۔ وہ ہوائی فائرنگ کرکے یا کسی اور حرکت کے ذریعے ایسی ہڑبونگ مچاسکتے تھے کہ ہمیں اپنی کار تک پہنچنے میں کسی مداخلت کا سامنا نہ کرنا پڑتا۔

میں نے سلطان شاہ کے مشورے پر عمل کرنے کا ارادہ کرلیا۔ برہنہ لڑکی کو میں بستر کی چادر میں سمیٹ کر آسانی سے باہر لے جاسکتا تھا۔ اسی لمحے میرے دماغ میں ایک کوندا سا لپکا اور میرے بڑھتے ہوئے قدم فرشی قالین میں گڑ کر رہ گئے۔

میں بیم گن سے دروازے کا قفل کاٹ کر فلیٹ میں داخل ہوا تو لڑکی چندن کی پلائی ہوئی شراب اور اپنے شباب کے نشے میں اتنی مدہوش تھی کہ اسے فلیٹ میں ہم دونوں کے داخلے کا علم ہوسکا تھا نہ وہ ہمیں دیکھ لینے کے قابل تھی۔ وہ ایک آبرو باختہ اور شاید پیشہ ور لڑکی تھی جو چندن کا دل بہلانے کے لیے اس رات وہاں آئی ہوئی تھی۔ ہوش میں آنے کے بعد اس کے فرشتوں کو بھی علم نہیں ہوسکتا تھا کہ فلیٹ میں کون لوگ آئے تھے اور چندن کو کیوں اٹھا کر لے گئے۔

وہ سو فیصد ایک غیر متعلقہ فریق تھی جو محض اپنی بدقسمتی کی وجہ سے وہاں آن پھنسی تھی۔ ہمیں اپنے کام کے سلسلے میں اس سے کوئی مدد نہیں مل سکتی تھی۔ اس کے برعکس وہ اسٹیشن فور کے اہل کاروں کے لیے وبال بن سکتی تھی۔

میرے خیالات کی دوسری رو اتنی قوی تھی کہ میں نے اسی لمحے لڑکی کو اپنے ساتھ لے جانے کا ارادہ ترک کردیا۔ سلطان شاہ باتھ روم کے دروازے پر کھڑا میرے اشارے کا منتظر تھا۔ میں لڑکی کو بھول کر اس کی طرف بڑھ گیا۔

"میں لڑکی کو ہاتھ بھی نہیں لگاؤں گا" مجھے باتھ روم کی طرف آتا ہوا دیکھ کر وہ مچل گیا "اسے تم اٹھا کر لے جاؤ گے۔"

"بک بک مت کرو" میں نے نیچی آواز میں اسے ڈانٹا "لڑکی ہمارے لیے بے کار ہے۔ وہ ہوش میں آنے کے بعد کسی کو کچھ نہیں بتاسکے گی۔"

"تم آگے چلو' میں بے ہوش مرد کو کندھے پر لاد کر لاتا ہوں" سلطان شاہ نے مستعدی سے کہا۔

Downloaded from https://paksociety.com

لڑکی کا کانٹا دور ہوجانے کے بعد چندن کو پشت پر لاد کر باہر لے جانا مناسب نہیں تھا۔ ہم دونوں اس کی بغلوں میں ہاتھ دے کر اسے صفائی سے اپنی گاڑی کی پچھلی نشست تک لے جاسکتے تھے۔ کوئی ہماری جھلک دیکھ بھی لیتا تو یہ سمجھ کر نظرانداز کردیتا کہ دو مددگار کسی مریض یا شرابی کو سہارا دے کر عمارت سے لے جارہے ہیں۔

چند لمحوں میں چندن کا وجود ہمارے شانوں کے سہارے درمیان میں جھول رہا تھا۔ ہم دونوں نے پیش قدمی شروع کی تو چندن کے بے جان پیر فرش اور پھر قالین پر نرمی سے گھسٹ رہے تھے۔

نکاس کے دروازے کے قریب میں ذرا آگے نکل کر ترچھا ہوگیا۔ فلیٹ چھوڑنے سے پہلے میں نے لمحہ بھر کے لیے اپنا سر دروازے سے باہر نکال کر عقابی نظروں سے قرب وجوار کا جائزہ لیا اور میدان صاف پاکر آگے بڑھ گیا۔

رات کے گہرے سناٹے میں کنکریٹ کے فرش پر چندن کے ننگے پیر گھسٹنے کی آواز خاصی نمایاں تھی۔ چندن کا قد ہم دونوں سے خاصا دبتا ہوا تھا۔ میں نے سرسراتی ہوئی آواز میں سلطان شاہ کو ہدایت کی "اسے اوپر اٹھاؤ۔ پیر زمین پر نہ لگنے پائیں۔"

اس نے چند ثانیوں کے لیے رک کر زور لگایا۔ میں نے بھی کوشش کی مگر ہم دونوں اس وزنی لاش کو فضا میں معلق نہ کرسکے۔

زینوں والے بند اور قدرے روشن گلیارے سے کھلی فضا میں نکلتے ہی میرا بدترین اندیشہ حقیقت کا روپ دھار کر سامنے آگیا۔

اس عمارت میں کوئی چوکیدار نہیں تھا مگر علاقے میں رات کو گشت کرنے والا چوکیدار دور سے چلا آرہا تھا۔ داہنی طرف دور سے سڑک پر اس کے ڈنڈے کی آواز آرہی تھی۔

"تیز چلو" میں نے چڑھے ہوئے سانسوں کے درمیان کہا "اس کے پہنچنے اور کچھ سمجھنے سے پہلے ہمیں یہاں سے نکل جانا چاہیے۔"

ہم عمارت سے نکل کر بائیں طرف کھڑی ہوئی کار کی طرف مڑے تو چوکیدار ٹھیک ہماری پشت پر تھا۔ اس سڑک پر پھیلی ہوئی دھندلی روشنی میں شاید اس نے دور ہی سے دو افراد کے کندھوں پر جھولتے ہوئے تیسرے آدمی کو دیکھ لیا جس کے بدن پر کپڑوں کے نام پر صرف ایک نیکر نظر آرہا تھا۔ پختہ سڑک پر چوکیدار کے قدموں اور ڈنڈا مارنے کی آوازوں میں یک بیک تیزی آگئی اور اسی کے ساتھ میرے تنفس کی رفتار بڑھنے لگی۔

میں نے رک کر اپنا قیمتی وقت برباد کرنے اور مڑ کر دیکھنے کی کوشش نہیں کی۔ بس پوری قوت مجتمع کرکے چند قدم دور کھڑی ہوئی اپنی گاڑی کی طرف بڑھتا رہا۔ اس وقت وہ مختصر سا فاصلہ مجھے میلوں پر محیط نظر آنے لگا تھا۔ میری شدید ترین خواہش تھی کہ اس کارروائی میں کوئی بے گناہ ہمارے ہاتھوں مجروح نہ ہو لیکن وقت گزرنے کے ساتھ وہ امکان تیزی سے ختم ہوتا جارہا تھا۔

مشتبہ صورتِ حال نے شاید چوکیدار کے دل میں تجسس پیدا کردیا تھا اور اس کے قدموں کی قریب آتی ہوئی آوازیں بتارہی تھیں کہ اس نے سڑک پر ہماری طرف دوڑنا شروع کردیا تھا۔

ہم اپنی کار تک پہنچ چکے تھے۔ اس کے دروازے ہم نے دانستہ مقفل نہیں کیے تھے۔ میں نے دل ہی دل میں اس فرض شناس اور بے جگر چوکیدار پر لعنت بھیجی اور پچھلا دروازہ کھول کر چندن کے مجسم کو بے دردی سے اندر ڈال دیا۔

سلطان شاہ اپنے بوجھ سے نجات حاصل کرتے ہی تقریباً دوڑتا ہوا گاڑی کے گرد گھوم کر ڈرائیونگ سیٹ پر پہنچنے کی کوشش کررہا تھا کہ اچانک فضا میں ٹھک کی ایک دبی دبی مگر واضح آواز سنائی دی' فضا میں ایک انسانی کراہ گونجی اور کوئی بھاری وجود دھم سے زمین پر گرگیا۔

پیچھے سے آنے والی وہ علامتی آوازیں اس قدر پُراسرار تھیں کہ میں بے ساختہ پیچھے مڑنے پر مجبور ہوگیا۔

چوکیدار کے قدموں اور ڈنڈے کی آوازیں یکایک مفقود ہوچکی تھیں۔ وہ ایک سکڑے ہوئے وجود کی صورت میں ہم سے دس پندرہ فٹ کے فاصلے پر سڑک کے کنارے پڑا ہوا تھا اور ایک دبلا پتلا شخص اپنے ہاتھ میں رائفل لیے دبے قدموں سے تاریک پلاٹ کے احاطے کی دیوار کی طرف دوڑا جارہا تھا۔

میرے دیکھتے ہی دیکھتے اس مسلح اور مخنی شخص نے کسی بندر کی سی پھرتی سے احاطے کی دیوار عبور کی اور پھر اندر کی تاریکی اسے نگل گئی۔

محاذ پر پیدا ہونے والی ہلچل ختم ہوچکی تھی۔ شاید ایس ٹی ایف کے کسی چھپے ہوئے کارکن نے چوکیدار کو ہم سے دور رکھنے کے لیے اپنی کمین گاہ سے باہر نکل کر اس کی کھوپڑی پر اپنی آہنی رائفل کا دستہ بجادیا تھا۔

میرے لیے قیدی کے ساتھ وہاں رکنا خطرناک تھا۔ جو

Downloaded from https://paksociety.com

کچھ ہوا تھا' وہ ہمارے حق میں تھا۔ میں گاڑی کا دروازہ کھول کر پھرتی سے پسنجر سیٹ پر سوار ہوگیا۔ سلطان شاہ انجن اسٹارٹ کرچکا تھا۔ میرے سوار ہوتے ہی گاڑی نے تیزی سے یُوٹرن لیا اور پھر اس گلی سے نکلتی چلی گئی۔

بے چارہ چوکیدار بدستور سڑک کے کنارے بے ہوش پڑا ہوا تھا۔ اس کا موٹا اور لمبا ڈنڈا لڑھک کر اس سے دور چلا گیا تھا۔

"یہ کون پڑا ہوا ہے؟" چوکیدار کے قریب سے گزرتا ہوا سلطان شاہ تیزرزہ آواز میں سوال کر بیٹھا۔ شاید وہ چندن کو سنبھالنے میں اتنا زیادہ منہمک تھا کہ اس نے اپنے عقب سے آنے والے صوتی تاثرات پر سرے سے دھیان نہیں دیا تھا۔

"گلی میں گشت کرنے والا رات کا چوکیدار معلوم ہوتا ہے" میں نے پیکٹ میں سے سگریٹ منتخب کرتے ہوئے سکون سے جواب دیا۔

"یہ اندازہ اس کے موٹے اور بھاری ڈنڈے سے میں نے بھی کرلیا تھا۔ وہ سڑک پر بے سدھ کیوں پڑا ہوا ہے؟ اسے کس نے ماردیا؟"

"پتا نہیں۔ میں تمہارے ساتھ کام میں لگا ہوا تھا" میں نے مختصر سا جواب دے کر اسے ٹالنا چاہا۔ حقیقت یہ تھی کہ چوکیدار کے ساتھ جو کچھ ہوا تھا' مجھے بھی اس کا صحیح علم نہیں تھا۔ جو کچھ تھے میرے اندازے تھے۔ میں ان اندازوں کی بنا پر کوئی جواب دے کر بات کو طول نہیں دینا چاہ رہا تھا۔

وہاں جو کچھ ہوا تھا' اس کا صحیح جواب اول خان ہی دے سکتا تھا مگر میں اپنے قیاسات کی بنا پر دل میں ایس ٹی ایف والوں کی مستعدی کا معترف ہوچکا تھا۔ وہ جہاں بھی ہوتے تھے' بروقت حرکت میں آتے تھے اور دشمن پر کاری ضرب لگا کر لوٹ جاتے تھے۔ مجھے یاد نہیں تھا کہ کبھی کسی مہم میں ان کی شمولیت یا مداخلت کی وجہ سے مجھے کسی خسارے سے دوچار ہونا پڑا ہو۔ اس وقت بھی ان کا کوئی آدمی غیبی تائید کی صورت میں اچانک نمودار ہوا تھا۔ اگر علاقے کا چوکیدار ہم تک پہنچنے میں کامیاب ہوجاتا تو خاصی الجھن اور بدمزگی پیدا ہوسکتی تھی۔ سب سے بڑا نقصان یہ ہوتا کہ ہماری کارروائی کا ایک چشم دید گواہ پیدا ہوجاتا' جس کے ذریعے چندن کے پُرتشدد اغوا کی کہانی آناً فاناً پھیل سکتی تھی۔

"تم نے ابھی تک میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔ خاموش بیٹھے کیا سوچ رہے ہو؟" مین روڈ پر نکل آنے کے بعد سلطان شاہ نے مجھے ٹوکا۔

"تمہارے سوال کا صحیح جواب اول خان سے ملاقات ہونے پر مل سکے گا" میں نے خشک لہجے میں کہا۔

"تمہارے پاس اس کا دیا ہوا اپریٹس موجود ہے۔ اس پر چار لیوں سے بات کیوں نہیں کرلیتے۔"

میں کام میں الجھ کر چارلی ون اور ٹو سے رابطے کی سہولت کو سرے سے نظرانداز کر بیٹھا تھا۔ اس کے یاد دلاتے ہی میں نے ڈیش بورڈ کے نچلے خانے سے اپریٹس نکالا اور اس پر چارلی ون کے لیے پیغام نشر کردیا۔ ان سے گفتگو کرنے کے لیے میرا کوڈ چارلی تھری مقرر کیا گیا تھا۔

دوسری طرف سے بلا تاخیر جواب مل گیا "چارلی ون سر! ہم لوگ آپ کے پیچھے آرہے ہیں۔ درمیان میں کوئی دوسری گاڑی نہیں ہے۔ ہماری گاڑی کے روشن ہیڈ لیمپس آپ کو اپنے عقب نما آئینے میں نظر آرہے ہوں گے۔۔۔ اوور!"

اپریٹس سے ابھرنے والی آواز سلطان شاہ کے کانوں تک بھی پہنچ رہی تھی۔ اس نے فوری طور پر چارلی ون کی بات کی تائید کردی۔

"ویری گڈ!" میں نے سلطان شاہ کا جواب سننے کے بعد کہا "اسی طرح ہمارے پیچھے آتے رہو۔ چوکیدار کے ساتھ کیا ہوا تھا۔"

"سر! آپ لوگوں کے باہر آنے سے پہلے ہی ہم نے اس کا ڈنڈا بجانے کی آواز سن لی تھی اور اس کو عمارت کی طرف آتا ہوا دیکھ کر مضطرب ہوگئے تھے۔ آپ کو دیکھ کر اس نے اپنی رفتار تیز کی تو میں نے اسے وہیں روک دینے کا فیصلہ کرلیا۔ وہ بہت گڑبڑ پھیلا سکتا تھا۔ میں نے خاموشی سے اس کے پیچھے پہنچ کر سر پر رائفل کی بٹ سے ضرب لگائی اور کام بن گیا۔ وہ آپ سے ٹکرا جاتا تو وہاں ایک ہنگامہ کھڑا ہوجاتا۔"

"تم دونوں کہاں چھپے ہوئے تھے؟" میں نے اس سے وہ رسمی سا سوال بھی پوچھ ہی لیا۔

"ساتویں بلڈنگ کے سامنے ایک ویران پلاٹ کے اندھیرے میں ہم نے پناہ لی تھی۔"

"اوکے۔ تم اسی طرح ہمارے پیچھے آتے رہو۔ قیدی کو تمہاری گاڑی میں ڈالنے کا پروگرام اب ختم سمجھو" میں نے وہ آخری ہدایت دے کر سلسلہ وہیں ختم کردیا۔

"کیا قیدی کو اسٹیشن فور کے بجائے صدف مینشن لے جانا چاہ رہے ہو؟" اپریٹس پر بات ختم ہوتے ہی سلطان شاہ نے سوال داغ دیا۔

"تمہارے ذہن میں یہ اچھوتا خیال کیسے آگیا؟" میں

Downloaded from https://paksociety.com

نے پرمزاح انداز میں پوچھا۔

"قائداعظم کے مزار کے پیچھے چندن کو ان کی گاڑی میں منتقل کرنے کا پروگرام تم نے کسی وجہ سے منسوخ کیا ہوگا۔"

میں نے سگریٹ سلگا کر سنجیدگی سے کہا "چندن گرفتانی سے بازپرس کے لیے صدف مینشن اس شہر کی بہترین عمارت ہے' وہاں ملزموں سے پوچھ گچھ کے لیے تشدد سے کہیں زیادہ نفسیاتی حربوں سے کام لیا جاتا ہے جس کے لیے خصوصی عملہ موجود ہے۔ میں نے ان کے ساتھ وقت گزار کر ان کے طور طریقوں کا قریب سے مشاہدہ کیا ہے۔ اندر کے بھیانک اور نیم تاریک آسیبی ماحول میں گھستے ہی آدمی کا دل بیٹھنا شروع ہوجاتا ہے۔"

"تم نے صدف مینشن کی بات شروع کردی' میں چندن کی پوزیشن جاننا چاہ رہا تھا" اس نے میری بات کاٹ کر اعتراض کیا۔

"میں تمہیں پورا پس منظر سمجھانا چاہ رہا ہوں تاکہ تم اس موضوع پر بار بار سوالات کرکے مجھے تنگ نہ کرو" میں نے ترشی سے جواب دیا "مجھے انتخاب کرنے کا موقع میسر ہوتا تو میں چندن کو سیدھا صدف مینشن لے جاتا لیکن جلال اس معاملے سے بالکل الگ تھلگ رہنا چاہ رہا ہے تاکہ بعد میں پیدا ہونے والی پیچیدگیوں سے بچ سکے۔ یہ مجبوری ہے کہ ہمارے پاس اپنے قیدی کے لیے اسٹیشن فور کے سوا کوئی ٹھکانا نہیں ہے۔"

"تو اب تم خود اسٹیشن فور تک دوڑ لگانے کا ارادہ کرچکے ہو؟" اس نے دوبارہ قطع کلامی کی۔

"جب اول خان قیدی کے انتظار میں' اپنے بیوی بچوں کو بھول کر وہاں بیٹھا رہ سکتا ہے تو ہمیں وہاں جانے میں کیا قباحت ہے؟"

"کچھ بھی نہیں" وہ میرے جارحانہ لہجے پر بوکھلا گیا "اخلاق کا تقاضا یہی ہے کہ ہم خود قیدی کو اس کے پاس لے جائیں۔"

"میرے فیصلے کا اخلاق سے دور کا بھی سروکار نہیں ہے۔ ایسے کاموں میں اخلاقیات پر غور کرنے والے بے دردی سے مار دیے جاتے ہیں۔ چندن ہاتھ آگیا ہے تو اب میں جلد از جلد اس کی کہانی سننے کے لیے بے چین ہوں۔ شاید اول خان بھی اسی نیت سے اپنے دفتر میں جما ہوا ہے۔"

سلطان شاہ نے واپسی کے لیے ایم اے جناح روڈ کے بجائے شارع فیصل کا راستہ لینا پسند کیا۔ مجھے اس معاملے میں دخل دینے کی ضرورت نہیں تھی۔ چندن پچھلے حصے میں بے ہوش پڑا ہوا تھا۔ سلطان شاہ ڈرائیونگ میں مصروف تھا اور میرا ذہن آنے والے حالات وواقعات میں الجھا ہوا تھا۔

رات گئے شہر کی معروف سڑکیں بھی خالی خالی نظر آرہی تھیں۔ رات کے گہرے اندھیرے میں اسٹریٹ لائٹس کی تیز روشنی اور ہورڈنگز کی چکاچوند شہر کی خوبصورتی کو اجاگر کررہی تھی مگر کراچی کے باسی یہ بات اچھی طرح جانتے تھے کہ وہ اوپری لیپا پوتی باہر سے آنے والے مہمانوں کی دلفریبی کے لیے تھی ورنہ پرانے اور نئے شہر کے بہت سے علاقے ہروقت گندگی' سیلن اور تاریکی کی آماجگاہ بنے رہتے تھے۔

سلطان شاہ سندھی مسلم ہاؤسنگ سوسائٹی سے ہوتا ہوا شاہراہ قائدین پر نکلا اور پھر قائداعظم کے مزار کی عقبی سڑک پر ہولیا۔ وہ وہی مقام تھا جہاں ہمیں اپنے متروک پروگرام کے تحت رک کر قیدی کو اول خان کے آدمیوں کے حوالے کرنا تھا۔

شہر کے باسیوں کے لیے رات گہری ہوچکی تھی مگر سبزی منڈی پر زندگی کی ساری چہل پہل اپنے عروج پر تھی۔ دور دراز کے زرعی علاقوں اور مضافات سے پھل اور سبزیاں لانے والے بھانت بھانت کے ٹرکوں نے ٹریفک کے قوانین کی پروا کیے بغیر یونیورسٹی جانے والی سڑک تقریباً بند کی ہوئی تھی۔ سلطان شاہ کسی پیشہ ور ڈرائیور کی طرح خودکلامی کے انداز میں پک اپ اور ٹرک والوں کو برا بھلا کہتا اپنا راستہ بناتا رہا۔

آخرکار ہم اپنے گھر کے قریب سے گزر گئے۔ راستے بھر مجھے بس ایک خوف دامن گیر رہا تھا کہ کہیں پولیس کی کسی گشتی پارٹی سے سامنا نہ ہوجائے۔ ہم اپنی گاڑی میں اوپری تن سے برہنہ چندن کی موجودگی کا کوئی جواز نہیں دے سکتے تھے۔ حسن اسکوائر کے چوراہے سے آگے نکلتے ہی میرا وہ خوف یکلخت کافور ہوگیا۔ پولیس کے خوف میں مبتلا ہوکر میں یہ بات بالکل فراموش کربیٹھا تھا کہ اسپیشل ٹاسک فورس کے دو آدمی اپنی نئی کرولا میں ہمارے پیچھے پیچھے آرہے تھے۔ پولیس والوں سے نمٹنے کے لیے ان کی موجودگی کافی تھی۔

ایس ٹی ایف والے فوجی تھے نہ شہری' ان کے وجود سے لے کر ان کی سرگرمیوں تک' سب کچھ اس قدر خفیہ تھا کہ ان کے بارے میں کہیں کوئی ریکارڈ نہیں تھا پھر بھی سینہ گزٹ کے ذریعے چلنے والی زبانی ہدایتوں کی بنا پر ایک خصوصی درجے کے ہر انتظامی افسر کو ان کا غائبانہ تعارف حاصل تھا۔ ایس ٹی ایف والے جب بھی کہیں کھل کر سامنے آتے تھے تو ہر نفری ان کی موجودگی کا احترام کرتے ہوئے موقع سے ٹل

Downloaded from https://paksociety.com

جانے کو ترجیح دیتی تھی۔

یونیورسٹی روڈ ختم ہوگیا۔ ہم صفورا گوٹھ سے آگے نکل کر چھاؤنی کی حدود کی طرف بڑھنے لگے۔ آگے ہمیں ایک ملٹری چیک پوسٹ سے گزرنا تھا۔

معاً میرے ٹرانسمیٹر پر چارلی ون کی بھرائی ہوئی آواز ابھری۔ میں نے اسے لائن پر اپنی موجودگی کی اطلاع دی تو اس نے بتایا کہ وہ اپنی گاڑی ہم سے آگے نکال لے جانے کے خواہاں تھے تاکہ چیک پوسٹ پر وقت ضائع نہ ہو۔ ہم رکے بغیر ان کے پیچھے چیک پوسٹ سے گزر جائیں۔

میں نے اس تجویز سے فوری اتفاق کرلیا۔ سلطان شاہ نے اپنی گاڑی کی رفتار قدرے کم کی اور اسے بائیں طرف دبالیا۔ ایس ٹی ایف والوں کی کرولا زن سے ہم سے آگے نکل گئی۔

ایس ٹی ایف کے اہل کار فوجی جوانوں کے لیے اجنبی نہیں تھے۔ وہ رکے بغیر، محض رفتار قدرے کم کرکے آگے نکل گئے۔ وہاں سے گزرتے ہوئے ان میں سے کسی نے فوجی سنتری کو ہماری گاڑی کے بارے میں بتادیا تھا اس لیے ہمارے گزرنے تک رکاوٹ اٹھی رہی۔ فوجی نے بھی ہمیں ہاتھ کے اشارے سے گزر جانے کا سگنل دے دیا تھا۔

جس طرح فوج میں کور اور ڈویژن سے لے کر یونٹ کی سطح تک ہر چھوٹے بڑے گروپ کا اپنا حفاظتی نظام ہوتا ہے اسی طرح ملٹری چیک پوسٹ سے آگے ہر حساس علاقے میں داخلے کے لیے شاید جا بجا رکاوٹیں موجود تھیں مگر ایس ٹی ایف کی چیک پوسٹ ہمیشہ کی طرح ہمارے لیے کھلی ہوئی تھی۔

کھلے میدان میں گونجنے والی انجنوں کی آوازیں دور سے بیرکوں میں سنی جارہی تھیں۔ ہماری گاڑیاں اول خان کے دفتر کے سامنے پہنچیں تو وہ پہلے سے اپنی بیرک کے برآمدے میں کھڑا ہمارا انتظار کررہا تھا۔ اس سے ہماری آخری ملاقات کو زیادہ وقت نہیں گزرا تھا مگر وہ مجھ سے یوں تپاک سے ملا جیسے برسوں بعد ہماری ملاقات ہورہی ہو۔

وہ میرا ہاتھ تھام کر مجھے اپنے دفتر کی طرف لے گیا۔ اس کے آدمی اسے فوجی سلام کرکے ہماری گاڑی میں پڑے ہوئے قیدی کی طرف متوجہ ہوچکے تھے۔ شاید انہیں پہلے ہی بتادیا گیا تھا کہ قیدی کو اپنے ٹھکانے پر لانے کے بعد اس کے ساتھ کیا سلوک کرنا ہے؟

"تم نے یہ نہیں پوچھا کہ تمہارے آدمیوں کے ساتھ ہم یہاں کیوں چلے آئے" میں نے اس کے دفتر میں داخل ہوتے ہوئے قدرے حیرت سے کہا۔

"میں خود چندن کے انتظار میں یہاں نہ بیٹھا ہوا ہوتا تو تم سے سوال ضرور کرتا۔ مجھے معلوم تھا کہ تجسس تمہیں چین سے گھر نہیں بیٹھنے دے گا۔ تمہاری اور چارلی ون کی گفتگو میرے ریڈیو روم میں سنی گئی تھی اور مجھے معلوم ہوگیا تھا کہ تم یہاں آرہے ہو۔"

میں نے محسوس کیا کہ پچھلی ملاقات کے مقابلے میں اس وقت اول خان کا موڈ خوشگوار تھا لیکن میں اس سے ذاتی نوعیت کا کوئی سوال کرکے اس کی انا کو مجروح نہیں کرنا چاہتا تھا۔ را اور امریکی سی آئی اے کی بڑھتی ہوئی سرگرمیوں کے بارے میں اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے ہوئے وہ عقدہ خود بخود کھل گیا۔ ایس ٹی ایف کے باس نے خود فون کرکے اول خان کو ہدایت کی تھی کہ وہ صبح چیف کلرک لیری کے ساتھ ہونے والے اجلاس میں ایس ٹی ایف کی غیر رسمی نمائندگی کرے۔

اپنے پچھلے تجربے کو مدِنظر رکھتے ہوئے اول خان نے اپنے باس سے یہ اجازت لے لی تھی کہ اگر وہ اپنی مدد کے لیے کسی کو اپنے ساتھ لے جانا چاہے تو لے جاسکے۔

"اب چندن کب تک ہوش میں آئے گا؟" میں نے کرسی پر بے چینی سے پہلو بدلتے ہوئے پوچھا۔

"اس پر زہر کے توڑ آزمائے جارہے ہوں گے۔ کسی بھی لمحے کوئی خوش خبری مل سکتی ہے" اول خان نے بتایا۔

"میرا خیال ہے کہ اس سے پوچھ گچھ کی ابتدا ہم دونوں کو خود کرنی چاہیے" میں نے محتاط لہجے میں کہا۔

اول خان بے ساختہ ہنس پڑا "تم فکر نہ کرو۔ یہ نیک کام ہم ہی سرانجام دیں گے۔ میرے آدمی صرف اسے ہوش میں لانے کی کوششیں کررہے ہیں۔ جیسے ہی وہ اپنی آنکھیں کھولے گا، میرے آدمی مجھے خبر کردیں گے اور ہم اس کے سر پر مسلط ہوجائیں گے۔"

"پھر ٹھیک ہے" میں اطمینان سے ٹانگیں پسار کر صوفے پر نیم دراز ہوگیا۔ اول خان کے کرسیوں والے کرخت مردانہ دفتر میں وہ نرم صوفہ نیا اضافہ تھا۔

"ابھی تک کسی کو کانوں کان بھی بھنک نہیں ملی ہے کہ چندن پر کوئی ناگہانی مصیبت نازل ہونے والی ہے" اول خان نے اپنے اردلی کو چائے لانے کی ہدایت دینے کے بعد کہا "میرا خیال ہے کہ صبح تک ہر طرف یہی بے خبری چھائی رہے گی۔"

"شاید اتنی دیر تک یہ خبر صیغہ راز میں نہیں رہے گی" مجھے اس کی رائے سے اختلاف تھا جو میں نے ظاہر کردیا۔

Downloaded from https://paksociety.com

"اسے تم خاموشی سے اٹھا لائے۔ چوکیدار کو کسی مداخلت کا موقع نہیں مل سکا اور اسے ڈھیر کردیا گیا۔ صبح سے پہلے کس کو معلوم ہوگا کہ چندن غائب ہوچکا ہے؟"

"تم اس کی گرل فرینڈ کو بھول رہے ہو۔۔۔" میں نے اسے یاد دلانا چاہا مگر اس نے میری بات درمیان سے اچک لی۔

"اوہ۔۔۔ اسے تو میں بھول ہی گیا' اس کا کیا حشر ہوا؟"

"اپنا حشر وہ خود خراب کرچکی تھی۔ ہمیں اس کے بارے میں کچھ کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئی" یہ کہہ کر میں نے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ سلطان شاہ کی طرف دیکھا اور اپنی بات جاری رکھی "اس کا بدن بے لباس تھا۔ سلطان شاہ نے بس اتنا کیا کہ اس کے ننگے بدن کو چادر سے ڈھانپ دیا۔"

"ہوں۔۔۔ اول!" اول خان نے تفہیمی انداز میں اپنا سر ہلا کر ایک طویل ہنکارا بھرا اور بولا "وہ لڑکی خبر پھیلا دے گی۔"

"اس لڑکی کے بارے میں سوچ سوچ کر میرا خون کھول رہا ہے" سلطان شاہ نے گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا "اگر وہ بے غیرت مسلمان تھی تو میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ جہاں بھی نظر آئی' اس کا نرخرا دبادوں گا۔ بعد میں جو ہوگا وہ دیکھ لیا جائے گا۔"

"اپنا دماغ ٹھنڈا رکھو" میں نے اسے گھورتے ہوئے سختی سے کہا "اس بات پر تاؤ کھانے کی کوئی ضرورت نہیں کہ ایک مسلمان لڑکی کسی غدار ہندو کی عیاشی کا ذریعہ بنی ہوئی تھی۔ میری یہ بات یاد رکھو کہ آوارہ مردوں اور عورتوں کا کوئی مذہب نہیں ہوتا۔ وہ اس جھنجٹ میں پڑے بغیر صرف اور صرف جذبات سے بھنکتے ہوئے جوان جسموں کے طلب گار ہوتے ہیں یا دولت کے حریص۔ ان دو کے سوا انہیں کسی تیسری بات سے غرض نہیں ہوتی۔ مذہب کی بنیاد پر کسی کی آوارگی پر مشتعل ہونا سراسر غلط ہے۔ آوارگی کسی کی بھی ہو' قابلِ نفرت ہے۔"

"خوب!" اول خان نے ہولے سے دوبار تالیاں بجائیں "تم اچھی تقریر کرلیتے ہو۔ لڑکی کے بارے میں میری بات رہ گئی۔"

"میں نے فلیٹ سے نکلتے ہوئے اس بات کا دھیان رکھا تھا کہ بعد میں دروازہ بند کردیا جائے" میں نے اسے بتایا "مگر وہ لڑکی رات بھر بے ہوش نہیں رہے گی۔ رات میں کسی وقت اس کا نشہ اترے گا تو وہ اپنے بوائے فرینڈ کو گھر سے غائب پاکر پریشان ہوجائے گی۔ وہ دیوانہ وار اسے ڈھونڈے گی۔ ناکامی کے بعد اپنا سامان سمیٹ کر خاموشی سے وہاں سے فرار ہوجائے گی تاکہ چندن کی گمشدگی کے سلسلے میں اس پر کوئی الزام نہ آسکے۔"

"الزام نہ بھی آیا تو اسے تفتیش میں ضرور شامل کیا جائے گا اور چھوٹے اخبار تصویروں کے ساتھ اس کا نام اچھالیں گے۔" سلطان شاہ بولا۔

"پھر چندن کے اغوا کی خبر کون پھیلائے گا؟" اول خان کا وہ سوال منطقی تھا۔

"چوکیدار ہوش میں آتے ہی پورے محلے میں اودھم مچادے گا اور لوگ اپنے اپنے گھروں سے باہر نکلنے پر مجبور ہوجائیں گے۔ اس وقت تک چندن کی گرل فرینڈ اس کے فلیٹ میں ہو یا جاچکی ہو' پڑوسیوں کی مدد سے یہ بات کھل جائے گی کہ چندن اپنے فلیٹ سے غائب ہے" میں نے جواب دیا۔

"کھل جائے۔۔۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا کہ اسے تم اٹھا لائے ہو۔"

اسی وقت اول خان کا اردلی چائے کی ٹرے لے آیا اور ہم تینوں کی توجہ اس کی طرف مبذول ہوگئی۔

ہم جو کچھ کہہ رہے تھے وہ ہمارے قیاسات پر مبنی تھا۔ اصل حالات وقت گزرنے کے ساتھ واضح ہوسکتے تھے۔ چندن کے ہوش میں آنے کے انتظار میں ہم باتوں میں وقت گزارتے رہے لیکن میں اس دوران میں بھی ان سوالات کو اپنے ذہن میں یک جا کررہا تھا جو چندن سے پوچھے جانے تھے۔ چندن کراچی میں بھارتی قونصل خانے کا ملازم تھا اور پاکستانی شہریت کا حامل تھا۔ حب الوطنی کا جذبہ اسے چھو کر بھی نہیں گزرا تھا۔ اسی وجہ سے دہلی میں بیٹھے ہوئے را کے بڑے افسران رازدارانہ مراسلت کے لیے اس پر آنکھیں بند کرکے اعتماد کرتے تھے۔ کراچی میں پھیلے ہوئے را کے نیٹ ورک میں چندن گرنانی کی جو بھی حیثیت رہی ہو' ایک بات طے تھی کہ اس کے فون یا فیکس پر کوئی غیر معمولی سہولت دستیاب نہیں تھی۔

وہ میرا اندازہ نہیں تھا بلکہ حقائق اس کی تصدیق کررہے تھے۔ وہ پوری بے فکری کے ساتھ ایک بیمار ہندو وکیل کا فون نمبر چرا کر استعمال کررہا تھا۔ اس نمبر پر وہ صرف مخصوص اوقات میں کالز وصول کرتا تھا۔ غیر متعلقہ کالز سے بچنے کے لیے اس نے یہ اصول اپنایا ہوا تھا کہ بارہ گھنٹیاں بجنے کے بعد ریسیور اٹھاتا تھا۔ اسے کوئی غیر معمولی مواصلاتی

Downloaded from https://paksociety.com

تحفظ دستیاب ہوتا تو اسے بارہ گھنٹیوں والی شرط عائد کرنے اور دوسرے کا فون چرا کر استعمال کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔

ڈیڑھ بجے کے قریب میں نے چندن کے گھر فون کرنے کا فیصلہ کرلیا تاکہ وہاں پائی جانے والی صورتِ حال کے بارے میں کچھ اندازہ لگاسکوں۔ اول خان اور سلطان شاہ میں سے کسی نے میرے اس فیصلے پر اعتراض نہیں کیا اور میں نے اول خان کی میز پر رکھا ہوا فون اپنے قریب کھسکالیا۔

ریسیور میں پہلی گھنٹی بجنے کی آواز آئی۔ دوسری گھنٹی مکمل ہونے سے پہلے ریسیور اٹھالیا گیا۔

چندن گھر پر نہیں تھا۔ کسی اور کو بارہ گھنٹیوں والے اصول کا علم نہیں تھا۔ وہاں جو کوئی بھی تھا اس نے تجسس، اضطراب اور نامعلوم خوف سے مغلوب ہوکر دوسری گھنٹی پر فون کا ریسیور اٹھالیا تھا پھر میرے کان میں ایک سرسراتی ہوئی، خوف زدہ نسوانی آواز گونج اٹھی "ہیلو..... کون بول رہا ہے؟" آواز میں خمار کے گہرے اثرات رچے ہوئے تھے۔

"تمہارے منحوس عاشق کا والد بزرگوار!" میں نے تلخی سے کہا "تم اب تک وہیں مری ہوئی ہو۔"

شراب کے اثرات اس کے ذہن سے صاف نہیں ہوئے تھے۔ وہ ڈری ہوئی تھی۔ میرے پُر اعتماد لب ولہجے سے نہ جانے کیا سمجھی کہ مرعوب ہوگئی اور ریسیور پر اس کی رو دینے والی آواز سنائی دی "میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ میں کیا کروں۔ میں یہاں پھنس کر رہ گئی ہوں۔ باہر گڑبڑ ہوگئی ہے۔ بہت سے لوگ جمع ہیں۔ اگر تم کچھ کرسکتے ہو تو رام کے لیے جلد از جلد یہاں آکر مجھے نکال لو۔ میں بھول کر بھی دوبارہ چندن سے نہیں ملوں گی۔"

اس نے بھول کر بھی یہ جاننے کی کوشش نہیں کی تھی کہ چندن اس وقت کہاں اور کس حال میں تھا۔ نشے کی گرفت میں ہونے کے باوجود اسے صرف اپنی فکر تھی۔ دوسری اہم تر بات یہ ہوئی کہ میں اس کی زبان سے رام کا نام سن کر حیران رہ گیا۔ میں نے سلطان شاہ کو اشتعال سے روکنے کے لیے مذہب اور آوارہ مزاجی کے حوالے سے بہت کچھ کہہ ڈالا تھا مگر چندن کی گرل فرینڈ کی زبان سے رام کا لفظ سنتے ہی میری تجسس کی رگ بھڑک اٹھی اور میری زبان بے ساختہ چل پڑی "تمہارا نام کیا ہے؟ تم کون ہو؟"

"میرا نام شنزادی ہے، میں ایک غریب ہندو لڑکی ہوں۔" اس نے درمیان میں میلوں فاصلہ ہونے کے باوجود گویا میرا ذہن پڑھ کر جواب دیا۔

اس کا جواب سن کر مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے وجود میں ٹھنڈک کی ایک فرحت انگیز سی لہر دوڑ گئی ہو۔ اس سے مجھے مزید کچھ معلوم نہیں ہوسکتا تھا۔ اسے فون کرنے کا مقصد حاصل ہوچکا تھا۔ مضروب چوکیدار کے کھڑے کیے ہوئے ہنگامے کی وجہ سے شنزادی، چندن کے فلیٹ میں محصور ہوکر رہ گئی تھی۔

"جس طرح بھی ہوسکے وہاں سے نکل بھاگو ورنہ آدھے گھنٹے بعد تم زندہ نہیں رہو گی۔" میں نے ڈراؤنی آواز میں اسے دھمکایا۔

"تت..... تم کون ہو؟ پچ..... چندن کہاں ہے؟" میری دھمکی سن کر اس نے سہمی ہوئی آواز میں پہلی مرتبہ ڈھنگ کے سوال کیے۔

میں نے اس کے سوالوں کے جواب دیے بغیر فون بند کردیا۔

"کیا نام بتایا تھا اس نے اپنا؟" فون بند ہوتے ہی سلطان شاہ پر تجسس انداز میں پوچھ بیٹھا۔

مجھے اس کے سوال کا سبب معلوم تھا۔ اس کے دل میں ایک خلش سی تھی جو محض نام سے دور نہیں ہوسکتی تھی کیونکہ وہ ایک عام سا نام تھا جو مذہب کی عکاسی نہیں کرتا۔ کئی مسلمان شنزادیوں کے سوا میرے ذہن میں اس بانکی عورت کی یاد بھی تازہ تھی جو نام کی شنزادی ہی تھی مگر داؤد کے دفتر میں صفائی کا کام کرتی تھی۔ میں نے نرمی سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا "غصہ تھوک دو۔ اس کا نام شنزادی ہے اور وہ ہندو ہے۔ چندن نے مرنے سے پہلے جو کچھ کیا، اپنی ہم مذہب کے ساتھ کیا۔ تم کو اس پر معترض ہونے کا کوئی حق نہیں ہے۔"

"حیرت ہے کہ وہ لڑکی بہت جلد ہوش میں آگئی۔" اول خان نے مسکراتے ہوئے کہا "میں سوچ رہا تھا کہ بارہ کیا، پچاس گھنٹیوں کے بعد بھی تمہیں چندن کے فلیٹ سے کوئی جواب نہیں ملے گا۔"

"شبہ مجھے بھی تھا مگر حرکت میں برکت ہوتی ہے۔ تم دیکھ لو کہ میری کوشش بارآور ثابت ہوئی۔"

"لڑکی سے بات کرنے سے کیا فائدہ ہوا؟" سلطان شاہ نے مجھ سے پوچھا۔

"پہلا فائدہ یہ ہوا کہ اس کے مذہب کے بارے میں جان کر تمہارے دل کی پھانس نکل گئی۔ دوسری طرف ہمیں یہ معلوم ہوگیا کہ اس وقت وہاں کیا ہورہا ہے۔ اب یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ چندن کے سرپرستوں کو صبح ہونے سے پہلے

Downloaded from https://paksociety.com

اس کے اغوا ہو جانے کی خبر مل جائے گی۔" میں نے کہا۔

"ایک طرح سے یہ اچھا ہی ہوگا۔ یہ بات طے ہے کہ صبح کے آف دی ریکارڈ اجلاس میں لیری کسی بڈھے طوطے کی طرح وہی باتیں دہرائے گا جو را اور سی آئی اے کے مفاد میں جاتی ہیں۔ اجلاس میں کچھ تلخی ترشی بھی ہو سکتی ہے۔ اس کے بعد چندن کے اغوا کی خبر نکلتی تو بھارتی اسے کسی انتقامی کارروائی کا نام دے سکتے تھے۔" اول خان نے کہا۔

"وہ تنگ نظر اور متعصب ہیں۔ اب بھی کچھ نہ کچھ گند پھیلائیں گے۔" سلطان شاہ نے اپنا سر جھٹک کر کہا۔

"گند اور حقیقت میں بہت فرق ہوتا ہے۔" اول خان اس گفتگو سے محظوظ ہو رہا تھا "اس وقت کی سب سے بڑی حقیقت یہ ہے کہ بھارتی قونصل خانے کا ایک مقامی ملازم ہماری قید میں موجود ہے۔"

"اسے بھارتی قونصل خانے کا مقامی ملازم نہیں' پاکستان کا غدار کہو۔" سلطان شاہ نے نفرت اور حقارت سے جواب دیا اور جذباتی انداز میں فرشی قالین پر ہاتھ مار کر اپنی بات جاری رکھی "اس زمین نے ہمیں جو کچھ دیا ہے' ہم اپنی جانیں نثار کر کے بھی اس کا کوئی حصہ نہیں لوٹا سکتے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ کیسے لوگ ہوتے ہیں جو اپنی مٹی کا قرض اتارنے کے بجائے اسی مٹی کے سودے چکانے لگتے ہیں۔"

"چندن سے ملو گے تو یہ باریکی بھی تمہاری سمجھ میں آجائے گی۔" میں نے نرمی سے کہا اور سلطان شاہ نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔

تھوڑی دیر بعد اسٹیشن فور کے گارڈ روم سے اردلی کے ذریعے یہ خبر آئی کہ قیدی ہوش میں آرہا تھا۔

ہم تینوں اس اہم ترین خبر کے انتظار میں اپنا وقت گزار رہے تھے۔ چندن کے ہوش میں آجانے کے بعد ہمارے بیٹھے رہنے کا کوئی جواز نہیں تھا۔ اول خان کی قیادت میں ہم بیرک کے اس مخصوص کمرے کی طرف چل دیے جہاں چندن کو لے جایا گیا تھا۔

عام حالات میں فوجیوں کے معمولات بہت لگے بندھے ہوتے ہیں۔ ان کی سرگرمیوں کا آغاز صبح سویرے ہو جاتا ہے۔ اس لیے فوجی آبادیوں اور چھاؤنیوں میں رات کا سکوت جلد ہی اتر آتا ہے۔ اس وقت ایس ٹی ایف کے پورے کیمپ میں روح پرور سناٹے اور خاموشی کا راج تھا مگر اول خان کے دفتر والی بیرک کے آخری سرے پر خاصی چہل پہل نظر آرہی تھی۔

ان دنوں ایس ٹی ایف والے کسی وردی کے بجائے عام شہری لباس استعمال کر رہے تھے مگر اس لباس میں بھی ایسی خوش گوار یکسانیت تھی کہ مجھ جیسے قریبی لوگ انہیں دور سے پہچان سکتے تھے۔ ان میں سے تین افراد اپنے بھرے ہوئے ہتھیار ہاتھوں میں لیے برآمدے میں موجود تھے۔ انہوں نے ایڑیاں بجا کر اپنے چیف کو سیلیوٹ کیا اور اول خان انہیں جواب دیتا ہوا کھلے ہوئے اکلوتے دروازے میں داخل ہو گیا۔

اس کمرے میں قدم رکھتے ہی مجھے پہلا ذہنی جھٹکا لگا۔ میرا اندازہ تھا کہ چندن کو کسی بستر پر ڈال کر ہوش میں لانے کی کوشش کی جا رہی ہوگی مگر مسہری پر لگا ہوا بے داغ اور سفید بستر خالی تھا۔ چندن کنکریٹ کے کھردرے فرش پر اکڑوں بیٹھا خوف زدہ نظروں سے ان دونوں افراد کو دیکھ رہا تھا جو اس کے سامنے کھڑے ہوئے تھے۔ پورا فرش گیلا ہو رہا تھا۔ قریب ہی ٹھنڈے پانی کی ایک بالٹی' ڈونگے سمیت رکھی ہوئی تھی۔ چندن کے سر کے بالوں سے ٹیکر تک ہر چیز پانی میں نہائی ہوئی تھی۔ صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ ہوش میں لانے کے لیے اسے فرش پر ڈال کر اس کے منہ اور بدن پر دل کھول کر ٹھنڈا پانی ڈالا گیا تھا۔

"سر!" کمرے میں موجود ایک آدمی نے اول خان سے مخاطب ہو کر کہا "جب سے یہ ہوش میں آیا ہے' اس نے ایک ہی رٹ لگائی ہوئی ہے کہ تم لوگ کون ہو اور اس وقت میں کہاں ہوں۔" اس وقت چندن کی نظریں میرے اور اول خان کے چہرے پر مرکوز تھیں۔ اس کا سارا نشہ ہرن ہو چکا تھا۔

"تم لوگ کیوں نہیں بتاتے۔" چندن غصے اور بے بسی کے ملے جلے جذبات کے ساتھ غرایا "میرا کیا جرم ہے۔ تم لوگ مجھے کیوں اٹھا لائے ہو۔ میں ایک ذمے دار سفارتی افسر ہوں۔ تم میرے ساتھ کوئی من مانی نہیں کر سکتے۔"

"سفارتی افسر سے پہلے تم پاکستانی شہری ہو۔" اول خان نے اپنے آدمیوں کو چلے جانے کا اشارہ کرنے کے بعد چبھتی ہوئی آواز میں کہا "تمہاری سرگرمیاں....."

اول خان راست گو آدمی تھا۔ وہ چندن کو سب کچھ صحیح بتانے جا رہا تھا۔ میں نے چندن کے چہرے سے اندازہ لگا لیا کہ وہ ڈھیٹ اور ضدی قسم کا آدمی تھا۔ اسے آسانی سے راہِ راست پر لانا ممکن نہیں تھا۔ اسے کوئی چکما دے کر سچ بولنے پر آمادہ کیا جا سکتا تھا۔ میں نے اول خان کی بات درمیان سے اچک لی اور اس کے کہے ہوئے الفاظ کے تسلسل کو برقرار

Downloaded from https://paksociety.com

رکھتے ہوئے جواب دیا "تمہاری سرگرمیاں ہمارے حق میں نہیں ہیں۔ تمہاری طرح ہم بھی پاکستانی ہیں۔ ہمیں یہاں اپنے طور طریقوں سے زندہ رہنے کا پورا حق ہے۔ جب یہاں کا قانون ہماری راہ نہیں روکتا تو تم کیوں ہمارے پیچھے پڑے ہوئے ہو۔"

"مجھے پتا نہیں کہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ کوئی بات کرنا چاہتے ہو تو پہلے مجھے اپنے بارے میں بتاؤ۔"

"اگر تم از خود تعارف پر مصر ہو تو پھر یہ بھی سہی۔" میں نے سر ہلا کر سلطان شاہ کو اشارہ کیا جو چندن کے قریب کھڑا دانت پیس رہا تھا۔ اسے غصہ آرہا تھا کہ ہم لوگوں نے اسے ادھیڑنے کے بجائے مذاکرات کا سلسلہ شروع کردیا تھا۔

سلطان شاہ اس سے بہت زیادہ ناخوش تھا۔ اس سے پہلے کہ چندن تعارف کا مفہوم سمجھتا' سلطان شاہ کی لات چل گئی۔ اکڑوں بیٹھے ہوئے چندن کی ٹانگوں کے درمیان سے وہ ٹھوکر اس بری طرح اس کے بدن کے نچلے حصے پر پڑی کہ وہ ایک بے ساختہ اور کریہہ چیخ کے ساتھ پیچھے الٹ گیا۔

سلطان شاہ کی دوسری ٹھوکر نے اس کی داہنی پسلیاں ادھیڑ ڈالیں۔ چندن نے یہ اندازہ لگانے میں تاخیر نہیں کی کہ اس کے ستارے بری طرح گردش میں آئے ہوئے تھے۔ وہ صحت مند اور جی دار آدمی تھا۔ بچوں اور ہتھیلیوں کا سہارا لے کر حیرت ناک سرعت سے اپنے قدموں پر کھڑا ہوگیا۔ سلطان شاہ چاہتا تو اس پر تابڑ توڑ وار کرکے اسے فرش سے اٹھنے مہلت نہ دیتا لیکن وہ چندن سے کھلا مقابلہ کرکے اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کے موڈ میں نظر آرہا تھا۔

چندن کے اٹھتے ہی وہ گھونسا تان کر اس کی طرف جھپٹا۔ اگر اسے موقع مل گیا ہوتا تو وہ یقیناً چندن کا جبڑا ہلا کر رکھ دیتا لیکن اسی لمحے یہ نکتہ واضح ہوا کہ چندن باکسر بھی تھا۔ اس نے اپنی دونوں کہنیاں چہرے کے سامنے لاکر سلطان شاہ کا وار روک لیا۔

سلطان شاہ اس ناکامی پر جھنجلا کر غضب ناک ہوگیا۔ چندن کو موقع مل گیا اور اس نے سلطان شاہ کے بائیں جبڑے پر ایک جان دار مکا رسید کردیا۔

وہ ضرب شدید تھی۔ مجھے یقین تھا کہ سلطان شاہ کو تارے نظر آگئے ہوں گے۔ حریف سے مار کھا کر وہ بپھرے ہوئے انداز میں بڑھا اور نتائج کی پروا کیے بغیر چندن کو بے رحمی سے اپنے بازوؤں میں دبوچ لیا۔ اس بار بدقسمتی سے چندن کے دونوں ہاتھ بھی اس کی گرفت میں پھنس گئے تھے۔

وہ عجیب پوزیشن بس چند لمحوں تک برقرار رہی۔ ان دونوں میں سے کوئی بھی اپنے ہاتھ استعمال کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔ سلطان شاہ نے وحشیانہ انداز میں چندن کے چہرے پر زور دار ٹکر رسید کی۔ اس کے حلق سے ایک بے ساختہ چیخ نکلی اور اس کی ناک سے خون بہہ نکلا۔

اس بار سلطان شاہ نے اپنے حریف کو سنبھلنے کا موقع نہیں دیا۔ پے در پے کئی ٹکریں مار کر چندن کو حواس باختہ کردیا۔ میں غور سے جائزہ لے رہا تھا کہ اس خون ریز مقابلے میں سلطان شاہ نے ایک گھونسے کے سوا کوئی مار نہیں کھائی تھی لیکن ان دونوں کے چہرے خون میں تر ہو چکے تھے۔ چندن بری طرح لہولہان ہو چکا تھا۔ اس کے زخموں سے بہنے والے جان دار خون نے سلطان شاہ کے چہرے کو بھی رنگین کردیا تھا۔

چھ سات ٹکروں میں ہی چندن کے سارے کس بل نکل گئے۔ اس نے اپنے ہاتھ چھڑانے اور سلطان شاہ کی گرفت سے نکل جانے کے لیے سارے جتن کر ڈالے مگر کامیاب نہ ہوسکا۔ اس وقت سلطان شاہ جونک بن کر اس سے لپٹا ہوا تھا۔ وہ اس وقت را کے ایک اہم ایجنٹ سے برسرپیکار تھا اس لیے اس کے سر پر خون سوار ہو چکا تھا۔ ذرا سی دیر میں چندن نڈھال ہوگیا۔ عارضی طور پر اس میں مقابلے کی سکت نہیں رہی تھی۔ اسے سانس لینے کا موقع مل جاتا تو شاید وہ اپنی توانائیاں مجتمع کرکے مزید کچھ دیر کے لیے سلطان شاہ کا مقابلہ کرلیتا۔ وہ سلطان شاہ سے کم تر نہیں تھا لیکن اس کے جذبے کا مقابلہ کرنا چندن کی بساط سے باہر تھا۔

"اسے چھوڑ دو!" میری دخل اندازی سے پہلے اول خان نے سلطان شاہ کو ہدایت کی "ورنہ یہ مرجائے گا۔"

سلطان شاہ کا جوش و خروش اپنی جگہ مگر وہ ڈسپلن کے مفہوم سے اچھی طرح آشنا تھا۔ اسے یہ بھی معلوم تھا کہ پوچھ گچھ کیے بغیر چندن کو مار ڈالنا ہمارے مفاد میں نہیں تھا۔ اول خان کے حکم پر اس نے کسی روبوٹ کی طرح عمل کیا اور چندن کو چھوڑ دیا۔

وہ سنگ دلانہ گرفت سے رہائی پاتے ہی کئی بار لڑکھڑایا لیکن کسی نہ کسی طرح اپنے قدموں پر کھڑا رہنے میں کامیاب ہوگیا۔

"جاؤ اور جاکر ہاتھ منہ دھولو۔ اس کے خون کے چھینٹوں نے تمہارا چہرہ گندا کردیا ہے۔" اول خان نے سلطان شاہ کو مشورہ دیا۔

"یہ ہمارا ہلکا سا تعارف ہے۔ اب شرافت سے بتاتے چلے جاؤ کہ یہاں تم کیا بدمعاشیاں کررہے ہو۔" میں نے

Downloaded from https://paksociety.com

چندن سے کہا۔

"میں کچھ نہیں کررہا۔ ایک معزز سفارتی افسر کے ساتھ یہ زیادتیاں تمہیں مہنگی پڑیں گی۔" اس نے فرش پر خون تھوکتے ہوئے جواب دیا۔

"اس بھول میں نہ رہنا کہ تم پولیس یا کسی ایجنسی کے قبضے میں ہو۔ ہم اپنے شکار کو قانون اور عدالتوں میں لے جانے کا بکھیڑا نہیں پالتے۔ اپنے فیصلے خود کرتے ہیں اور بارودی گولیوں سے انہیں عملی جامہ پہنادیتے ہیں۔ یہ بتاؤ کہ ڈینی کے بارے میں تم کیا کررہے ہو۔"

خون آلود پیشانی اور چہرے پر اس کی آنکھیں بھیانک انداز میں پھیل گئیں "تم ڈینی کے ساتھی ہو؟" اس کے ہونٹوں سے سرسراتی ہوئی آواز نکلی۔

"ساتھی نہیں' ہم اس کے خون کے پیاسے ہیں۔" میں نے اس کا سوال سنتے ہی قلابازی کھانے کا فیصلہ کرلیا۔

"ہم بھی اس کے دوست نہیں ہیں۔ دونوں کا مقصد ایک ہے پھر تم مجھے کیوں اٹھالائے؟"

اول خان کے آدمی ہم لوگوں کے لیے کمرے میں تین کرسیاں لے آئے' میں اول خان کے ساتھ بیٹھ گیا۔ سلطان شاہ منہ دھونے اور خون کے داغ صاف کرنے کے لیے گیا ہوا تھا۔

"وہ ہمارا شکار ہے۔ کوئی دوسرا اس کے قریب نہیں پھٹک سکتا۔"

"اگر صرف اتنی سی بات ہے تو تم نے بلاوجہ مار مار کر میرا اتنا خون بہادیا۔ اس سے تمہاری کیا دشمنی ہے۔"

"دشمنی ہے نہ دوستی۔ ہمیں ایک ملین ڈالر کی انعامی رقم کی سخت ضرورت ہے۔"

"پھر تو ساری بات ختم ہوگئی۔" اس نے شہادت کی انگلی سے اپنا رخسار کھجاتے ہوئے جواب دیا "ہمیں ڈینی کی ضرورت ہے۔ تمہیں رقم کی۔ ہم لوگ مل جل کر کام کرسکتے ہیں لیکن میں حیران ہوں کہ اس چکر میں تم مجھ تک کیسے پہنچ گئے۔"

وہ خاصا سخت جان تھا۔ ناک' پیشانی اور رخساروں کے زخموں سے بہنے والے خون نے اس کا چہرہ رنگا ہوا تھا۔ ان زخموں میں تکلیف کا ہونا بھی ایک فطری امر تھا لیکن کام کی بات نکلتے ہی اس نے گویا اپنے زخموں کو یکسر فراموش کردیا تھا۔

اس نے حاضر دماغی سے کام لیتے ہوئے مجھ سے جو سوال کیا تھا' اس نے چند لمحوں کے لیے مجھے چکرا کر رکھ دیا۔ یہ واقعی سوچنے والی بات تھی کہ ہمیں ڈینی کی تلاش تھی تو ہم نے اس پر کیوں ہاتھ ڈالا تھا۔ اس کے اگلے زوایے کا انحصار کلی طور پر میرے جواب پر ہوتا۔

میں ذرا سی دیر کے لیے الجھا پھر مجھے ایک کہانی سوجھ گئی "تم کسی مظہر کو جانتے ہو؟ اس کا نام مظہر خان ہے۔" میں نے پوچھا۔

میری زبان سے مظہر خان کا نام سن کر وہ چونک پڑا "تم اسے کیسے جانتے ہو؟" الٹا اسی نے مجھ سے سوال کردیا۔

"وہ شہر میں ڈینی کے بارے میں پوچھ گچھ کرتا پھر رہا تھا۔ مجھے سن گن مل گئی اور میں نے خاموشی سے اسے اٹھوالیا۔ بندوں کو اٹھوانا میرا پرانا اور خاص کام ہے۔ وہ بہت بزدل اور کم ہمت آدمی نکلا۔ چار چوٹ کی مار پڑی تو اس نے سب اگل دیا اور ہم تمہارے گھر پہنچ گئے۔"

"سالا' حرام زادہ!" چندن کے منہ سے بے ساختہ نکلا "میرے بارے میں اس نے تمہیں کیا بتایا؟"

"تم را کے ایجنٹ ہو۔ وہ بھی دہلی کے کسی اہل اور نرلیش کے لیے کام کررہا تھا مگر وہ دونوں مار دیے گئے۔" میں نے سرسری لہجے میں کہنا شروع کیا "کراچی میں وہ تم کو جواب دہ ہے مگر جان کے خوف سے روپوش تھا۔ روپوشی کے باوجود وہ ڈینی کی تلاش میں لگا ہوا تھا۔ تم سے اس کا فون اور فیکس پر رابطہ تھا۔"

"فون اور فیکس کی بات درست ہے مگر اس کو میرا نام اور پتا معلوم تھا نہ اس نے کبھی مجھے دیکھا پھر تم مجھ تک کیسے پہنچ گئے؟" مار کھانے کے بعد اس کے اوسان بحال ہوچکے تھے اور اس کا ذہن پوری طرح کام کررہا تھا۔

اسی وقت سلطان شاہ منہ ہاتھ دھوکر واپس آیا اور خاموشی سے تیسری کرسی پر بیٹھ گیا۔

چندن کے بدن میں خاصا صحت مند خون دوڑ رہا تھا۔ بہ مشکل چند منٹ گزرے ہوں گے لیکن اس کے تکلیف دہ زخموں سے خون کا رساؤ بند ہوچکا تھا۔ ہر زخم کے دہانے پر خون کے جمے ہوئے لوتھڑے یہ نشاندہی کررہے تھے کہ اس کا مختصر سا چہرہ کم از کم چار مقامات سے پھٹ گیا تھا۔

میرا ذہن بہت تیزی سے کام کرنے میں مصروف تھا۔ میں نے مسکراتے ہوئے کہا "اغوا کرکے تاوان وصول کرنے والے ایسے سراغوں پر کام کرنے میں ماہر ہوتے ہیں۔ تمہارا فون نمبر جعلی ہے۔ وہ سنی کمار نامی کسی وکیل کے دفتر کا فون نمبر ہے۔ سنی بیمار ہے اس کا دفتر مہینوں سے بند پڑا ہوا ہے۔ فیکس نمبر تمہارے نام اور پتے پر ہے۔ وقت اور کچھ پیسے

Downloaded from https://paksociety.com

خرچ کر کے ہم نے تمہیں تلاش کرلیا۔ اب یہ نہ کہنا کہ ہم سے کوئی چوک ہوئی ہے یا تم کچھ نہیں جانتے۔"

"میں تم سے جھوٹ نہیں بولوں گا۔" چندن نے ایک گہرا سانس لے کر تھکی ہوئی آواز میں کہا "تم کام کے آدمی معلوم ہوتے ہو... اگر برا نہ مانو تو میرے لیے بھی ایک کرسی منگوالو۔ میں کھڑے کھڑے تھک گیا ہوں' بیٹھ کر تم سے اطمینان سے باتیں کرسکوں گا۔"

میرے چہرے پر رضامندی کے آثار دیکھ کر اول خان نے اپنے ایک آدمی کو آواز دے کر کرسی لانے کی ہدایت دے دی۔ اسے اندازہ ہوگیا تھا کہ میں نے چندن کو شیشے میں اتارنے کے لیے تشدد کے بعد فریب دہی کی راہ اختیار کرلی تھی جو بار آور ہوتی نظر آرہی تھی۔

"مظہر میرے لیے کام کررہا ہے لیکن وہ بہت بزدل آدمی ہے۔ کسی بھی قیمت پر سامنے آنے پر آمادہ نہیں ہے۔ ڈینی سے پہلے میں اس کا کھوج لگانا چاہتا ہوں۔ اس کے لیے میں تمہیں منہ مانگی رقم دینے کے لیے تیار ہوں۔" کچھ توقف کے بعد چندن نے اپنی بات پوری کرڈالی۔

"کمال ہے۔ وہ تمہارا آدمی ہے اور تم مجھ سے اس کا سودا کرنا چاہ رہے ہو!" میں نے حیرت سے کہا۔

"میں نے کہا ناکہ وہ میرا آدمی ضرور ہے مگر اس وقت ڈرا ہوا ہے۔ سمجھ رہا ہے کہ سامنے آیا تو پکڑا جائے گا..."

"آدمی بلاوجہ خوف زدہ نہیں ہوتا۔ اس کے خوف کی کوئی نہ کوئی وجہ ضرور ہوگی۔" میں نے سب کچھ جانتے بوجھتے ہوئے بھی انجان بن کر سوال کیا تاکہ میری کہانی میں کوئی جھول باقی نہ رہے۔ چندن مجھے اپنی توقع سے زیادہ چالاک اور بے خوف نظر آرہا تھا۔

"دہلی میں پیش آنے والے کچھ واقعات کے سلسلے میں اس سے پوچھ گچھ کی ضرورت محسوس کی جارہی ہے۔" چندن نے مجھے اندھیرے میں رکھنے کی کوشش کی جس سے ظاہر ہورہا تھا کہ وہ مجھے ڈینی اور مظہر سے الگ' کوئی تیسری شخصیت ہی تصور کررہا تھا۔

"یہ پوچھ گچھ راو والے کریں گے؟" میں نے سوال کیا۔

"ان کی شدید ترین خواہش یہی ہے کیونکہ مظہر کی دہلی موجودگی کے آخری لمحات میں اچانک ان کے دو اہم افسر مار دیے گئے۔"

"وہ ان وارداتوں کا کھوج لگانا چاہتے ہیں!" میں نے تفہیمی انداز میں سرہلاتے ہوئے کہا۔

"یہ فطری بات ہے۔ سچ پوچھو تو مجھے امید نہیں تھی کہ مظہر مجھ سے رابطہ کرے گا۔ وہ سرے سے غائب ہوجاتا تو ہم سب کو یہ یقین ہوجاتا کہ وہ ڈینی کے ساتھیوں میں سے ہے اور دہلی میں راکو نقصان پہنچانے میں اس کا بڑا ہاتھ ہے۔"

"تو کیا اب تمہارا یہ خیال بدل چکا ہے؟" میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھا۔

"اب ہم تذبذب کے عالم میں ہیں۔ میری اس سے تفصیلی بات ہوئی ہے۔ میرا اندازہ ہے کہ اس کا خوف دور ہوجائے تو وہ سامنے آجائے گا۔ میں نے اسے سوچنے اور آخری فیصلہ کرنے کے لیے کچھ مہلت بھی دے دی ہے۔"

"پھر بھی تم مجھ سے اس کا سودا کرنا چاہ رہے ہو۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔

اسی وقت ایک آدمی چندن کے لیے کرسی لے آیا۔ وہ ہولے سے کراہتے ہوئے کرسی پر بیٹھ گیا۔

"تمہارے دماغ پر ایک ملین ڈالر سوار ہیں اس لیے یہ باریک باتیں تمہاری سمجھ میں نہیں آسکیں گی۔ یہ سب ڈینی تک پہنچنے کی کڑیاں ہیں۔ اپنی کامیابی کے لیے ہم امریکیوں سے زیادہ رقم خرچ کرسکتے ہیں۔" چند لمحوں کی خاموشی کے بعد اس نے جواب دیا۔

"یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ مظہر کراچی میں ہے تو را والے اس سے کیسے پوچھ گچھ کریں گے۔" میں نے اسے کریدنے کی کوشش جاری رکھی۔

"اس وقت ڈینی کے خلاف ہم سی آئی اے سے مل کر کام کررہے ہیں۔ مظہر ہمارے ہاتھ نہ آیا تو اسے یہاں کی پولیس پکڑلے گی۔ را کی طرف سے سی آئی اے والے اس سے سب کچھ اگلوالیں گے۔ پہلی شرط یہی ہے کہ وہ کسی کے ہاتھ آئے۔ تم اس کے پیسے کھرے کیوں نہیں کرلیتے۔"

"تمہاری یہ باتیں سن کر مجھے ملال ہورہا ہے کہ ہماری پہلے ملاقات کیوں نہیں ہوئی۔ مجھے یہ سب معلوم ہوتا تو میں ایک ملین سے پہلے بھی لمبا ہاتھ مارلیتا۔ مظہر کے لیے پانچ سات لاکھ روپے دے سکتے ہو؟" میں نے حریصانہ انداز میں پوچھا۔

"اسے لے آؤ۔ میں تمہیں دس لاکھ نقد کی گارنٹی دیتا ہوں۔" چندن نے بے چینی سے پیش کش کی۔

"اوہ!" میں نے اپنے دہانے سے ایک تاسف انگیز بے ساختہ سی آواز نکالی "پھر تو میرا بھاری نقصان ہوگیا۔"

"کیوں؟ کیا تم نے پوچھ گچھ کے بعد اسے چھوڑ دیا؟" چندن مضطربانہ انداز میں اپنی کرسی پر پہلو بدل کر بولا۔

"چھوڑنے میں کیا رکھا تھا۔ اسے پھر اٹھالیتا۔ میرا

Downloaded from https://paksociety.com

اصول ہے کہ میں اپنے خلاف کوئی گواہ نہیں چھوڑتا۔ اچھی طرح نچوڑنے کے بعد میں نے اسے مار ڈالا۔"

"یہ تم نے کیا غضب کیا!" چندن نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا "وہ بہت کام کا آدمی تھا۔"

اس کی باتوں سے ثابت ہو رہا تھا کہ وہ مجبوری کے تحت یا لاعلمی میں پاکستان سے غداری نہیں کر رہا تھا۔ وہ را کے اس کھیل کا بہت اہم مہرہ تھا۔ اس کا کہا ہوا ہر لفظ اس کو لمحہ بہ لمحہ موت سے قریب تر لے جا رہا تھا۔

"تم مجھے اپنے کسی بڑے افسر سے ملواؤ۔ تم لوگ دل والے معلوم ہوتے ہو۔ پیسا ملتا رہے تو میں بہت جلد ڈینی کے گریبان پر ہاتھ ڈال دوں گا۔"

"میں کسی سے کم نہیں ہوں۔" چندن نے سر اٹھا کر جواب دیا "جب سے حالات خراب ہوئے ہیں' کراچی میں ہم دو آدمی رہ گئے ہیں جو مقامی مخبر سے کام لیتے ہیں۔ میں زیادہ سے زیادہ تم کو چوپڑہ جی سے ملوا سکتا ہوں۔ ہم تینوں مل بیٹھ کر ہر بات طے کر لیں گے۔"

چوپڑہ جی۔ وہ بھارتی قونصلیٹ میں سفارتی بھیڑیوں کے درمیان چھپے ہوئے را کے ایک سفاک بھیڑیے کا نیا نام تھا جو چندن کی زبانی سامنے آیا تھا۔ میں نے پرسکون رہتے ہوئے پوچھا "تمہارے یہ چوپڑہ جی کون ہیں اور کہاں ہوتے ہیں۔"

"وہ قونصل خانے کے انفارمیشن آفیسر ہیں۔ میں کل ہی تمہیں ان سے ملوا دوں گا۔۔۔ تم یہ بتاؤ کہ مظہر کی لاش کہاں ہے۔" اس کے ذہن پر مظہر کا نام بری طرح سوار تھا کہ وہ کسی طرح اسے بھولنے پر آمادہ نہیں تھا۔

"میوہ شاہ کی ایک پرانی قبر میں اس کی بے کفن لاش پڑی ہوئی ہوگی۔" میں نے پروایانہ سفاکی سے جواب دیا۔

"اب ہمارے درمیان دوستی ہوگئی ہے۔ میں ہر صورت میں تمہیں کچھ نہ کچھ فائدہ پہنچانا چاہتا ہوں تاکہ ہمارا رشتہ مضبوط ہو۔ تم اس کی لاش نکال کر لے آؤ۔ میں تمہیں اس کے بھی دو لاکھ روپے دلوا دوں گا۔" اس نے کسی نئے خیال کے تحت پیش کش کی۔

میرے لیے وہ چونکنے کا موقع نہیں تھا۔ اس کی سوچ کا ہر دھارا بھارت کے رخ بہہ رہا تھا۔ مظہر خان کی لاش بھی بھارتیوں کے لیے کارآمد تھی۔ پاکستان نے سرکاری سطح پر مظہر اور غزالہ کی واپسی کے لیے جو دباؤ ڈالا ہوا تھا' اس کے خاتمے کے لیے مظہر کی لاش بھی کافی تھی۔ اس کی کراچی میں موجودگی ثابت ہوتے ہی بھارتی حکومت دباؤ سے نکل جاتی۔ وہ بہت دور کی بات تھی جو چندن نے بیٹھے بیٹھے سوچ لی تھی۔

"مرا ہوا ہاتھی بھی سوا لاکھ کا تو سنا تھا۔ تم مرے ہوئے مظہر کی بولی دو لاکھ لگا رہے ہو۔ اس میں تمہارا کوئی کمیشن تو نہیں ہے؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"کمیشن بیچ کے آدمی لیتے ہیں۔ میں مالک بن کر تم سے سودا کر رہا ہوں۔ تمہیں پوری رقم ملے گی۔"

شرافت سے کام لے کر اس سے جو کچھ اگلوایا جا سکتا تھا' وہ سامنے آچکا تھا۔ میں نے پینترا بدل کر کہا "مظہر کی لاش بھارتیوں کی ضرورت ہے۔ تم پاکستانی ہو۔ مالک کیسے بن گئے۔ تمہاری حیثیت بیچ کے ایک ذلیل اور بے [redacted] آدمی سے زیادہ نہیں ہے۔"

وہ بھڑک کر کرسی سے اٹھ گیا۔ اس کی آنکھیں حیرت اور خوف سے پھیل گئی تھیں "یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟ کیسی باتیں کر رہے ہو؟"

"اب تک تمہارے ساتھ ڈراما ہو رہا تھا۔" سلطان شاہ نے موقع غنیمت جان کر زبان کھولی "اصل اور صحیح باتیں یہی ہیں۔"

"تم سب فراڈ ہو۔ مجھے گھیر کر دہشت زدہ کر رہے ہو۔ اب میں تمہاری کسی بات پر یقین نہیں کروں گا۔" وہ بوکھلا کر تقریباً چیخ پڑا۔

اس کے تیوروں سے نظر آرہا تھا کہ میرے تیور بدلتے ہی وہ بری طرح وحشت زدہ ہوگیا تھا اور موقع پاتے ہی دروازے کی طرف دوڑ لگا سکتا تھا۔ میں نے پھرتی سے بیم گن اپنی جیب سے نکالی اور کرسی سے اٹھ کر اس پر تان لی۔

وہ کسی کی پروا کیے بغیر دوڑ پڑا۔ میں نے للکار کر اسے روکنے کی کوشش کی مگر اس نے میری ایک نہ سنی۔

اس سے پہلے کہ ایس ٹی ایف کا کوئی جوان عقاب کی طرح اس پر جھپٹتا۔ میں نے ٹیگر کے نیچے سے جھانکتی ہوئی اس کی داہنی پنڈلی پر بیم گن فائر کر کے اپنے ہاتھ کو دائیں سے بائیں طرف خفیف سی جنبش دی اور دوڑتے دوڑتے اس کی وہ پنڈلی گھٹنے سے کٹ کر برآمدے میں اچھل کر دور جا گری۔ چندن چیختا ہوا منہ کے بل فرش پر گر گیا۔

ایک طرف چندن کی کٹی ہوئی زندہ پنڈلی فرش پر پھدک رہی تھی' دوسری طرف چندن کا حال ابتر تھا۔ اس کی کچھ سمجھ میں نہیں آسکا تھا کہ اس کے ساتھ یکایک کیا ہوگیا تھا۔ بیم گن کے ٹھنے سے نوزل سے خارج ہونے والی نیلگوں لیزر شعاعوں نے خون کا ایک قطرہ بہائے بغیر اس کی داہنی ٹانگ کے دو کر دیے تھے۔

اس کے گرنے پر ہم تینوں بھی باہر نکل آئے۔ ایس ٹی

Downloaded from https://paksociety.com

ایف کے چاروں آدمی حیرت اور بے یقینی سے چندن کی تڑپتی ہوئی پنڈلی کو دیکھ رہے تھے۔

"اسے اندر گھسیٹ لاؤ" میں نے ہدایت کی "پنڈلی بے جان ہوجائے تو اسے کہیں ٹھکانے لگا دینا۔"

"تم سب سفّاک درندے ہو" گھسیٹے جانے پر چندن بلبلا اٹھا "اپنے آدمیوں کے بل پر مجھ اکیلے کو ہراساں کررہے ہو۔"

"ان لوگوں کے نام بتاؤ جو یہاں تمہارے لیے کام کرتے ہیں" میں نے سفاکانہ لہجے میں سوال کیا۔

"میں کچھ نہیں جانتا۔ میں تم حرامیوں کو کچھ نہیں بتاؤں گا۔ تم سب بھی ڈینی کے چیلے چانٹے لگتے ہو" وہ کراہتے ہوئے غرایا۔

سلطان شاہ نے اس کے جلے ہوئے گھٹنے پر ٹھوکر ماری۔ وہ تڑپ اٹھا۔ لیزر شعاعوں نے اس کی جلد سے ہڈیوں تک کو اس نفاست سے کاٹا تھا کہ سب کچھ دھواں بن کر فضا میں تحلیل ہوگیا تھا۔ اس زخم سے خون کی ایک بوند بھی نہیں نکلی تھی مگر سلطان شاہ کی ٹھوکر پڑتے ہی اس سیاہ زخم سے خون جاری ہوگیا۔

"تم کسی چیلے سے نہیں، ابھی تک ڈینی عرف مظہر خان سے ہم کلام تھے۔" سلطان شاہ نے کاٹ دار لہجے میں اسے مطلع کیا۔

"ڈڈ ـــ ڈڈ ـــ ڈینی!" چندن کے ہونٹوں سے پھنسی پھنسی اور وحشت ناک آواز برآمد ہوئی۔ اس نے اپنا خون آلود چہرہ فرش سے اٹھا کر میری طرف دیکھا اور پھر مایوسی سے گردن ڈال دی "مجھے معلوم ہے کہ تم مجھے زندہ نہیں چھوڑو گے۔ میرا کھیل ختم ہوگیا۔"

"میں نے تم سے نام پوچھے تھے" میں نے درشت لہجے میں پوچھا۔

"میں کچھ نہیں بتاؤں گا۔ مجھے تم مسلمانوں سے نفرت ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ تم بھی مجھ سے نفرت کرتے ہو اور مجھے مارو گے۔"

"ہم تم سے نفرت نہیں کرتے مگر تمہاری غداری سے ضرور نفرت کرتے ہیں" میں نے بیم گن کو اپنی انگلی پر نچاتے ہوئے تحمل سے جواب دیا۔ "تم پاکستان کے اکلوتے ہندو نہیں ہو۔ یہاں سندھ، پنجاب اور پورے پاکستان میں شاید لاکھوں ہندو رہتے ہیں۔ وہ آرام سے اپنی روزی کماتے ہیں اور سکھ چین سے رہتے ہیں۔ وہ اس زمین کے وفادار ہیں۔ زمین نے ان کو اپنی امان میں لیا ہوا ہے۔ تمہارے جیسی حرکتیں کوئی مسلمان کرے گا تو وہ بھی ہماری اتنی ہی نفرت کا نشانہ بنے گا۔ اپنی حرکتوں کی بات کرو، مذہب کو بیچ میں نہ لاؤ۔"

"مجھ سے بکواس مت کرو۔ میں نے تاریخ پڑھی ہے" وہ حلق کے بل ہذیانی انداز میں چیخا "ہند، ہندو کا تھا، ہندو کا ہے اور ہندو کا ہی رہے گا۔ تم مسلے باہر سے آئے ہوئے حملہ آور ہو۔ تمہارا اس مٹی پر کوئی حق نہیں ہے۔ ہم تمہیں اور تمہارے ناپاکستان کو مسل دیں گے۔"

مجھ سے پہلے سلطان شاہ طرارے میں آگیا اور اس نے بڑھ کر چندن کے محتاج وجود کو ٹھوکروں پر رکھ لیا "کتے! تو اتنی دیر سے ہمیں گالیاں دے رہا تھا مگر ہم برداشت کررہے تھے۔ اب تو نے ہمارے وطن کو گالی دی ہے تو میں تجھے نہیں بخشوں گا، تیرے ٹکڑے اڑا دوں گا۔"

اس کے بدن پر نیکر کے سوا کوئی لباس نہیں تھا۔ شہزادی کی حرارت آگیں اور نرم ونازک آغوش سے نکل کر وہ اچانک اسٹیشن فور کی اس سنگلاخ کوٹھری میں پہنچ گیا تھا جہاں اس پر رحم کھانے والا کوئی نہیں تھا۔ سلطان شاہ کی ہر ٹھوکر سے اس کا بدن ادھڑتا جارہا تھا۔ ننگے بدن پر نیل اور تازہ زخم نمودار ہورہے تھے۔

چندن تکلیف اور اذیت سے تڑپتا اور بلبلاتا رہا لیکن اس کا گھمنڈ نہیں ٹوٹا۔ وہ چیخ چیخ کر ہمیں اور دنیا کے سارے مسلمانوں کو گالیاں دے رہا تھا، کوس رہا تھا۔ وہ ندامت کے اظہار پر آمادہ تھا نہ معافی کا طلب گار تھا۔ اس کے بارے میں میرا واہمہ اندازہ آخر کار صحیح ثابت ہورہا تھا۔

چندن پٹتے پٹتے نڈھال نہیں ہوا۔ وہ حلق پھاڑ پھاڑ کر چیخ رہا تھا۔ شاید اسے امید رہی ہوگی کہ اس کی جگر خراش چیخیں سن کر کوئی نہ کوئی اس کی مدد کو پہنچے گا اور ہم اسے یوں ہی چھوڑ چھاڑ کر بھاگ جائیں گے۔ اسے اندازہ نہیں تھا کہ اسٹیشن فور کی حدود میں فولاد سے بنے ہوئے جوانوں کا نشیمن تھا جن کے دل اپنے دشمنوں کے لیے پتھر تھے۔

آخر کار سلطان شاہ اسے مارتے مارتے تھک گیا اور ہانپتا ہوا پیچھے ہٹ گیا۔

میں نے لمحہ بھر کے لیے سوچا۔ چندن کو زندہ رکھنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ وہ اس قدر ہٹ دھرم اور ضدی تھا کہ کچھ بھی نہ اگلتا۔ اسے باتوں کا فریب دے کر جو کچھ اگلوا لیا گیا تھا وہی کافی تھا۔ اگر اس کی لاش لیری والا اجلاس شروع ہونے سے پہلے منظرِ عام پر آجاتی تو زیادہ بہتر ہوتا۔

"اٹھو اور اپنے ہاتھوں سے اسے کیفرِ کردار کو پہنچادو۔"

Downloaded from https://paksociety.com

میں نے دھیرے سے سلطان شاہ سے کہا۔

اس نے اپنی سرخ اور سلگتی ہوئی آنکھوں سے ایک بار میری طرف دیکھا اور پھر اپنی نظریں جھکالیں۔ کرسی سے اٹھتے ہوئے اس نے اپنی جیب سے ریوالور نکال لیا جو چندن کے اغوا کی مہم سر کرنے کے لیے اس نے گھر سے اپنے ساتھ لیا تھا۔

چندن کی تقدیر کا فیصلہ کرنے کے لیے مجھے کسی رازداری کی ضرورت نہیں تھی پھر بھی میں نے سلطان شاہ کو نیچی آواز میں ہدایت دی تھی مگر قدموں کی بڑھتی ہوئی آہٹیں سننے کے لیے شاید چندن کے کان زیادہ حساس ہو چکے تھے۔ اس نے میری کہی ہوئی بات سن لی اور اس کی زبان سے غلیظ گالیوں کا ایک ثقیل دریا بہہ نکلا۔

سلطان شاہ کی چلائی ہوئی گولی اس کے سینے میں پیوست ہوئی تو اس کی زبان پر ہمارے لیے ماں کی آخری گالی تھی جو موت کی ہچکی میں ادھوری رہ گئی۔ وہ بس چند لمحوں کے لیے فرش پر تڑپا اور پھر بے جان ہو گیا۔

"آج میں نے جتنی گالیاں چندن سے کھائی ہیں' اتنی زندگی بھر نہیں کھائی ہوں گی" سلطان شاہ نے افسوس ظاہر کیا۔

"ہر بات کبھی نہ کبھی زندگی میں پہلی بار ہوتی ہے" اول خان نے پیٹھ تھپکتے ہوئے اسے تسلی دی "آدمی ماں کے پیٹ سے کوئی تجربہ لے کر اس دنیا میں نہیں آتا۔ چندن کی دی ہوئی ان گالیوں میں ہم بھی حصے دار تھے' تم اکیلے نہیں تھے۔"

"اس منحوس کی لاش کو اب کسی گٹر میں پھینک دینا چاہیے" سلطان شاہ نے حقارت سے مشورہ دیا۔

"گرہن ہو جائے گا اور شہر میں گندگی پھیلے گی" میں نے ہنس کر جواب دیا "سب سے پہلے اس کی داہنی ران کا کچھ حصہ کاٹنا ہوگا۔ پھر یہ لاش کسی کنڈی دان میں ڈال دیں گے۔"

"اس مردے کی ران کا کیا' کیا جائے گا؟" اول خان نے بے ساختہ حیرت سے پوچھا۔

"میں امرتسر والی غلطی کا اعادہ نہیں کرنا چاہتا۔ مشتعل ہو کر میں اس پر بیم گن فائر کر بیٹھا۔ یہ غلطی تھی۔ چندن کی لاش جوں کی توں پھینکی گئی تو جھلسا ہوا گھٹنا بہت کچھ ظاہر کردے گا اور ہمارے دشمنوں کو کھل کھیلنے کا موقع مل جائے گا۔"

دونوں نے گہری سنجیدگی کے ساتھ مجھ سے اتفاق کیا۔

اول خان قدرے جھلا بھی گیا کہ ایسی اہم مگر ٹیڑھی باتیں اسے کیوں نہیں سوجھتیں۔

اول خان نے اپنے آدمیوں کو چندن کی لاش کے بارے میں ہدایات دیں۔ لاش سے الگ کیے جانے والے تازہ حصے کو داہنی ٹانگ کے ساتھ کسی محفوظ مقام پر دفن کرنا تھا تاکہ اس کا کبھی بھی سراغ نہ لگایا جا سکے۔ قطع برید کے بعد لاش کو شہر کے کسی کوڑے دان میں ڈال دینا تھا۔

میں مردوں کی بے حرمتی کا کبھی بھی قائل نہیں رہا تھا۔ مرنے کے بعد بڑے سے بڑے حریف سے بھی دشمنی ختم ہو جاتی تھی لیکن چندن کا معاملہ مختلف تھا۔ اس کا لیزر سے جلا ہوا گھٹنا جسم سے الگ نہ کیا جاتا تو پوسٹ مارٹم میں وہ راز فاش ہو جاتا۔ اس کے پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کو بھارت کے سفارتی افسران سے پوشیدہ رکھنا کسی طرح ممکن نہیں تھا۔ ایک بار یہ بات منظر عام پر آجاتی کہ چندن کی ٹانگ بیم گن سے کاٹی گئی تھی تو کراچی میں میری تلاش کی مہم ایک مرتبہ پھر زور پکڑ جاتی جس کے نتیجے میں میری آزادیاں بری طرح متاثر ہو سکتی تھیں۔

سب کچھ طے ہو جانے کے بعد اسٹیشن فور میں ہم تینوں کا کام ختم ہو چکا تھا۔ میں نے اول خان سے رخصت چاہی تو اسے اچانک صبح کا اجلاس یاد آگیا۔

"اگر تم چاہو تو میرے ساتھ اس اجلاس میں شریک ہو سکتے ہو" اول خان نے کہا۔

"میری دلی آرزو ہے کہ میں لیری کے زہریلے خیالات اپنے کانوں سے سنوں لیکن بھارتیوں کے زخم تازہ ہیں۔ میں ابھی دہلی سے واپس آیا ہوں۔ وہاں کسی نے پہچان لیا تو میرے لیے ناقابل تصور دشواریاں پیدا ہو جائیں گی" میں نے فکرمندی سے کہا۔

اول خان ہنس پڑا "معلوم ہوتا ہے کہ چندن گرتانی کو جہنم واصل کرتے ہی تمہارے ذہن پر نیند نے حملہ کر دیا ہے" اس نے یہ کہہ کر اپنی رسٹ واچ پر ایک نگاہ ڈالی اور بات جاری رکھی "اس وقت ڈھائی بج رہے ہیں' یہ گہری نیند کا وقت ہوتا ہے۔"

"میں واقعی تھک گیا ہوں اور غنودگی محسوس کر رہا ہوں" میں نے اعتراف کیا۔

"وہاں لیری کے سوا سب اپنے آدمی ہوں گے۔ تم کو کون پہچانے گا؟ آج کل تمہارے کئی نام چل رہے ہیں' لیری کے لیے ایک نیا نام اور سہی!" وہ بولا۔

"ابھی میں چلتا ہوں۔ صبح فون پر بات ہو جائے گی" میں

Downloaded from https://paksociety.com

نے بات ٹالتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ میں آٹھ بجے تم کو فون کروں گا" یہ کہہ کر اول خان نے مصافحے کے لیے اپنا ہاتھ آگے بڑھادیا۔

اس سے رخصت ہو کر ہم دونوں واپس روانہ ہو گئے۔

○☆○

کمشنر ہاؤس میں بڑی ٹیبل کے گرد ہم سات نفوس بیٹھے ہوئے تھے جن کو لیری کا انتظار تھا۔ ان میں آئی بی کا جلال بھی شامل تھا۔

وہ آف دی ریکارڈ اجلاس لیری کی خواہش پر بلایا گیا تھا اس لیے اس کی آمد سے پہلے کارروائی کے آغاز کا امکان نہیں تھا۔

"میں نے غیر رسمی اجلاسوں میں بارہا شرکت کی ہے۔ یہ آف دی ریکارڈ میٹنگز کا سلسلہ میرے لیے نیا ہے" کرنل غفور نے میز پر ہاتھ ٹکا کر الجھن آمیز لہجے میں کہا "پتا نہیں لیری یہاں آکر ایسی کون سی بات کہنا چاہتا ہے جو ریکارڈ پر نہیں لائی جاسکتی۔"

"یہ لیری کے موضوع سے زیادہ اسپیشل ٹاسک فورس کا مسئلہ معلوم ہوتا ہے" آئی جی نے کہا "تقریباً ایک سال پہلے امریکیوں نے ایسے آف دی ریکارڈ اجلاس کی درخواست کی تھی جسے قبول کرلیا گیا تھا۔ آج وہی واقعہ دہرایا جارہا ہے۔"

"ایس ٹی ایف کی وجہ سے آف دی ریکارڈ اجلاس!" کرنل غفور نے حیرت سے کہا "بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔"

"یار سیدھی سی بات ہے" کرنل شعبان نے گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا "ایس ٹی ایف ہمارے آئین اور قانون سے ماورا فورس ہے جسے کسی فرد واحد نے تخلیق کیا ہے۔ ریکارڈ پر اس کا کہیں وجود نہیں ہے مگر امریکی اپنے انتہائی ترقی یافتہ ذرائع کی وجہ سے اس کے وجود سے باخبر ہیں۔ وہ سرکاری طور پر ہمارے انکار کو تسلیم کرتے ہیں لیکن غیر سرکاری طور پر اس کی سرگرمیوں کے بارے میں جاننے کی سرتوڑ کوششیں کرتے رہتے ہیں۔ باقاعدہ اجلاس میں ایس ٹی ایف نہیں بلائی جاسکتی کیونکہ بات ریکارڈ پر آجائے گی۔ امریکیوں کو اس فنی مجبوری کا اندازہ ہے۔ لیری نے ایس ٹی ایف کے نمائندے سے کھل کر بات کرنے کے لیے اس بے قاعدہ اجلاس کی تجویز سوچی ہے۔"

کرنل شعبان کے جواب سے سب مطمئن ہو گئے مگر میرے لیے وہ وضاحت قابلِ قبول نہیں تھی، جان ایش کوف کے دہلی کی طرف فرار کے بعد لیری کی طرف سے اس غیر معمولی اجلاس کا سبب کچھ اور ہی تھا جس پر اس کی آمد کے بعد بات ہو سکتی تھی۔

اس اجلاس کے سب شرکا میرے لیے اجنبی تھے۔ میں جلال کی زبانی ان کے پچھلے اجلاس کی روداد سن چکا تھا جس میں ان کے ناموں سے آگاہی حاصل ہو گئی تھی۔ اس وقت جلال خود بھی وہاں موجود تھا۔ مگر میری طرف سے یوں اجنبی بنا ہوا تھا جیسے مجھ سے پہلی بار ملا ہو۔ میری ذات کو ہر قسم کے شکوک و شبہات سے بالا رکھنے کے لیے اس کا وہ رویّہ بہت ضروری تھا۔ وہ لوگ اول خان سے پہلے سے متعارف تھے۔ اس نے مجھے کرنل داور کے نام سے مجھے ان لوگوں سے متعارف کرایا تھا۔

میرے نام کے ساتھ کرنل کا فرضی عہدہ لگانے کا مقصد صرف یہ تھا کہ اجلاس کے دوسرے شرکا میرے ساتھ برابری سے بات کرسکیں۔ میں نے یہ بات خاص طور پر نوٹ کی کہ تعارف کے بعد ان میں سے کسی نے میرے بارے میں کوئی بات کریدنے کی کوشش نہیں کی۔ حد یہ تھی کہ دونوں حاضر سروس کرنلوں نے یہ بھی نہیں پوچھا تھا کہ میرا تعلق فوج کے کس یونٹ اور شعبے سے رہا تھا یا میں کہاں سے ریٹائر ہوا تھا۔

میں ملٹری انٹیلی جنس کے کرنل شعبان کے پیش کیے ہوئے نظریے پر کوئی رائے زنی کرتا تو سب کی توجہ میری ذات پر مرکوز ہو سکتی تھی جبکہ میں اس اجلاس میں خود کو نمایاں کرنے کے حق میں نہیں تھا۔

تھوڑی دیر بعد سی آئی اے کا لمبا تڑنگا چیف کلرک، لیری ہف اپنے ایک مددگار کے ساتھ آپہنچا۔

اجلاس میں اس کا سرد مہری سے استقبال کیا گیا۔ پاکستانیوں کے رویے میں گرم جوشی مفقود تھی۔ اس بارے میں پہلے سے کوئی تبادلہ خیال نہیں ہوا تھا۔ بس سب کے دلوں میں لیری کے خلاف بغض کا جذبہ تھا جو سرد مہری کی صورت میں سامنے آگیا تھا۔

اول خان سے ہاتھ ملا کر لیری رک گیا اور تعارف کے بعد بولا "ہائے اولڈ بوائے۔ تم گریٹ ہو۔ میری آرزو ہے کہ امریکا کوئی غیر جمہوری ملک ہوتا اور میں وہاں بھی تمہاری اسپیشل ٹاسک فورس جیسا کوئی یونٹ بنا سکتا۔"

"تمہیں نازاں ہونا چاہیے۔" اول خان کے سٹپٹا جانے پر میں نے گفتگو میں دخل انداز ہونا ضروری سمجھا اور کہا "امریکی اپنی جمہوریت کے گن گاتے ہیں مگر ان کی ناک کے نیچے ایس ٹی ایف سے ہزار درجے زیادہ خود مختار طاقت ہر وقت فعال رہتی ہے۔"

Downloaded from https://paksociety.com

"وہ کون سی طاقت ہے؟" لیری اول خان کا ہاتھ چھوڑ کر میری طرف متوجہ ہوگیا "کیا میں تمہارا تعارف حاصل کرسکتا ہوں؟"

"کرنل داور فرام ایس ٹی ایف!" میں نے سپاٹ لہجے میں کہا اور لیری کا بڑھا ہوا ہاتھ اپنی داہنی ہتھیلی میں تھام لیا۔ رسمی کلمات ادا کرتے ہوئے' لیری نے مصافحے میں اپنی غیر معمولی طاقت کا مظاہرہ کرنا چاہا۔ میں نے گرم جوشی کی آڑ میں اس کے ہاتھ کو بے طرح دبا کر ایسا جھٹکا دیا کہ وہ گراں ڈیل امریکی سی کرکے رہ گیا۔

"میں سی آئی اے کی بات کررہا تھا۔ تمہاری تنظیم بہت طاقت ور اور فعال ہے۔" مزاج پرسی کے بعد میں نے اپنی بات مکمل کردی۔

"اوہ' نو!" اس نے اپنے سر کو زور سے بائیں طرف جھٹک کر کہا "سی آئی اے ایک جمہوری ملک کا مضبوط آئینی ادارہ ہے۔"

"ادارہ آئینی ہے مگر میں اس کی سرگرمیوں کی بات کررہا تھا۔" میں نے کہا اور ہال قہقہوں سے گونج اٹھا۔ میں نے اپنی بات جاری رکھی "سرکاری رازوں کے قوانین کے تحت مقرر کی ہوئی مدت ختم ہونے کے بعد جو باتیں منظرِ عام پر آتی رہتی ہیں' ان سے ثابت ہوتا ہے کہ سی آئی اے ایشیا' افریقہ اور جنوبی امریکا میں اپنے مینڈیٹ سے بڑھ کر سازشیں کرتی رہی ہے۔ یہی نہیں بلکہ سی آئی اے پر بعض امریکی صدور کی درونِ خانہ مخالفت کا الزام بھی ہے۔"

لیری نے اپنی خفّت چھپانے کے لیے کھسیایا ہوا ایک بے جان قہقہہ لگایا اور بزرگانہ انداز میں میری پشت پر ہاتھ مار کر بولا "سی آئی اے کے بارے میں تم شاید بہت پڑھتے رہتے ہو۔ ہمارے یہاں اظہار خیال کی آزادی سے ناجائز فائدہ اٹھا کر بہت سے مصنف رائی کا پہاڑ بنا کر سی آئی اے کے خلاف کتابیں لکھتے رہتے ہیں۔ ان میں حقیقت سے کہیں زیادہ افسانے ہوتے ہیں۔ تم جیسے ذمّے دار اور عملی افسر کو ایسی ردّی کتابوں سے دور رہنا چاہیے۔"

مجھے جواب دیتا ہوا وہ اپنی نشست پر جا بیٹھا۔ اس کا مددگار اس کے بائیں ہاتھ پر تھا۔

"تم نے آج زیادتی کی ہے۔" کرنل شعبان نے لیری سے شکوہ کیا "آج میرے کئی اہم اپائنٹ منٹ تھے۔"

"کرنل داور نے اپنی باتوں سے اس زیادتی کا بدلہ لے لیا ہے۔" لیری نے دانت نکال کر خوش دلی کا مظاہرہ کرنے کی کوشش کی مگر اس کی بات سے ظاہر ہورہا تھا کہ میری زہر میں ڈوبی ہوئی گفتگو اس کے دل میں تیر بن کر اتری تھی۔

"میں نے بدلہ نہیں لیا۔ تم نے پاکستان کو بالواسطہ طو پر غیر جمہوری ملک قرار دے کر بات چھیڑی تھی۔ میں نے صرف اس کا جواب دیا ہے۔" میں نے سنجیدگی سے کہا "آپ ہمارے مہمان ہو اور بہت معزز ہو۔ ہمارا اصول ہے کہ کبھی ہمارا مہمان ہو تو ہم اس کی بے توقیری نہیں کرتے۔"

لیری کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ اس نے سختی سے پوچھ "کیا اب تم بالواسطہ طور پر مجھے کہا نہیں کہہ رہے۔"

"ہرگز نہیں۔" میں نے ترکی بہ ترکی جواب دیا "میں صرف یہ جتانا چاہ رہا تھا کہ ہم کسی کتے کی تحقیر نہیں کرسکتے تم جیسے معزز اور محترم مہمان سے کیسے بدلہ لے سکتے ہیں۔ تمہاری خام خیالی ہے۔ بدگمانی کو اپنے ذہن میں جگہ نہ دو۔"

لیری آیا تو فضا قدرے تلخ مگر خوشگوار تھی۔ میری او اس کی جھڑپ ہوتے ہی فضا کا رنگ بدل گیا۔ یوں محسوس ہورہا تھا جیسے میرے اور لیری کے سوا سب کو سانپ سونگھ ہو۔ کوئی بھی اس نازک بحث میں زبان کھولنے پر آمادہ نہیں تھا۔ جلال کی پر امید نظریں میرے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔

"میری نیت پاکستان کو غیر جمہوری ریاست قرار دینے نہیں تھی۔" موقع کی نزاکت بھانپ کر لیری وضاحت پر آیا "میں نے بس اتنی سی خواہش ظاہر کی تھی کہ کاش امر میں بھی کسی کے ہاتھ اتنے کھلے ہوئے ہوتے کہ وہ ایس ایف جیسی کوئی آزاد فورس بنا سکتا۔"

"اس خواہش کے اظہار کے لیے یہ جگہ مناسب نہیں تھی۔" اسے پسپائی پر آمادہ پاکر کرنل شعبان نے زبان کھو "تم کو وائٹ ہاؤس کے صدر نشین کے سامنے یہ بات کہ چاہیے۔"

"چھوڑو شابان۔" لیری پھیکے انداز میں ہنس دیا "صدر کے سامنے جواب دہ ہیں۔ وہ کانگریس اور سینیٹ کے سامنے مجبور ہے۔ سب کہیں نہ کہیں بندھے ہوئے ہیں۔ میں سے جس کسی کو میری بات سے تکلیف پہنچی ہو' میں اس سے معافی کا خواستگار ہوں۔"

"میں بھی اپنی کسی نادانستہ غلطی کے لیے معذرت خو ہوں۔" اخلاقی طور پر مجھے کہنا پڑا لیکن میرا لہجہ روکھا تھا۔

"تم یہ دیکھو کہ امریکا پاکستانیوں کی کتنی عزت کر ہے۔" لیری نے معافی تلافی کے باوجود اپنی معذرت کا سلسلہ جاری رکھا "پاکستان سرکاری طور پر ایس ٹی ایف کے وجو سے انکار کرتا ہے اور ہم سب کچھ جانتے ہوئے بھی تمہار اس موقف کا احترام کرتے ہیں۔ سرکاری سطح پر ہم نے کب

Downloaded from https://paksociety.com

ایس ٹی ایف کا نام نہیں لیا۔ آج کا یہ آف دی ریکارڈ اجلاس پاکستان کے بارے میں ہماری نیت اور عزائم کا کھلا ثبوت ہے۔"

"کم آن لیری!" جلال نے بے تکلفی سے کہا "اب اس موضوع کو زیادہ نہ کھینچو۔ غنیمت ہے کہ تم کو اپنی غلطی کا احساس ہوگیا۔ ہم پاکستانی اپنی مجبوریوں کے تحت بہت سی باتوں پر سمجھوتے کرلیتے ہیں لیکن بے حس نہیں ہوئے ہیں۔ یہ بتاؤ کہ آج تم نے ہم سب کو کس تقریب میں بلایا ہے۔"

لیری کے اشارے پر اس کے مددگار نے پتلا سا چرمی بریف کیس اپنے قدموں سے اٹھا کر میز پر لیری کے سامنے رکھ دیا۔

"میں اپنی حکومت کی ہدایت پر یہ جاننا چاہتا تھا کہ ڈینی اور مظہر کے سلسلے میں کیا پیش رفت ہوئی ہے۔" لیری نے سب کے چہروں پر نظریں دوڑاتے ہوئے کہا۔

"تمہاری حکومت تو خطرے کی بو پاتے ہی دہلی کی طرف چل دی۔ اب یہاں تم کو ایسی احمقانہ ہدایات کون دے رہا ہے۔" کرنل غفور نے پوچھا۔ اس کے لب و لہجے سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ لیری کو خود سے کم تر اور جونیئر گردان رہا تھا جو شاید اس کا حق بھی تھا۔

بے ساختہ ہنسی میں لیری نے سب کا ساتھ دیا پھر سنجیدگی سے بولا "جان بہت اہم مشن پر دہلی گیا ہے مگر وہ ہر وقت مجھ سے رابطے میں ہے۔ وہ میرے اور واشنگٹن کے درمیان رابطے کی اکلوتی اور سب سے مضبوط کڑی ہے۔ یہ نہ سمجھنا کہ میں یہاں امریکی سفیر کے تابع ہوں۔"

"را اور سی آئی اے والے ان دونوں پر کام کر رہے ہیں۔ مہینوں بلکہ ڈینی کے خلاف سالوں میں کچھ نہیں کیا جاسکا۔ ہم دو دنوں میں کیا کرسکتے ہیں۔" کرنل شعبان نے پوچھا۔

"کوئی اشارہ۔۔۔ کوئی سراغ۔۔۔ کوئی امید! مجھے تم لوگوں کی طرف سے کسی خوش خبری کی توقع تھی۔"

"کچھ ہوا ہوتا تو بات تم تک پہنچ جاتی۔" فیڈرل انویسٹی گیشن ایجنسی کے شاہد رانا نے کہا "تمہارے دیے ہوئے کام پر ہم سب مل کر کام کر رہے ہیں۔ تم سے رابطے کی ذمے داری میری ہے۔ کہیں سے بھی کوئی خبر جنم لے گی تو وہ مجھ تک پہنچے گی۔ میں تمہیں مطلع کردوں گا۔"

"اور تم کیا کہتے ہو؟" اس بار لیری براہِ راست اول خان سے مخاطب ہوا تھا۔

"ایس ٹی ایف کو آج پہلی بار یہاں بلایا گیا ہے۔ میں کچھ کہنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔" اول خان نے اسے دو ٹوک جواب دے دیا۔

"میرے لیے سب ایجنسیاں برابر ہیں۔" لیری نے کسی بات کی تمہید باندھی "اب میں جو کچھ کہنے جا رہا ہوں اس سے مجھے کسی کی تحقیر یا تعریف مقصود نہیں ہے۔ یہ پیشہ ورانہ رموز ہیں جنہیں ہم سب اچھی طرح جانتے ہیں۔ ایس ٹی ایف ماورائے قانون طاقت ہے۔ اپنے دشمنوں کو ان کی کمین گاہوں سے کھینچ کر نکالنے اور کیفرِ کردار تک پہنچانے کے سلسلے میں اس کی شہرت بے مثال ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اب ایس ٹی ایف ڈینی پر کام شروع کردے۔"

"ڈینی کے بارے میں ریکارڈ بالکل کورا ہے۔۔۔" میں نے بات شروع کی مگر لیری درمیان میں بول پڑا۔

"ڈینی اور ایس ٹی ایف میں کم از کم ایک بات مشترک ہے۔ دونوں آج کی زندگی کی اٹل حقیقتیں ہیں مگر ریکارڈ پر ان کے بارے میں کچھ دستیاب نہیں ہے۔"

"تم یہ تو نہیں کہنا چاہ رہے کہ ایس ٹی ایف کے کسی

ضرورت ڈسٹری بیوٹرز

کتابیات پبلی کیشنز اور مکتبہ نفسیات کی کتب کی ڈسٹری بیوشن کیلئے ملک بھر کے چھوٹے بڑے علاقوں میں ڈسٹری بیوٹرز کی ضرورت ہے۔ خواہشمند افراد مندرجہ ذیل پتے پر رابطہ کریں۔

رابطے کے لئے: C-63 فیز III ایکس ٹینشن ڈی ایچ اے مین کورنگی روڈ (اختر کالونی بس اسٹاپ کے سامنے) کراچی 75500

فون نمبر: 5802552-5895313 فیکس: 5802551

Email: kitabiat1970@yahoo.com

Downloaded from https://parksociety.com

کارندے نے ڈینی کا روپ دھارا ہوا ہے!" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"جو بھی یہ کہتا ہے وہ احمقوں کی جنت میں رہتا ہے۔ ڈینی کی ایک تاریخ ہے۔ شی کے سربراہ نے پاکستان میں ہیروئن پھیلانے کے لیے اسے استعمال کیا تھا۔ وہ آج کی پیداوار نہیں ہے۔ امریکا کے صدارتی ریکارڈ میں برسوں سے اس کا نام چلا آرہا ہے۔ ہم یعنی سی آئی اے والے دیر سے اس کی طرف متوجہ ہوئے ہیں۔"

"اور ہم اب اس کے پیچھے لگیں گے۔" اول خان نے حاضر دماغی سے کام لیتے ہوئے بات مکمل کردی۔

"اس پر ایس ٹی ایف نے پہلے ضرور کام کیا ہوگا۔" لیری نے امید ظاہر کی۔

میں نے میز کے نیچے اول خان کی ران دبائی اور بھرپور نفی میں سرہلا دیا "ایس ٹی ایف کا ہدف وہ لوگ ہوتے ہیں جو پاکستانی مفادات کے خلاف کام کریں یا اس کی سلامتی کے لیے نقصان دہ ہوں۔ یہ اتفاق ہے کہ ڈینی کے خلاف ابھی تک ایسی کوئی شکایت یا شہادت سامنے نہیں آئی۔"

"یہ ڈینی کی مکاری ہے کہ خون کی ہولی کھیلنے کے باوجود ایس ٹی ایف سے دور رہتا ہے مگر تم ایک فرد نہیں' فورس ہو۔ تم صرف پاکستانی نہیں ہو۔ اس دنیا کے شہری بھی ہو۔ آج کے ترقی یافتہ زمانے میں دنیا سکڑ اور سمٹ کر ایک گلوبل ولیج میں تبدیل ہو چکی ہے۔ اس گاؤں کے ہر باسی کا تم پر حق ہے۔ تم کو دوسروں کے لیے بھی کچھ کرنا چاہیے۔"

"لیری! یہ سب پڑھانے کی کوشش مت کرو اور اپنے ہدف تک محدود رہو۔ یہ بات چھڑ گئی تو بہت دور تک چلی جائے گی۔ ویت نام سے عراق تک امریکا کیا کرتا رہا ہے؟ اپنے مفاد کے تحفظ کے لیے اس نے کیا کیا تباہی نہیں پھیلائی۔ کیا عراق میں امریکی بمباری سے مارے جانے والے بھوکے پیاسے اور شیر خوار بچوں کا امریکی فوجوں پر کوئی حق نہیں تھا؟ کیا وہ اس گلوبل ولیج کے رہنے بسنے والے نہیں تھے؟ اخلاقیات کا اگر اطلاق کررہے ہو تو سب پر یکساں کرو۔ ایس ٹی ایف کو ہدف نہ بناؤ۔"

"کرنل داور! تم ذرا سی بات پر تلخ اور جذباتی ہو رہے ہو۔" اس بار لیری جھلّا کر جوابی الزام تراشی پر اتر آیا "ایسا معلوم ہو رہا ہے جیسے تمہارے دل میں امریکا اور امریکیوں کے خلاف نفرت کا غبار بھرا ہوا ہے۔"

"تم غلط کہہ رہے ہو۔" کرنل غفور نے سختی سے کہا "ایسی تلخیاں پچھلے اجلاس میں بھی پیدا ہوئی تھیں۔ اس وقت ایس ٹی ایف کا کوئی نمائندہ شریک نہیں تھا۔"

"وہ پالیسی اختلافات تھے۔" لیری نے کرنل غفور کی بات کاٹ دی "آج کھل کر۔"

"خاموش رہو!" آئی جی نے ہاتھ اٹھا کر لیری کو خاموش کردیا "تم نے کرنل غفور کی بات کاٹی ہے۔ پہلے اسے بات پوری کرنے دو۔"

لیری کسی بندر کی طرح منہ چلا کر رہ گیا مگر اس کی زبان نے جنبش نہیں کی۔

"اس وقت صرف ڈینی کا مسئلہ درپیش تھا۔" کرنل غفور نے دوبارہ سلسلہ کلام جوڑتے ہوئے کہا "آج تم نے خود بات کو پھیلایا ہے۔ کرنل داور نے جو کچھ کہا' تمہاری باتوں کے جواب میں کہا ہے۔ تم اس کا جواب دے سکتے ہو تو ضرور دو۔"

"میں ویت نام کی جنگ کے خاتمے کے بعد اپنی جوانی کی سرحدوں میں داخل ہوا ہوں۔" لیری نے مکارانہ مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا "عراق اور کویت کی جنگ میں سی آئی اے کے دوسرے لوگ کام کررہے تھے۔ میں ان سوالوں کے جواب کیسے دے سکتا ہوں۔"

"یہ تمہارا عذر لنگ ہے۔" شاہد بولا "بات حکومتوں اور ان کی حرکتوں کی ہورہی ہے۔ تم خود کو درمیان میں کہاں لے آئے۔ تاریخ میں ملکوں کے نام چلتے ہیں۔ یہ نہیں دیکھا جاتا کہ ملک میں کون سی پارٹی برسراقتدار تھی یا وائٹ ہاؤس میں کون صدر تھا۔"

"آج میری عقل ماؤف ہے یا تم سب میری ٹانگ کھینچنے کا ارادہ کیے بیٹھے ہو۔ اب ہمیں فضولیات سے نکل کر کام کی بات کرنی چاہیے۔"

"میں تمہیں یہ صائب مشورہ کافی دیر پہلے دے چکا تھا۔" جلال نے اسے یاد دلایا۔

"میں نے کام کی بات ہی شروع کی تھی مگر ہم موضوع سے بہک گئے۔" اس نے اپنا بریف کیس کھول کر ایک کاغذ نکالا اور اپنی بات جاری رکھی "اس وقت مظہر خان اور غزالہ کا جوڑا ہمارے لیے ایک سنگین مسئلہ بن گیا ہے۔ پاکستان نے باضابطہ طور پر بھارت سے ان دونوں کی واپسی کا مطالبہ کیا ہے۔ بھارتیوں کو کامل یقین ہے کہ وہ دونوں خاموشی سے سرحد پار کرکے پاکستان واپس آچکے ہیں۔"

"اس بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟" شاہد نے پوچھا۔

"ہم پاکستان اور بھارت' دونوں کے دوست ہیں۔ ہم

Downloaded from https://paksociety.com

کسی ایک کا ساتھ نہیں دے سکتے۔ اس مسئلے کا حل چاہتے ہیں۔"

"حل ناممکن ہے۔" اول خان نے اعتماد سے کہا "دونوں موقف متضاد ہیں۔ ان میں سے ایک جھوٹا ہے اور جھوٹے کو جھوٹا کہنا چاہیے۔"

"یہ مشورہ بہت آسان ہے مگر اس پر عمل کرنا شاید سب سے کٹھن کام ہے۔" لیری بولا "مجھے آج ایک شہادت ملی ہے کہ مظہر کراچی میں روپوش ہے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ پاکستانی موقف غلط ہے؟" شاہد نے جھٹ سوال داغ دیا۔

"یہ نہیں کہا جاسکتا۔ ہوسکتا ہے کہ مظہر نے تمہاری آنکھوں میں بھی اسی طرح دھول جھونکی ہو جس طرح وہ بھارتی ایجنسیوں کو فریب دے کر بھارت سے نکل آیا ہے۔ وہ چالاک آدمی ہے۔ تم سب کوشش کرو تو وہ گرفت میں آسکتا ہے۔"

اول خان میرے ساتھ دم سادھے بیٹھا رہا۔ اس مرحلے پر ہمارا خاموش رہنا ہی بہتر تھا۔

"اس کی تلاش کی کوششیں جاری ہیں۔ تم اپنی شہادت پیش کرو۔ شاید اس سے ہمیں کوئی رہنمائی مل سکے۔" کرنل غفور نے بے نیازی سے کہا۔

"یہ ایک متنازع شہادت ہوسکتی ہے کیونکہ اس فیکس کاپی میں مظہر کی مجرمانہ سرگرمیوں کا ذکر بھی ہے۔ اس سے را پر پاکستان میں مداخلت کا الزام آتا ہے۔ مگر تم جانتے ہو کہ یہ سب چلتا رہتا ہے۔ اس فیکس کے متن کی وجہ سے یہ اجلاس آف دی ریکارڈ رکھا گیا ہے تاکہ اس فیکس کی بنیاد پر پاکستان بھارت کو کوئی سخت احتجاجی مراسلہ نہ بھیجے۔ اگر تم لوگوں کو یہ شرط قبول ہے تو میرے پاس فیکس کی نقلیں موجود ہیں۔"

میرے بدترین اندیشے درست ثابت ہو رہے تھے۔ ہم نے چندن گرنانی کو بہت کم مہلت دی تھی مگر اس نے اسی سے فائدہ اٹھا کر فیکس کی نقل اپنے آقاؤں کو ارسال کردی تھی۔ وہ متن نہ جانے کہاں کہاں سے ہوتا ہوا لیری کے ہاتھوں میں پہنچ چکا تھا اور اس وقت زیر بحث تھا۔

سب خاموش بیٹھے رہے۔ کانفرنس کے ہر شریک کو اس پراسرار فیکس کا متن جاننے کا تجسس تھا۔

"یہاں ہونے والی ہر بات سرکاری سطح پر بے وقعت ہوگی۔ تم فیکس دکھاؤ۔" خاصی طویل اور گمبھیر خاموشی کے بعد جلال نے سکوت توڑا۔

لیری کے مددگار نے اپنی جگہ سے اٹھ کر سب کے ہاتھوں میں ایک ایک کاغذ پکڑا دیا۔

وہ میرے اسی بے نام و نشان خط کی نقل تھی جو میں نے چندن کو فیکس کیا تھا۔

"یہ کل دوپہر کسی نامعلوم مقام سے بھیجا گیا اور آج تمہارے پاس ہے۔" کرنل غفور نے خط پڑھ کر کہا۔

"ہاں۔ مجھے شبہ ہے کہ مظہر را کو ڈبل کراس کر رہا تھا۔ وہ تم میں سے کسی کا آدمی تو نہیں تھا؟" لیری نے پوچھا۔

سب انجان بن کر ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔ سب سے زیادہ معصومیت اول خان کے چہرے پر تھی۔

"خط کے آخر میں کسی کا نام نہیں ہے مگر مضمون سے وہی بات ظاہر ہو رہی ہے جو تم نے کہی ہے۔" کرنل شعبان نے اپنی رائے دی اور کہا "آج کل ہمارے ملکوں کے درمیان کشیدگی بڑھی ہوئی ہے پھر بھی را والے آگ بجھانے کے بجائے بھڑکانے میں لگے ہوئے ہیں۔ یہ حرکتیں تلخیاں بڑھاتی ہیں۔ کاش ہم یہ خط استعمال کرسکتے۔"

"نہیں!" لیری نے سختی سے کہا "کسی مراسلت میں اس کا ذکر نہیں آئے گا۔"

"را والے روایتی ڈگر سے ہٹ کر مقاموں میں گھسنے اور انہیں خریدنے کی خطرناک کوششیں کرتے ہیں۔ شاید یہ اسی کا شاخسانہ ہے کہ آج صبح سویرے ایک کوڑے دان سے بھارتی قونصل خانے کے کسی ملازم کی لنگڑی لاش برآمد ہوئی ہے۔" آئی جی نے قدرے برہمی سے وہ انکشاف کرکے سب

اتفاق رائے

فیملی ڈاکٹر ایک گھنٹے سے کمرے کے اندر مریض کے معائنے میں مصروف تھا۔ بیوی بچے دوسرے کمرے میں بے چینی سے انتظار کر رہے تھے کہ ڈاکٹر کیا خبر لے کر آتا ہے۔ آخر ڈاکٹر کمرے سے برآمد ہوا اور مریض کی بیوی کے پاس پہنچ کر بولا "میں اس وقت آپ کے شوہر کو جس حالت میں دیکھ کر آرہا ہوں.... مجھے وہ ٹھیک نہیں لگ رہے۔"

"مجھے تو وہ کبھی بھی ٹھیک نہیں لگے.... لیکن کیا کروں.... بچوں کی خاطر گزارا کر رہی ہوں۔" بیوی نے غم زدہ لہجے میں جواب دیا۔

Downloaded from https://paksociety.com

کو حیران کردیا "ان کی گھٹیا حرکتوں کی وجہ سے ہمارے لیے امن و امان کے سنگین مسائل پیدا ہوتے ہیں۔"

آئی جی کی بات پر ہر شخص چونک پڑا۔ لیری بھی چندن کے قتل سے بے خبر تھا۔ ہال میں سب نے بیک وقت بولنا شروع کردیا۔ ہر شخص ایک ہی سانس میں آئی جی سے بہت کچھ پوچھ لینے کی کوشش کررہا تھا۔

آئی جی کے بیان کے مطابق کوڑا اٹھانے والی ایک گاڑی کے عملے نے شہر کے کوڑے دان میں سات بجے وہ لاش دیکھی تھی جس کی داہنی ٹانگ ران کی ہڈی کے وسط سے کٹی ہوئی تھی۔ اس خبر نے ہر طرف سنسنی پھیلا دی۔ لاش کے بدن پر صرف نیکر موجود تھا۔ جراحی کے مصنوعی عمل سے محرومی کے سبب متوفی غیر مسلم نظر آرہا تھا۔ تمام تھانوں کو کھڑکانے کے بعد پتا چلا کہ پچھلی رات سول لائنز کے علاقے میں رہنے والوں نے پولیس کو کسی گڑبڑ کی رپورٹ دی تھی۔ تفتیش کے نتیجے میں بھارتی سفارت خانے کا ایک افسر اپنے پرتعیش فلیٹ سے غائب پایا گیا تھا۔ وہ سراغ اس وجہ سے مل گیا کہ فلیٹ کا نالا کسی باریک گیس کٹر سے ناکارہ کردیا گیا تھا۔

یہ بہت غنیمت ہوا کہ آئی جی نے گیس کٹر کی اطلاع دی تھی۔ کسی کا دھیان بیم گن کی طرف نہیں گیا تھا۔

آئی جی کو دفتر سے نکلنے کے بعد فون پر بتایا گیا تھا کہ لنگڑے مردے کو چندن گرتانی کے نام سے شناخت کرلیا گیا تھا۔

میں مسلسل گہری نظروں سے لیری کے چہرے کے تاثرات کا جائزہ لے رہا تھا۔ نئی خبر نے اسے پریشان ضرور کردیا تھا مگر چندن کے نام پر اس نے کسی ردِعمل کا مظاہرہ نہیں کیا تھا۔

"یہ بہت برا ہوا۔" لیری نے پوری بات سننے کے بعد مضطربانہ آواز میں کہا "اس واقعے سے پاکستان اور بھارت کے درمیان پائی جانے والی کشیدگی اپنی انتہا کو پہنچ جائے گی۔ بھارتی حکومت نے اس واقعے پر عمل اور بردباری سے کام نہ لیا تو بھارت میں فسادات بھی پھوٹ سکتے ہیں۔"

"لاش بہت بری اور ادھڑی ہوئی حالت میں ملی ہے۔" آئی جی کہہ رہا تھا "مرنے والا اوباش اور رنگین مزاج تھا۔ ابھی تفتیش شروع نہیں ہوئی مگر ابتدائی اندازہ ہے کہ یہ رقابت کا کوئی چکر بھی ہوسکتا ہے۔"

"مجھے اس بات پر حیرت ہورہی ہے کہ تم نے یہ اہم واقعہ اتنی دیر سے بتایا۔" لیری نے آئی جی سے کہا۔

"میں امن و امان کے مسئلے پر یہاں رپورٹ دینے نہیں آیا تھا۔" آئی جی نے ترشی سے جواب دیا "تمہاری بات سننے کے لیے آیا تھا۔ اگر تم نے راکی طرف سے مظہر کو خریدنے والا فیکس نہ دکھایا ہوتا تو شاید میں اس واقعے کا ذکر ہی نہیں کرتا۔ کراچی میں روز جرائم ہوتے رہتے ہیں۔ ان خبروں سے صرف خوف و ہراس پھیلتا ہے۔ تفتیش میں کوئی مدد نہیں ملتی۔"

"اگر تم میری جسارت کو اپنے فرائض میں مداخلت تصور نہ کرو تو میں چندن والے قصے سے پوری طرح باخبر رہنا چاہوں گا۔" اس بار لیری نے غیر معمولی نرمی اور شرافت سے اپنی فطری خواہش کا اظہار کیا "اس سے مجھے اپنے مشن میں مدد ملے گی۔"

"میں وعدہ نہیں کرتا مگر کوشش ضرور کروں گا۔" آئی جی نے بھی نرمی سے اسے ٹال دیا۔

"بات گھوم پھر کر وہیں آجاتی ہے۔" لیری نے اپنا گلا صاف کرکے کہا "جس شہر میں ماجد یمنی، ڈینی اور مظہر جیسے لوگ آزادی سے دندناتے پھر رہے ہوں اس شہر میں مجھ سمیت کوئی بھی محفوظ نہیں رہ سکتا۔"

"تم کھلے دل سے ہمارا ساتھ دو۔ ہم انہیں پکڑلیں گے۔" شاہد رانا بولا۔

"ہم کھلے دل سے تمہارا ساتھ دے رہے ہیں۔ میں نے بھارتیوں کی مرضی کے خلاف ایک خفیہ فیکس کی کاپیاں تمہیں لادیں۔ تم ہم لوگوں سے اور کیا چاہتے ہو۔"

"یہ کاپیاں تم نے آف دی ریکارڈ دی ہیں۔ انہیں آن ریکارڈ کردو پھر دیکھو کہ پوری سازش کے تانے بانے کس طرح سامنے آتے ہیں۔" جلال نے کہا۔

"یہ نہیں ہوسکتا۔" لیری نے سختی سے انکار کردیا "تم اس مضمون کو بھارتیوں کے گلے کا ڈھول بنا دو گے اور اسے دنیا جہان میں بجاتے پھرو گے۔"

"دنیا کو معلوم ہونا چاہیے کہ بھارت دوسرے ملکوں میں کیا کررہا ہے۔"

"آج کے ماحول میں سب نے ایک دوسرے کے ملکوں میں جاسوسی کے لیے اپنے جال بچھائے ہوئے ہیں۔" لیری نے جلال کی دلیل رد کردی "پتا نہیں بھارت میں تمہارے کتنے آدمی کام کررہے ہوں گے اور تم نے کس کس کو خریدا ہوگا۔"

"ہم پھر غیر ضروری باتوں میں الجھ رہے ہیں۔" شاہد نے لیری کو ٹوکا "تم یہ بتاؤ کہ جان دہلی سے کب آرہا ہے۔"

"تم کو جان کی کیا ضرورت پیش آگئی؟" لیری نے اسے

Downloaded from https://paksociety.com

گھورتے ہوئے سوال کیا۔

"اگر تم ماجد یمنی کی گرفتاری میں ذرا بھی دلچسپی رکھتے ہو تو جان کو جلد از جلد یہاں ہونا چاہیے۔"

"ماجد یمنی آج بھی ہماری پہلی ترجیح ہے۔ اسے ہم نہیں بھول سکتے۔ اس کے لیے جان کیا کر سکتا ہے۔"

"اسے تم نے نہیں دیکھا۔ ہم میں سے کوئی اسے نہیں پہچانتا۔ ہم نے کئی مشتبہ افراد کو حراست میں لے لیا ہے۔ وہ یمن اور دوسرے عرب علاقوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان میں سے کسی کے کاغذات میں مطلوب نام نہیں ہے۔ اگر ماجد کے کاغذات کسی اور نام سے بنے ہوئے ہیں تو کوئی اسے نہیں پہچان سکتا۔ صرف جان اسے شناخت کر سکتا ہے۔ وہ یہاں سے غائب ہے۔ اس کے انتظار میں ہم ان لوگوں کو غیر معینہ مدت تک قید میں رکھ سکتے۔"

"ہاں' جان کو یہاں ہونا چاہیے تاکہ وہ اپنے ملزم کو شناخت کر سکے۔" آئی جی نے شاہد کی تائید کی۔

"یہ کوئی بڑا مسئلہ نہیں ہے۔ تم ان لوگوں کی تصویریں مجھے بھجوا دو۔ وہ جان کو پہنچا دی جائیں گی۔"

"تصویروں سے مسئلہ حل نہیں ہوگا۔" آئی جی نے زور دے کر کہا "جان کا یہ بیان ریکارڈ میں موجود ہے کہ جائے واردات پر روشنی کم تھی اور اسے غور سے حملہ آور کو دیکھنے کا موقع نہیں مل سکا۔ ایسے میں وہ تصویروں سے دھوکا کھا جائے گا۔ ملزم سامنے آئے گا تو وہ آسانی سے اسے پہچان لے گا۔"

"وہ کسی وقت واپس آسکتا ہے۔ میں اسے یاد دہانی بھی کرادوں گا مگر میں تمہیں ایک بات بتادوں کہ آج ایک بھارتی کے قتل کے بعد تمہارا شہر غیر ملکیوں کے لیے مخدوش ہو گیا ہے۔ کوئی بھی اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر یہاں آنا پسند نہیں کرے گا۔"

"سب سے پہلے اپنی غلط فہمی دور کرلو۔" آئی جی نے نرمی سے کہا "چندن گرنانی ہندو ضرور تھا مگر وہ پاکستان کا شہری تھا۔ بھارت سے اس کا صرف اتنا تعلق تھا کہ وہ ان کے قونصل خانے میں ملازم تھا۔ رہی غیر ملکیوں کے تحفظ کی بات تو تم دونوں دو دن سے یہاں ہو اور بالکل محفوظ ہو۔"

"یہ قسمت کی بات ہے۔" لیری نے کسی پس و پیش کے بغیر کہا "مجھ سے پوچھو کہ میرا کیا حال ہے۔ ہر وقت کہیں سے گولی آنے کا دھڑکا لگا رہتا ہے۔ میں ہوٹل میں اپنے کمرے سے باہر نکلتے ہوئے بھی ڈرتا ہوں کہ کوئی مجھ پر حملہ نہ کردے۔"

وجہ دلچسپی

پروفیسر صاحب نے میڈیکل کے ایک نوجوان طالب علم کی طرف معنی خیز نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا "کیا بات ہے.... زچگی کے باب کو تم نے بڑی دلچسپی سے پڑھا ہے اور دوسرے مضامین کے نوٹس کی نسبت اس میں بہت اچھے نمبر لیے ہیں؟"

"سر....! بات یہ ہے...." نوجوان اسٹوڈنٹ نے سنجیدگی سے جواب دیا "جب میں دل کی بیماریوں کے بارے میں پڑھ رہا تھا تو مجھے وہم ہونے لگا تھا جیسے میں خود بھی دل کا مریض ہوں۔ جب میں دمے کے بارے میں پڑھ رہا تھا تو مجھے شبہ ہونے لگا کہ مجھ میں بھی دمے کی علامات موجود ہیں۔ السر کے بارے میں پڑھتے وقت تو مجھے اچھا خاصا یقین ہونے لگا کہ مجھے بھی السر ہے.... زچگی واحد مضمون ہے جسے میں نے اطمینان اور بے فکری سے پڑھا ہے۔"

مجھے بے اختیار ویرا کا قول یاد آگیا۔ وہ بار بار کہتی رہتی تھی کہ امریکی نرے بزدل ہوتے ہیں جہاں جیت کا یقین ہو وہاں شیر ہوتے ہیں۔ پٹنے یا بازی برابر رہنے کا ذرا بھی اندیشہ ہو تو میدان چھوڑ کر بھاگ نکلنے میں عار نہیں سمجھتے۔

"میں جانتا ہوں۔" شاہد نے ہنس کر کہا "تمہاری حفاظت کے لیے برابر کے کمرے میں دو امریکی میرین کمانڈوز رہ رہے ہیں جو تم سے پہلے باہر نکل کر گرد و پیش کا جائزہ لیتے ہیں پھر دروازے پر خاص انداز میں دستک دے کر تمہیں میدان صاف ہونے کی اطلاع دیتے ہیں۔"

"اوہ!" وہ کھسیائی ہوئی ہنسی کے ساتھ بولا "تو تمہارے آدمی میرے نگرانی کر رہے ہیں۔"

"مجبوری ہے۔" شاہد نے بے پروائی سے اپنے شانے اچکا کے کہا "تم وی آئی پی ہو۔ تمہاری دیکھ بھال ہمارے فرائض میں شامل ہے۔"

"تم چاہو تو تمہارے کمرے کے باہر پولیس گارڈز بھی مامور کیے جاسکتے ہیں۔" آئی جی نے اس پر تفریحاً فقرہ کسا۔

"نو.... تھینک یو!" لیری نے برا مان کر سختی سے کہا

Downloaded from https://paksociety.com

"میرے لیے امریکی گارڈز ہی کافی ہیں۔"

"آج کے اجلاس میں تم ہمیں صرف اشتعال انگیز فیکس دکھانے آئے تھے!" جلال نے اس کے تیور بھانپ کر موضوع ہی بدل دیا۔

"ہاں۔ اصل مقصد یہی تھا۔ مگر ماجد یمنی اور ڈینی کے بارے میں یاد دہانی بھی ضروری ہے۔"

"میں پھر کہوں گا کہ سی آئی اے یا امریکی حکومت محض بھارتیوں کی خوشنودی کے لیے مظہر کو ضرورت سے زیادہ اہمیت دے رہی ہے۔" میں نے دانستہ کہا "اس کی ضرورت بھارتیوں کو ہے، تم کو نہیں۔ اب ہمیں یہ معلوم ہوگیا ہے کہ وہ را کا زر خرید آدمی ہے تو ہم اس کے پیچھے پاتال تک جائیں گے مگر تم اس معاملے میں اپنی ٹانگ مت اڑاؤ۔"

"اس پر دہلی میں پیش آنے والے واقعات میں ملوث ہونے کا الزام ہے۔" لیری نے اپنے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا "تم پچھلے اجلاس میں شریک نہیں ہوئے تھے۔ اس وقت اس موضوع پر خاصی ناخوشگوار بحث ہوئی تھی۔ وہ ہماری بھی ضرورت ہے کیونکہ ہمیں جان اسمتھ کے قاتل کی تلاش ہے۔ اس کے لیے ہم ہر حد تک جانے کے لیے تیار ہیں۔ جان دہلی میں اپنے قیام کے دوران میں اپنے ہم نام کے قتل کی کڑیاں بھی یک جا کرنے کی کوشش کرے گا۔"

"اس کے لیے کراچی کے مقابلے میں دہلی زیادہ مخدوش ہے۔ شاید وہ بھول رہا ہے کہ اس کے ہم نام سے پہلے اوبرائن ڈی ہنٹ نامی ایک اور اہم امریکی افسر دہلی میں حادثے کا شکار ہو کر مرگیا تھا۔"

"کرنل داور! امریکا اور امریکیوں کے بارے میں تمہارے مشاہدے قابل رشک ہیں۔" یہ کہتے ہوئے اس نے کرسی چھوڑ دی۔ وہ سات پاکستانی افسروں کے درمیان گھر کر بہت زیادہ بے آرامی محسوس کر رہا تھا۔

"ایک اچھا سیکرٹ ایجنٹ مثبت سے زیادہ منفی پہلوؤں پر نگاہ رکھنے کا عادی ہو جاتا ہے۔" میں نے ہنس کر جواب دیا۔

"اسی لیے مجھے ایس ٹی ایف سے بہترین امیدیں ہیں۔ ماجد یمنی، ڈینی اور مظہر کے بعد اب چندن کا قاتل بھی تمہارے لیے چوتھا چیلنج بن گیا ہے۔"

"وہ ہمارا کام ہے۔" آئی جی نے اس کی تصحیح کی "ایس ٹی ایف والے پولیس کے فرائض میں دخل اندازی نہیں کرتے۔"

ہم ساتوں نے کانفرنس روم کے دروازے پر لیری اور اس کے مددگار کو رخصت کیا۔ لیری نے جاتے ہوئے ہم سے فیکس کی نقول واپس نہیں لی تھیں۔

کرنل غفور فوری طور پر چلا گیا۔ دوسرے افراد دروازے پر کھڑے خوش گپیاں کرتے رہے۔ میں اس موقع سے فائدہ اٹھا کر جلال کو ایک طرف لے گیا۔

"آج تم نے اس موٹے کے بخیے ادھیڑ کر میرا دل خوش کر دیا۔" بھیڑ سے دور نکل آنے پر جلال نے مسرت سے کہا۔

"یہ باتیں ہوتی رہیں گی۔ آئی جی کو مشورہ دو کہ چندن کے قتل کو رقیبانہ انتقام کا رخ دینے کی کوشش کرے۔ اس نے اپنی زندگی کے آخری رنگین لمحات شہزادی نامی کسی لڑکی کے ساتھ گزارے تھے۔" میں نے سرگوشیانہ لہجے میں کہا۔

"بس، میں سمجھ گیا۔ یہاں زبان پر قابو رکھو۔ دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں۔ میں کسی وقت گھر آؤں گا۔"

ہم دونوں دوبارہ اپنے ساتھیوں میں آملے۔ رفتہ رفتہ سب وہاں سے روانہ ہوگئے۔ بس آئی جی دروازے پر کھڑا رہ گیا۔ شاید اسے تازہ مذاکرات کے بارے میں کمشنر سے کچھ مشورے کرنے تھے۔

"یہ بہت برا ہوا کہ تم اپنی جارحانہ باتوں کی وجہ سے لیری ہف کی نظروں میں آگئے۔ اس نے چلتے چلتے طنزیہ انداز میں تمہاری تعریف کی تھی۔" کمشنر ہاؤس کی حدود سے گاڑی باہر نکال لے جانے کے بعد اول خان نے اپنی تشویش کا اظہار کیا۔

"وہ سب باتیں ناگزیر تھیں۔ وہ لاجواب ہوگیا تھا۔" میں نے سگریٹ کا کش لے کر کہا "اب گھر جا کر یہ بات نہ دہرا دینا۔ غزالہ نیچے جھاڑ کر میرے پیچھے پڑ جائے گی۔ وہ مجھ سے شاکی رہتی ہے کہ میں ہر وقت خود سے خطرات مول لیتا رہتا ہوں۔ میں لیری کی ناراضی سے ذرا بھی خوف زدہ نہیں ہوں۔"

"وہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔ مجھے ڈر یہ ہے کہ وہ تمہارے بارے میں چھان بین شروع کروا دے گا۔ اسے تمہارا سروس ریکارڈ نہ ملا تو بہت بڑی مشکل کھڑی ہو جائے گی۔ کرنل داور کی ذات فوری طور پر شکوک و شبہات کی زد میں آجائے گی۔" اول خان اس بارے میں واقعی پریشان تھا۔

"مظہر کے نام سے میرا پاسپورٹ بنواتے ہوئے تم نے ایسی باتوں کا خاص دھیان رکھا تھا۔" میں نے چند ثانیوں کی خاموشی کے دوران سوچنے کے بعد کہا "را والے میرے کوائف کی اس تصدیق سے دھوکا کھا گئے تھے۔ کیا اس بار تم نے ایسی کوئی احتیاط نہیں کی؟"

Downloaded from https://paksociety.com

"میں نے اتنی ہی احتیاط کی ہے جتنی پاسپورٹ کے معاملے میں کی تھی۔ کرنل داور سکسٹی نائین فیلڈ کا افسر تھا جو ریٹائرمنٹ لینے کے بعد پچھلے کئی سال سے فوجی فاؤنڈیشن کی ایک فیکٹری میں کام کررہا ہے۔"

"بس' تو پھر یہی کافی ہے۔ ضروری نہیں کہ وہ ساری عمر کسی فیکٹری میں کام کرتا رہے۔ اس موقع ملا اور وہ اس فیکٹری کی ملازمت چھوڑ کر اسپیشل ٹاسک فورس میں آگیا۔ اب تم کیوں فکرمند ہورہے ہو۔"

"سی آئی اے والے سور ہوتے ہیں۔" اول خان نے سڑک پر نظریں جمائے ایک گہرا سانس لے کر جواب دیا "وہ بال کی کھال نکالنے کے عادی ہوتے ہیں۔ وہ کرنل داور کے سروس ریکارڈ کی نقل حاصل کرسکتے ہیں۔ اس میں داور کی تصویر بھی ہوگی۔"

"تم صحیح سمت میں سوچ رہے ہو۔" میں نے اس سے اتفاق کیا "اس علاقے میں اپنے تلخ تجربات کی بنا پر وہ بہت زیادہ محتاط ہوسکتے ہیں۔ ان سے ہر بات کی توقع کی جاسکتی ہے مگر تم کو اس بارے میں اتنا فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں۔ تم بھی ریٹائرڈ فوجی ہو۔ فوج میں تمہارے گہرے مراسم ہوں گے۔ حفظ ماتقدم کے طور پر ریکارڈ میں کرنل داور کی تصویر بدلوا دو کیونکہ کرنل داور والا رول کچھ طول پکڑ سکتا ہے۔"

"مجھے اسی بات کی پریشانی ہے۔ اس نے تمہارا نام اور چہرہ ذہن نشین کرلیا ہے۔ مظہر کی طرح کرنل داور کو کہیں غائب نہیں کیا جاسکتا۔ اول تو آرمی ریکارڈ میں کسی قسم کا ردو بدل ناممکن ہے۔ کسی طرح یہ کام کرلیا جائے تو خطرہ یہ ہے کہ تمہاری تصویر ہمیشہ کے لیے ریکارڈ پر آجائے گی۔"

"تم بعض اوقات ضرورت سے زیادہ سوچنے لگتے ہو۔" میں نے ہنس کر کہا "ضروری نہیں کہ ریکارڈ میں میری اصل تصویر ہی جائے۔ تصاویر اور کوائف کا مرحلہ ہر ملازمت کی ابتدا میں چلتا ہے اور ریٹائرمنٹ تک وہی ریکارڈ برقرار رہتا ہے۔ مجھ سے ملتی جلتی کوئی بھی تصویر چلے گی۔ آج سے دس پندرہ برس پہلے میں آج سے بہت مختلف رہا ہوں گا۔"

"اوکھلی میں سر دیا ہے تو اب کچھ نہ کچھ کرنا ہی پڑے گا۔ میرے ذہن میں ایک خطرہ سر ابھار رہا تھا۔ میں نے تمہیں اس سے آگاہ کردیا۔ اب ہم مل بیٹھ کر اس کا کوئی نہ کوئی تدارک بھی کرلیں گے۔"

ہم دونوں نے خاموشی اختیار کرلی۔ گاڑی تیزی سے واپسی کے سفر پر گامزن تھی۔

○☆○

انکشاف

"معروف اداکارہ نے تھانے میں رپٹ لکھوائی کہ چوہدری صاحب نے اس پر مجرمانہ حملہ کیا ہے۔"

"چوہدری صاحب نے آپ پر مجرمانہ حملہ کب کیا؟" تفتیشی افسر نے پوچھا۔

"پچھلے ہفتے" اداکارہ نے جواب دیا۔

"تو پھر آپ نے رپورٹ پچھلے ہفتے کیوں درج نہیں کرائی؟" تفتیشی افسر نے حیرت سے کہا۔

"اس وقت تک ان کا دیا ہوا چیک ڈس آنر ہوکر بینک سے واپس نہیں آیا تھا" اداکارہ نے جواب دیا۔

پچھلی رات ہم چندن کے اغوا کے ارادے سے گھر سے روانہ ہوئے تو ہمارا ابتدائی پروگرام یہ تھا کہ چندن کو اس کے گھر سے نکالیں گے اور قائداعظم کے مزار کے عقبی سڑک پر پھیلے ہوئے سناٹے میں قیدی کو ایس ٹی ایف والوں کے حوالے کرکے گھر لوٹ آئیں گے۔

اسٹیشن فور میں بیٹھا ہوا اول خان خود ہی قیدی سے نمٹ لیتا۔ ہم دونوں بروقت اپنی اپنی خواب گاہوں میں پہنچ جاتے مگر عملی طور پر ایسا نہیں ہوسکا۔ کچھ میرا فطری تجسس تھا اور دوسری طرف اخلاقیات کی پاس داری کہ ہم دونوں خود ہی اسٹیشن فور پہنچ گئے۔

وہاں سے واپسی میں اتنی دیر ہوگئی کہ سلطان شاہ تھک ہار کر سوچکا تھا۔ ویرا کے بارے میں کچھ نہیں کہا جاسکتا تھا کہ وہ نشے کی زیادتی کی وجہ سے بے ہوش تھی یا اسے بھی نیند آگئی تھی۔ ہم گھر پہنچے تو وہ بظاہر غفلت کی گہری نیند سوئی ہوئی تھی' صرف غزالہ ہم دونوں کی واپسی کے انتظار میں جاگ رہی تھی۔ گھر پہنچ کر میں نے پسنجر سیٹ پر سوئے ہوئے سلطان شاہ کو جگایا تو وہ گھر میں گھستے ہی بستر کی طرف ہولیا۔

غزالہ مجھ سے میری مصروفیات کے بارے میں زیادہ بات نہیں کرتی تھی۔ میں گھر سے کسی مہم کے لیے نکلتا تو میری سلامتی کے لیے دعاگو رہتی تھی۔ میں صحیح وسلامت لوٹ آتا تو خدا کا شکر ادا کرتی تھی۔ میں نے سرسری طور پر اسے چندن

Downloaded from https://paksociety.com

کے عبرت ناک انجام کے بارے میں بتادیا۔

چائے کے ساتھ ایک سینڈوچ لے کر میں بھی سونے کے لیے چلا گیا۔ صبح آٹھ بجے اول خان کا فون آیا تو ویرا بدستور گہری نیند سو رہی تھی۔ غزالہ میرے اور سلطان شاہ کے لیے ناشتا تیار کرچکی تھی۔ فون پر بات ہونے کے چند منٹ بعد اول خان راستے سے مجھے لیتا ہوا کمشنر ہاؤس کی طرف روانہ ہوگیا۔

ہم کو اتنا وقت ہی نہیں مل سکا تھا کہ ان واقعات کے بارے میں بیٹھ کر کوئی بات کرتے۔ میں اجلاس سے نمٹ کر اول خان کے ساتھ گھر پہنچا تو ویرا اپنی پوری تیاری کے ساتھ میری واپسی کی منتظر تھی۔ آثار بتا رہے تھے کہ اس نے غزالہ اور سلطان شاہ کو بھی میرے خلاف بھڑکانے کی کوشش کی تھی۔

"غنیمت ہے کہ تمہیں گھر آنے کا خیال آگیا" گھر میں قدم رکھتے ہی مجھے ویرا کی نشتر زنی کا سامنا کرنا پڑا "رات کو کہاں رہ گئے تھے؟"

"اول خان کے ساتھ مجرا دیکھنے چلا گیا تھا۔ تمہیں کوئی اعتراض ہے؟" میں نے سلگ کر پوچھا۔ غصہ مجھے اس بات پر آیا کہ سلطان شاہ اس کے ساتھ گھر میں موجود تھا۔ وہ پوری مہم میں میرا شریکِ کار رہا تھا۔ ویرا نے میری غیر حاضری میں اس سے سب کچھ پوچھ لیا ہوگا پھر بھی وہ میرے سامنے انجان بن رہی تھی۔

"تمہیں معلوم ہے کہ میں تم دونوں کے لیے کتنی پریشان تھی" ویرا نے احسان جتانے کی کوشش کی "تم اپنا موبائل فون بھی گھر پر بھول گئے تھے۔"

"تمہاری پریشانی کا اندازہ تمہاری گہری نیند سے ہوگیا تھا" میں نے گہرے طنز سے کہا مگر میں دل ہی دل میں اس کی نادانی پر ہنس رہا تھا۔ میں موبائل فون بھولا نہیں تھا۔ دانستہ گھر پر چھوڑ گیا تھا۔ اس چھوٹے سے شیطانی آلے کی جہاں بہت زیادہ افادیت تھی، ایک خرابی بھی تھی۔ اگر فون کھلا ہوا ہے تو آدمی کہیں بھی ہو، پکڑا جاتا ہے۔ ہمہ وقت رابطے کی وہ آزادی بعض نازک مقامات پر تکلیف دہ ہوسکتی تھی۔ مجھے اندازہ تھا کہ چندن کے اغوا میں ایسے کئی نازک مقامات آئیں گے۔ اگر کسی غلط موقع پر موبائل فون کی گھنٹی بجنے لگی تو سارا کیا دھرا رہ جائے گا۔

"تم گھر سے کچھ طے کرکے جاتے ہو اور باہر جاکر ارادے بدل لیتے ہو۔ تم کو اندازہ ہے کہ غزالہ تمہارے لیے کتنی فکرمند رہتی ہے" اپنی بات کا منہ توڑ جواب سنتے ہی ویرا نے غزالہ کو بھی اس بحث میں گھسیٹنے کی کوشش کی۔

"یہ میرا اور اس کا معاملہ ہے۔ تمہیں اس میں دخل انداز ہونے کی ضرورت نہیں۔ اسے مجھ سے کوئی شکایت نہیں ہے۔"

ویرا کی مستفسرانہ نظریں غزالہ کے چہرے کی طرف اٹھ گئیں۔ وہ جواب میں صرف مسکرا کر رہ گئی۔

"میری طرف سے تم دونوں بھاڑ میں جاؤ۔ میرا کیا جاتا ہے" غزالہ کے خوشگوار ردِعمل پر ویرا بھڑک اٹھی "یہ رات کو میرے ساتھ بیٹھی اس طرح ٹسوے بہا رہی تھی جیسے تھوڑی دیر میں تمہاری تدفین کی خبر آنے والی ہے۔ اب دانت نکال رہی ہے۔"

"ویرا!" اول خان نے تادیبی لہجے میں اسے پکارا "مہذب لب ولہجہ اختیار کرو۔ تم حد سے تجاوز کررہی ہو۔"

ویرا کو اپنی غلطی کا احساس ہوگیا۔ اس نے زبان سے کچھ نہیں کہا۔ خاموش بیٹھی چند ثانیوں تک مجھے گھورتی رہی پھر بولی "رات کو کیا ہوا تھا؟"

تم کو سلطان شاہ نے ہر بات بتادی ہوگی، میرا دہرانا ضروری نہیں ہے۔"

"میں نے ان دونوں کو ہر بات بتادی ہے" سلطان شاہ نے جھٹ میری تائید کی "ویرا کو اس بات پر سخت اعتراض ہے کہ ہم نے چندن کی گرل فرینڈ کو کیوں چھوڑ دیا؟ وہ ہمارے لیے خطرناک ثابت ہوسکتی ہے۔"

"کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ تمہارے اس نادر اندیشے کا سبب کیا ہے؟" میں نے ویرا سے مخاطب ہوکر کہا۔

"میں عورت ہوں اور عورتوں کو تم سے زیادہ جانتی ہوں۔ تمہیں دیکھ کر اسے اپنی جان خطرے میں نظر آئی اور اس نے اداکاری شروع کردی۔ اس نے اپنے مکر سے تم کو فریب دے دیا۔ وہ کہیں بھی تمہیں پہچان لے گی" ویرا نے دعوے سے کہا۔

"اگر صرف اتنی سی بات ہے تو اسے اپنے نازک دماغ سے جھٹک دو۔ وہ اس بری طرح مدہوش تھی کہ اسے اپنے تن کے کپڑوں کا بھی ہوش نہیں تھا۔"

"وہ نمفو مینیا کی مریضہ رہی ہوگی۔ ایسی عورتوں کو بے لباس ہوکر ہی سکون ملتا ہے" ویرا نے بے پروائی سے کہا۔

"تم نے کیا بے ہودہ باتیں شروع کردیں" سلطان شاہ نے چڑ کر اسے ٹوک دیا "وہ رات کی باتیں تھیں۔ رات گئی بات گئی۔ اس وقت یہ دونوں لیری سے مل کر آرہے ہیں۔ وہاں ہونے والی باتیں اس وقت سب سے زیادہ اہم ہیں۔"

Downloaded from https://paksociety.com

ویرا نے اس کی بات سنی ان سنی کردی اور مجھ سے کہا "تم نے چوپڑہ کے بارے میں کیا کیا؟"

"کچھ خدا کا خوف کرو" میں نے اسے گھورتے ہوئے کہا "ہم رات گئے واپس آئے۔ صبح سویرے کانفرنس میں چلے گئے۔ کچھ کرنے کا وقت کہاں تھا میرے پاس۔"

"ہوسکا تو اسے میں دیکھوں گی" وہ پرخیال انداز میں بولی "اب بتاؤ کہ لیری کو کیا تکلیف ہے؟"

"میرے بھیجے ہوئے فیکس نے یکایک بین الاقوامی اہمیت حاصل کرلی ہے" میں نے ہنستے ہوئے بتایا۔

"وہ بے وقعت خط جس میں ٹائپنگ کی بے شمار غلطیاں ہیں؟" ویرا نے حیرت سے تائید چاہی۔

"چند گھنٹوں کی مدت میں وہ فیکس چندن سے لیری تک پہنچ گیا۔ وہ اندیشے درست ثابت ہوئے کہ بھارتی اور امریکی اس خط کو مظہر کی کراچی میں موجودگی کا کھلا ثبوت قرار دے رہے ہیں اور شدت سے اس کی گرفتاری کا مطالبہ کررہے ہیں" میں نے بتایا۔

"یہ باتیں چلتی رہیں گی" اول خان نے بلند آواز میں غزالہ سے کہا "تم ذرا ہلکے پھلکے ناشتے کا بندوبست کرلو!"

غزالہ اول خان کی کسی فرمائش کو رد نہیں کرتی تھی۔ اپنی جگہ سے اٹھی اور کچن کی طرف چل دی۔

"اس فیکس کے بارے میں ہمارے خدشات درست ثابت ہوئے۔ چندن کی موت کی صورت میں ہم نے اس سے فائدہ اٹھالیا مگر اب خطرہ سامنے ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ مظہر اور غزالہ کی واپسی کے بارے میں پاکستان کا مطالبہ بھی مسترد کردیا جائے گا" ویرا نے پوچھا۔

"اس کا امکان نہیں ہے۔ فیکس کو اس کے حساس متن کی وجہ سے آف دی ریکارڈ رکھا گیا ہے۔"

"اوہ! تو وہ اجلاس اسی لیے آف دی ریکارڈ تھا" ویرا نے چونک کر کہا "میرا خیال تھا کہ ایس ٹی ایف کی نمائندگی کی وجہ سے ایسا ہوا ہے۔"

"لیری کو ماجد یمنی، ڈینی اور مظہر کے بارے میں ایس ٹی ایف سے بہت توقعات ہیں" میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"کچھ دنوں بعد اس میں چوتھا نام بھی شامل ہوجائے گا۔ آج تم کس نام سے میٹنگ میں گئے تھے؟" ویرا نے پوچھا۔

"کرنل داور!" اول خان نے جواب دیا "ڈینی نے آج لیری کو بری طرح رگید کر رکھ دیا۔ کرنل داور اس کی نظروں میں آچکا ہے۔"

"کرنل داور بن کر تم آزادانہ نقل و حرکت کرسکتے ہو۔ میرا مشورہ ہے کہ کچھ دنوں کے لیے اسٹیشن فورپر ہی منتقل ہوجاؤ۔ ہم لوگ اپنی دیکھ بھال خود کرلیں گے۔"

"تم کو اس کے منہ نہیں لگنا چاہیے تھا۔ تم جانتے ہو کہ دشمنی کے معاملے میں امریکی کتنے کھٹیا ہوتے ہیں" سلطان شاہ بولا۔

"میں خود اس اجلاس میں پس منظر میں رہنا چاہ رہا تھا مگر اس کی باتیں اشتعال انگیز تھیں۔"

"تم نے جلد بازی سے کام لیا" اول خان نے زبان کھولی "وہاں تم اکیلے نہیں تھے۔ دوسرے افسر بھی اس کی کھال ادھیڑنے پر تلے ہوئے تھے۔ امریکیوں کے حاکمانہ سلوک کی وجہ سے کوئی بھی ان کو پسند نہیں کرتا۔ تم خاموش رہتے تو

افسانچہ

ایک خوب صورت لڑکی شام کے وقت ایک پارک سے گزر رہی تھی کہ فوارے کے قریب سے اس نے ایک دھیمی اور فریادی سی آواز سنی "ذرا سنیے.... ذرا سنیے۔"

وہاں کوئی نظر نہیں آرہا تھا۔ اس نے اِدھر اُدھر دیکھا تو پتا چلا کہ ایک مینڈک اس سے مخاطب تھا۔ مینڈک درد بھری آواز میں مزید بولا "اے پیاری لڑکی! حقیقت یہ ہے کہ میں ایک ملک کا شہزادہ ہوں لیکن ایک جادوگرنی نے جادو کے زور سے مجھے مینڈک بنادیا ہے۔ اگر تم جیسی کوئی حسین لڑکی ایک رات نہایت پیار محبت سے مجھے اپنے ساتھ رکھے تو میں دوبارہ انسان کے روپ میں آجاؤں گا۔ یہی اس جادو کا توڑ ہے۔ خدا کے لیے میرے حال پر رحم کرو اور ایک رات کے لیے مجھے اپنے ساتھ لے چلو۔"

لڑکی کو اس پر ترس آگیا۔ وہ اسے گھر لے آئی۔ پیار سے اپنے ساتھ رکھا۔ بستر میں اپنے ساتھ سلایا۔ صبح وہ مینڈک واقعی ایک خوش شکل نوجوان بن گیا۔

اس افسانچے کا المناک پہلو یہ ہے کہ لڑکی کی ماں نے لڑکی کی سنائی ہوئی اس کہانی پر یقین نہیں کیا۔

Downloaded from https://paksociety.com

کوئی نہ کوئی اسے ضرور منہ توڑ جواب دیتا۔"

"جو ہونا تھا وہ ہوگیا۔ اب ہمیں خود کو آنے والے حالات کے مقابلے کے لیے تیار کرنا چاہیے۔ اس مرتبہ یہ لوگ اپنے ملزموں کو پکڑنے کا قصد کرکے میدان میں اترے ہیں اور کوئی بڑی چوٹ کھائے بغیر میدان سے نہیں بھاگیں گے" میں نے سگریٹ کا ایک کش لے کر کہا۔

"اور چندن کے تاریخی الفاظ بھی یاد رکھنا" سلطان شاہ نے ویرا سے مخاطب ہو کر کہا "اس نے ایک چھوٹے سے جملے میں بھارتی سوچ کا نچوڑ سمو دیا تھا۔"

"نشے میں مار کھا کر بھی وہ ایسی باتیں کرنے کے قابل تھا!" ویرا نے حیرت سے پوچھا۔

"وہ بہت سخت جان اور ضدی تھا۔ وہ کہہ رہا تھا کہ ہند' ہندو کا تھا' ہندو کا ہے اور ہندو کا ہی رہے گا۔"

"پھر تو امریکا بھی ریڈ انڈینز کا ہونا چاہیے۔ سفید فام قوموں کے لوگ وہاں یورپ' برطانیہ اور آسٹریلیا سے گئے تھے" ویرا نے منہ بنا کر جواب دیا۔

"یہ آگ لگا دینے والی پر تشویش باتیں ہیں۔ وقتی طور پر اس نفرت کو کتنا ہی دبا لیا جائے' یہ کسی نہ کسی وقت اپنا رنگ ضرور دکھائے گی" اول خان کی آواز پر تشویش تھی۔

"بھارتی ریاست اور قیادت کی پھیلائی ہوئی یہ نفرت آئے دن اپنا کام دکھاتی رہتی ہے۔" ویرا نے متاسفانہ انداز میں کہا "وہاں ہندو مسلم فساد ہوتے رہتے ہیں۔ پچھلے دنوں انتہا پسند ہندوؤں نے ایودھیا میں رام مندر بنانے کے لیے بابری مسجد کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ پچھلے مہینے بڑودہ میں چالیس مسلمان مار دیے گئے۔ یہ سب اسی نفرت کا شاخسانہ ہے جس کے بیج بھارتی قیادت بوتی رہتی ہے۔"

"ہندو کا فلسفہ اب رفتہ رفتہ میری سمجھ میں آتا جارہا ہے۔" اول خان نے سوچتے ہوئے کہا "دنیا میں بہتیرے مسلمان ملک ہیں لیکن بھارت کو کسی سے پرخاش نہیں ہے مگر وہ پاکستان کو ہر قیمت پر نیست و نابود کردینا چاہتا ہے۔ اس بھارتی سوچ کے پیچھے خالص ہندو ذہنیت کار فرما ہے۔"

"اور وہ ہندو ذہنیت کیا ہے؟" ویرا نے پوچھا۔

"روایتی ہندوانہ انا۔ یہ احساس آج بھی ان کے دل میں کچوکے لگاتا ہے کہ مسلمان باہر سے آئے اور ایک طویل مدت تک ان پر راج کرگئے۔"

"ان پر تو انگریزوں نے بھی راج کیا تھا۔ وہ ان سے محبت کیوں کرتے ہیں؟" ویرا بات بڑھانا جانتی تھی۔

"انگریز آیا اور چلا گیا۔ اس نے بھارت میں اپنا کوئی وطن نہیں بنایا۔ مسلمانوں نے عروج کے بعد زوال دیکھا اور آخر میں پاکستان بنالیا۔ متعصب ہندو پاکستان کو اپنے لیے گالی تصور کرتے ہیں۔ یہ ملک انہیں ہر وقت اس دور کی یاد دلاتا رہتا ہے جب وہ مسلمانوں کی غلامی کررہے تھے۔ وہ اس علامت کے دشمن ہیں۔"

"ان کا یہ خواب کبھی پورا نہیں ہوگا۔" سلطان شاہ نے پُرعزم لہجے میں کہا "وہ اپنی سی پوری کوششیں کرتے ہیں مگر ہر بار منہ کی کھاتے ہیں۔ اجمل' نزیش اور ناگر کی چتاؤں کی راکھ ٹھنڈی نہیں ہوئی تھی کہ اب چندن کی ارتھی تیار رہے۔ یہ پے در پے ناکامیاں آخر کار ان کے حوصلے پست کردیں گی۔"

"میرا خیال ہے کہ تم لوگ سیاست اور تاریخ میں الجھ رہے ہو۔" میں نے اکتا کر کہا "یہ ہمارے موضوع نہیں ہیں۔ ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ آج کے مسائل کیا ہیں۔ سب کچھ بھی ہو' مسائل اپنی جگہ اٹل ہوتے ہیں۔ ان کا کوئی نہ کوئی حل نکالنا ہی پڑتا ہے۔"

"اور اس وقت کا سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ میز پر ناشتا تیار ہے۔" غزالہ نے آکر اعلان کیا۔ سب اٹھ گئے۔

ناشتے کی میز پر وہ لوگ اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے رہے۔ میں اپنے خیالوں کی دنیا میں کھویا رہا۔ اپنے بارے میں لیری کی کہی ہوئی باتیں رہ رہ کر میرے ذہن میں چبھ رہی تھیں۔ جذبات کی رو میں آکر میں نے اجلاس میں اس کی اچھی خاصی سرکوبی کر ڈالی تھی لیکن ٹھنڈے دل سے سوچنے پر اندازہ ہو رہا تھا کہ میں کچھ زیادہ ہی بول گیا تھا۔ اپنی ذات کو درپیش خطرات کو مدِنظر رکھتے ہوئے وہاں احتیاط ضروری تھا۔

"لیری کا یہاں سے بھاگنا ضروری ہوگیا ہے۔" کھانے کے بعد میں نے اول خان سے کہا۔

"اس میں کیا رکھا ہے۔ وہ ہر وقت اپنے کمرے میں بند نہیں رہ سکتا۔ اس پر چھوٹا موٹا مصنوعی حملہ کرا دو۔ خود بھاگ جائے گا۔" ویرا نے بیچ میں اپنی ٹانگ اڑا دی۔

"احمقانہ باتیں تم سے سیکھنی چاہئیں۔" سلطان شاہ کو بھی بولنے کا موقع مل گیا "ابھی سن چکی ہو کہ ہر وقت دو امریکی کمانڈو اس کی حفاظت کرتے ہیں۔ مصنوعی حملے میں حصہ لینے والے مفت میں ان کے ہاتھوں مارے جائیں گے۔"

"میرا خیال ہے کہ میں اپنے آدمیوں کو اس کے پیچھے لگا دوں۔" اول خان نے تجویز پیش کی "انہوں نے کسی بے نام و نشان گاڑی میں دو تین مرتبہ اس کا تعاقب کیا تو وہ خوف زدہ

Downloaded from https://paksociety.com

ہوجائے گا۔ تم نے دیکھا کہ اس نے آئی جی کی طرف سے پولیس گارڈز کی پیشکش ٹھکرا دی تھی۔ وہ یہاں اپنے سائے سے بھی بھڑک رہا ہے۔ اسے یہ خوف دامن گیر ہوجائے گا کہ نامعلوم قاتل یا دہشت گرد اس کے پیچھے لگ گئے ہیں۔"

"تجویز معقول ہے مگر امریکی کمانڈوز گھبرا کر کوئی کارروائی کر بیٹھے تو لینے کے دینے پڑجائیں گے۔" میں نے اندیشہ ظاہر کیا۔

"زیادہ سے زیادہ وہ چلتی گاڑی سے فائرنگ کریں گے۔ ایسی گولیاں کبھی نشانے پر نہیں لگتیں۔ اندھا دھند فائرنگ کا مقصد صرف ہراس پھیلانا ہوتا ہے۔ ایسے موقع پر اول خان کے آدمی فرار کی راہ اختیار کرلیں گے۔" ویرا اپنی تجویز سے دست بردار ہوکر اول خان سے متفق ہوگئی۔

"بس ایک ڈر ہے کہ کہیں یہ حرکت جلال کی پالیسی سے متصادم نہ ہو۔" میں نے کہا۔

"پھر وہی جلال۔" ویرا تنک کر بولی "میں پوچھتی ہوں کہ تم اس کے اسیر کیوں ہوگئے ہو۔"

"ذہنی ٹھیک کہہ رہا ہے۔" اول خان نے میری تائید کی "ہم لوگ کوئی کام اپنے ذاتی مفاد کے لیے نہیں کرتے۔ ہمارا ہر قدم اپنے ملک کے لیے اٹھتا ہے۔ اگر ہماری کسی کارروائی سے ملک کے کاز (CAUSE) کو نقصان پہنچنے کا خطرہ ہو تو ہمیں اس سے احتراز کرنا چاہیے۔"

"بنیادی طور پر مجھے تعاقب کا مشورہ اچھا لگا۔ یہ اس پر دباؤ ڈالنے کی بے ضرر ترکیب ہے۔" میں نے کہا۔

"جلال سے بات کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔" اس بار سلطان شاہ ویرا کا ہم نوا بن گیا "جان الیش کوف والے معاملے میں بھی تم نے اسے اعتماد میں نہیں لیا تھا۔ بعد میں وہ تمہاری کارکردگی کے بارے میں جان کر خوش ہوگیا تھا۔ لیری کے لیے بھی اسی نسخے پر عمل کرڈالو۔"

میں بے ساختہ مسکرانے پر مجبور ہوگیا "مجھے خوشی ہے کہ تم کارآمد مثالیں یاد رکھتے ہو۔"

"مجبوری ہے۔" وہ شانے اچکا کے بولا "تمہارے اور ویرا کے اختلافات کو رفع دفع کرانے کے لیے بہت کچھ یاد رکھنا پڑتا ہے۔"

"یہ تم کہہ رہے ہو۔" غزالہ بولی "تمہاری اور ویرا کی ایک پل بھی نہیں بنتی۔ اس وقت تم اس کے چہیتے بن رہے ہو۔"

"پھر میں اپنے آدمیوں کو ہدایات دے دوں۔" اول خان نے مجھ سے پوچھا۔

"میں شام تک تمہیں فون پر بتادوں گا۔ مجھے سوچنے کے لیے کچھ وقت دے دو۔ لیری عجلت میں شاید کوئی قدم نہ اٹھائے۔"

وقت کی تنگی کی وجہ سے اول خان گھر سے دفتر جانے کے بجائے سیدھا میری طرف آگیا تھا تاکہ مجھے اپنے ساتھ لے کر کمشنر ہاؤس جاسکے۔ اس نے ہمارے گھر سے اپنے دفتر فون کرلیا تھا مگر وہ دفتر سے اتنی طویل غیر حاضری کا متحمل نہیں ہوسکتا تھا۔ اپنی معمول کی ذمے داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے لیے دفتر میں اس کی موجودگی ضروری ہوتی تھی۔ وہ ہم لوگوں سے اجازت لے کر اپنے دفتر کے لیے روانہ ہوگیا۔

ویرا کو اپنی ذاتی ضروریات کی کچھ چیزیں خریدنی تھیں۔ وہ ہمیشہ تنہا باہر نکلنے پر اصرار کرتی تھی لیکن ان دنوں میں نے ذرا سخت رویہ اختیار کرلیا تھا اور اسے اکیلا باہر نہیں جانے دیتا تھا۔ جب سے جان نے گلشن کے اس پبلک ٹیلی فون بوتھ کا نمبر پکڑا تھا جہاں سے میں نے ماجد بن کر اس سے بات کی تھی' میں زیادہ محتاط ہوگیا تھا۔ ان دنوں ساری ملکی ایجنسیاں ہمارے ساتھ تھیں لیکن مجھے ڈر تھا کہ دشمن کے ہرکارے اس بوتھ کے قرب وجوار میں ماجد یمنی کی بو سونگھتے پھر رہے ہوں گے۔

ویرا میرے اصرار پر سلطان شاہ کو ساتھ لے کر کسی قریبی بازار کی طرف چلی گئی۔

میں ان دونوں کو رخصت کرکے واپس لوٹا تو غزالہ الماری کھولے کپڑوں میں کچھ تلاش کررہی تھی۔ میں نرم قالین پر دبے پاؤں چلتا ہوا اس کے پیچھے پہنچا اور اچانک اسے اپنی بانہوں میں سمیٹ لیا۔

غزالہ کے حلق سے ایک اضطراری چیخ آزاد ہوگئی۔ میری حرکت سے وہ خوف زدہ ہوگئی تھی۔ اس نے پلٹ کر مجھے دیکھنے سے پہلے شاید میرے لمس کو پہچان لیا تھا۔ اس لیے اس کی بے ساختہ چیخ زیادہ بلند آہنگ نہیں ہوسکی تھی۔

"کیا آپ نے ان دونوں کو اس لیے ایک ساتھ بازار بھیجا ہے؟" اس نے میری بانہوں سے نکل کر تیکھے لہجے میں پوچھا۔

"کبھی کبھی میں ان دونوں کے تسلّط سے اکتا جاتا ہوں۔" میں نے ہنس کر کہا۔

"آپ بہت بے مروت ہیں۔ آپ چلے جاتے ہیں تو وہ دونوں پل پل آپ کا انتظار کرتے رہتے ہیں۔"

"اور تم بے فکری سے اپنا منہ لپیٹ کر سوجاتی ہو۔" وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے فضا

Downloaded from https://paksociety.com

میں چاندی کی بہت سی گھنٹیاں گنگنا اٹھی ہوں۔

"وہ دونوں آپ سے بہت پیار کرتے ہیں۔ آپ کبھی کبھی بہت رکھائی سے انہیں جھڑک دیتے ہیں۔ وہ بچے نہیں ہیں۔ پتا نہیں کس دل گردے سے آپ کی جھڑکیاں برداشت کرلیتے ہیں۔ سگے بہن بھائی بھی آپ کو شاید اتنا پیار نہیں دے سکتے تھے۔" باتیں کرتی ہوئی وہ بستر پر جا بیٹھی۔

مجھے یوں محسوس ہوا جیسے غزالہ نے میرا کوئی دبا ہوا زخم کرید دیا ہو۔ بچپن میں، میں نے گھر کی خوشی دیکھی تھی نہ میرا لڑکپن بے فکری سے گزرا تھا۔ باپ کی وفات کے بعد سوتیلے بھائیوں کے سلوک نے مجھے اپنی ماں کے ساتھ جس طرح راندہ درگاہ کیا تھا، وہ میرا دل ہی جانتا تھا۔

غزالہ نے نادانستگی میں بہن بھائی کا ذکر کرکے میری ان تلخ یادوں کے تار چھیڑ دیے تھے۔

"آپ دہلی سے سرخ رو لوٹنے کے بعد بھی بہت مصروف ہیں۔" کچھ دیر بعد اس کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔

"تو تمہارا کیا خیال ہے؟" میں نے تلخ ماضی سے لوٹتے ہوئے پوچھا۔ "کیا مجھے پنشن پر چلا جانا چاہیے؟"

"کہا یہ جارہا تھا کہ انل بسواس کو راستے سے ہٹا دینے کے بعد راکی کرٹوٹ جائے گی۔"

"نتائج تمہارے سامنے ہیں۔ ان کی صفوں میں انتشار اور ابتری کے آثار پیدا ہوچکے ہیں۔"

"اور یہ چندن کہاں سے آگ آیا؟" اس نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھا۔

"انل کے قتل کا قصہ ابھی ختم نہیں ہوا۔ یہ اسی واقعے کی دھول ہے جو اب تک اڑ رہی ہے۔ انل کے پس ماندگان کو اس کے قاتلوں کی تلاش ہے۔ ابھی انہیں ناکامی کا پہلا گھاؤ لگا ہے۔ رفتہ رفتہ ان کی عقل ٹھکانے پر آجائے گی۔"

"اس کا مطلب ہے کہ آپ یوں ہی ہر وقت مصروف رہیں گے۔"

"میں نے ہر وقت گھر میں رہنا شروع کردیا تو تم میری صورت دیکھ دیکھ کر اکتا جاؤ گی۔" میں نے اس کے رخسار پر ہلکی سی چپت لگا کر کہا۔

"آپ کی صورت میرے دل پر نقش ہے۔ اسے میں ایک پل کے لیے بھی نہیں بھلا سکتی۔"

"تمہیں خوش ہونا چاہیے کہ ہم نے دہلی میں ایک مرحلہ نہیں، کئی کٹھن معرکے کامیابی سے سر کرلیے۔ اب حالات و واقعات میں پہلے جیسی تیزی نہیں رہے گی۔ زندگی کا کوئی نہ کوئی خوشگوار معمول بن ہی جائے گا۔"

"بس مجھے اسی دن کا انتظار ہے۔ انل اور جان کا قصہ پاک ہوا تو دوسرا جان یہاں آگیا۔ وہ بھاگا تو لیری سر پر سوار ہے۔"

"یہ لوگ آتے جاتے رہیں گے۔ میں سوچ رہا ہوں کہ آج شہر کے کسی دوسرے حصے سے لیری کو بھی فون کرلوں۔"

"جان فلیٹ میں رہ رہا تھا۔" غزالہ نے سوچتے ہوئے تائیدی انداز میں کہا "اسے وہاں بہت سی سہولتیں دستیاب تھیں جن کے سہارے اس نے پبلک بوتھ کے نمبر کا سراغ لگالیا تھا لیکن لیری ہوٹل میں رہ رہا ہے۔ اسے کچھ پتا نہیں چلے گا۔"

مجھے یاد تھا کہ جان نے نہ صرف پبلک بوتھ کا فون نمبر بلکہ میری اور اپنی گفتگو کا ریکارڈ کیا ہوا کیسٹ بھی حکام کے حوالے کردیا تھا۔ لیری کو ایسی کوئی سہولت دستیاب نہیں تھی۔ میں نے کہا "یہ دونوں بازار سے لوٹ آئیں تو میں سلطان شاہ کو اپنے ساتھ لے کر خاموشی سے نکل جاؤں گا۔"

"آپ اس سے کیا بات کرنے کا ارادہ کررہے ہیں؟"

"وہ اس قابل نہیں ہے کہ اس سے کوئی بات کی جائے۔ میں نے صرف ایک بات سوچی ہوئی ہے کہ اس سے بات کرتے ہوئے میرا نام عبدالماجد ہوگا۔" میں نے ہنس کر

ازراہ کرم

ایک امریکی نے اپنی بیوی کی بے وفائی کا ثبوت حاصل کرنے کے لیے ایک سراغ رساں کی خدمات حاصل کیں۔ سراغ رساں نے اسے اس کی بیوی اور آشنا کی کچھ تصویریں کھینچ کر ثبوت کے طور پر لاکردیں۔ امریکی نے دوسرے روز تصویریں آشنا کے سامنے رکھتے ہوئے غصے میں غرا کر کہا "یہ دیکھو.... اس تصویر میں تم میری بیوی کے گلے میں بانہیں ڈالے بیٹھے ہو.... اس میں تم میری بیوی کے ساتھ بیٹھے پی رہے ہو.... اس میں تم میری بیوی کے ساتھ بیڈ روم میں ہو.... تم اس سلسلے میں کیا کہنا چاہتے ہو؟"

آشنا نے تصویریں دیکھ کر سر ہلایا پھر تیسری تصویر اٹھاتے ہوئے کہا "ٹھیک ہے.... یہ میں لے لوں گا.... اس کے مجھے پندرہ پرنٹ نکلوا دو۔"

Downloaded from https://paksociety.com

کہا۔

وہ خوش ہوگئی "یہ سب سے بہتر رہے گا۔ اس پر دہرا دباؤ پڑے گا۔ ایک طرف ایس ٹی ایف والے اس کا پیچھا کریں گے' دوسری طرف ماجد یمنی کا فون ہوگا۔ وہ حواس باختہ ہوجائے گا اور زیادہ دیر یہاں نہیں ٹکے گا۔"

"لیری چلا جائے گا تو ہمارا وقت سکون سے گزرے گا۔ سی آئی اے والوں کی تسلی کے لیے ہماری ایجنسیاں کاغذی خانہ پری کرتی رہیں گی۔"

"آپ نے اپنی یہ تجویز ویرا کے سامنے نہیں رکھی۔" غزالہ نے پوچھا۔

"وہ کچھ چڑچڑی اور بددماغ ہوگئی ہے۔ ہر بات میں بحث کا پہلو نکال لیتی ہے اس وقت وہ موجود نہیں تھی۔ ہم دونوں نے اطمینان سے ایک فیصلہ کرلیا۔ وہ بحث پر آمادہ ہوجاتی ہے تو اسے سمجھانا مشکل ہوجاتا ہے۔"

"اس کی عادتیں آپ نے بگاڑی ہیں۔ ہمیشہ اس کی اتنی ناز برداریاں کرتے ہیں کہ اس کی جگہ کوئی اچھی بھلی عورت ہو تو اس کا بھی دماغ خراب ہوجائے۔"

"میں تو تمہاری بھی ناز برداریاں کرتا ہوں۔ تمہارا دماغ کیوں خراب نہیں ہوتا۔"

"آپ مبالغے سے کام لے رہے ہیں۔" اس نے میری تصحیح کرتے ہوئے کہا "دوسروں کے سامنے آپ مجھے نظرانداز کرتے رہتے ہیں۔"

"چلو اب خیال رکھوں گا۔ سب کے سامنے تمہیں اپنی گود میں اٹھالوں تو برا نہ منانا۔"

"اب میں تماشا بھی نہیں بننا چاہتی۔" وہ ہنس دی۔

ویرا کچھ بتا کر نہیں گئی تھی مگر میرا اندازہ تھا کہ وہ ایک ڈیڑھ گھنٹے میں لوٹ آئے گی۔ جب دو بج گئے تو مجھے ان دونوں کی طرف سے تشویش ہونے لگی۔ اس تشویش میں بھڑکی ہوئی بھوک بھی دب کر رہ گئی۔

وہ دونوں گاڑی لے کر گئے تھے۔ واپس آکر گیٹ پر ہارن بجاتے اور ہمیں ان کی آمد کا علم ہوجاتا مگر ڈھائی بجے میرے اضطراب کا یہ عالم ہوگیا کہ میں بار بار دروازہ کھول کر باہر جھانکنے لگا۔ ان دونوں کا دور دور تک کوئی پتا نہیں تھا۔

پونے تین بجے گیٹ کے قریب ایک گاڑی کے رکنے کی آواز آئی۔ انجن کی آواز نامانوس تھی مگر میں نے دروازے کی طرف دوڑ لگا دی۔ میں دروازے کا بولٹ کھول رہا تھا تو ڈور بیل بج اٹھی۔ ویرا یا سلطان شاہ سے اتنی تہذیب کی توقع نہیں تھی۔ اپنے دروازے پر وہ دونوں گاڑی سے اترے بغیر ہارن بجانے کے عادی تھے۔

میں باہر نکلا تو پھاٹک پر جلال موجود تھا۔ میں نے اپنی دانست میں تپاک سے اس کا خیر مقدم کیا مگر مجھ سے کوئی نہ کوئی ایسی حرکت سرزد ہوگئی کہ وہ میری پریشانی کو تاڑ گیا اور اس بارے میں سوال کر بیٹھا۔

میں اسے ویرا اور سلطان شاہ کی واپسی میں تاخیر کے بارے میں بتانے ہی والا تھا کہ گلی کے سرے مجھے ان کی کار مڑتی ہوئی نظر آئی اور میں نے بات ٹال دی "کچھ نہیں۔۔۔ آؤ' تم اندر چلو۔ وہیں بیٹھ کر گپ شپ ہوگی۔"

میں نے پھاٹک کھلا چھوڑ دیا۔ ہمارے بیٹھتے ہی وہ دونوں بھی اندر آگئے۔

میرا خیال تھا کہ ویرا نے دل کھول کر خریداری کی ہوگی مگر سلطان شاہ کے ہاتھ میں صرف ایک شاپنگ بیگ دیکھ کر مجھے حیرت ہوئی۔

ویرا تھکے ہوئے انداز میں جلال سے دعا سلام کرکے اپنے کمرے میں چلی گئی۔

"میرا خیال ہے کہ میں غلط وقت پر آیا ہوں۔" اس آمد و رفت پر جلال نے ندامت سے کہا۔

تم بالکل صحیح وقت پر آئے ہو۔ تم نہ آئے ہوتے تو میں ان دونوں کی تلاش میں نکل کر کھڑا ہوتا۔ یہ بہت دیر میں واپس آئے ہیں۔" میں نے سلطان شاہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"کلینک میں دیر ہوگئی۔" سلطان شاہ نے وضاحت کی "ایک لڑکے نے چلتی موٹر سائیکل پر ویرا کا پرس چھیننے کی کوشش کی تھی۔ اس کا پیر مڑ گیا تو ڈاکٹر کے پاس جانا پڑ گیا۔ وہاں دیر ہوگئی۔"

"پرس اور لڑکے کا کیا ہوا؟" جلال نے دلچسپی سے پوچھا۔

"پرس بچ گیا۔ اس کا اسٹریپ ویرا کی کلائی میں لپٹا ہوا تھا۔ اس کے جھٹکے سے اس کا پیر مڑ گیا۔ لڑکا موٹر سائیکل پر فرار ہوگیا۔"

مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے سر سے کوئی بوجھ اتر گیا ہو۔ سلطان شاہ اس واقعے کی بدمزگی اور ویرا کی تیمارداری سے اکتایا ہوا تھا۔ وہ بھی ڈرائنگ روم سے چلا گیا۔ غزالہ جلال سے مل کر سب سے پہلے کچن میں چلی گئی تھی۔

"اگر تمہیں ویرا سے کوئی بات کرنی ہے تو کرلو۔ میں انتظار کرلوں گا۔" جلال نے سگریٹ سلگا کر اطمینان سے کہا۔

Downloaded from https://paksociety.com

"واقعے کی تفصیل معلوم ہوجانے کے بعد اب مجھے کسی چیز کی پروا نہیں ہے۔"

"یار اس کی مزاج پرسی ہی کرلو۔" اس نے میری بات کاٹ کر کہا "بے چاری کے پاؤں میں موچ آئی ہوئی ہے۔"

"موچ آئی ہوتی تو وہ اپنے قدموں پر چلتی ہوئی یہاں تک نہ آتی۔ تم سناؤ کیا خبریں ہیں۔"

"آج کا میلہ تم نے لوٹ لیا۔ تمہاری کاٹ دار باتوں نے سب کے دل موہ لیے۔ اب لیری کو بھی تمہاری فکر ہے۔"

"اس کو شروع سے میری فکر ہے۔ وہ تین ناموں سے مجھے تلاش کررہا ہے۔ تم کس نام کی بات کررہے ہو؟" میں نے سوال کیا۔

"کرنل داور۔ اس نے بہت مکاری سے کام لیتے ہوئے کرنل شعبان سے تمہارا سروس ریکارڈ مانگا ہے۔"

"مجھے اندازہ نہیں تھا کہ وہ اتنی سرعت سے جوابی وار کی تیاری شروع کردے گا۔ کرنل شعبان نے اسے کیا جواب دیا؟"

"کورا جواب دیا ہے کہ خفیہ ریکارڈ کسی کو فراہم نہیں کیا جاسکتا۔ لیری نے کوئی جوابی وار نہیں کیا۔ اس نے شعبان سے کہا کہ داور بہت ذہین اور طرار آدمی ہے۔ اس کا سروس ریکارڈ دیکھ کر سی آئی اے میں اس کی جگہ پیدا کی جاسکتی ہے۔"

میں اس کے ہاتھ پر ہاتھ مار کر زور سے ہنس پڑا "یہ خدا کی قدرت ہے کہ مجھے سی آئی اے میں لینے کے بارے میں سوچا جارہا ہے۔"

"شعبان کو اس کہانی پر یقین نہیں آیا۔ یہ لیری کا بلف ہے۔ وہ دھوکے سے تمہارے مکمل کوائف حاصل کرنا چاہ رہا ہے۔"

"تو کیا اس کو مجھ پر شک ہوگیا ہے؟" میں نے چونک کر پوچھا۔ جلال کے الفاظ پر میرے بدن میں چیونٹیاں سی رینگنے لگی تھیں۔

"اسے شک ہی کہیں گے۔ وہ تمہیں ڈبٹی نہیں سمجھ رہا بلکہ اس بات سے نالاں معلوم ہوتا ہے کہ امریکا کے بارے میں تلخ سوچ رکھنے والے ایک شخص کو ایس ٹی ایف میں جگہ کیوں دی گئی ہے۔ وہ اس بارے میں کچھ نہ کچھ کر گزرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔"

"شعبان کے انکار کے بعد وہ ریکارڈ تک رسائی کے لیے دوسرے ذرائع استعمال کرے گا۔"

آمد کا مقصد

متحدہ کمیونسٹ روس کے زمانے میں وہاں کا ایک کتا خفیہ طور پر سرحد عبور کرکے مغربی جرمنی کے ایک کتے کے ہاں مہمان کے طور پر آگیا۔ مغربی جرمنی کے کتے نے دم ہلا کر اسے خوش آمدید کہا اور چبانے کے لیے اسے ایک ہڈی پیش کی۔ روسی کتا نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولا "میں یہ ہڈی نہیں کھاؤں گا۔ ہمارے ہاں کی کمیونسٹ ہڈیاں زیادہ لذیذ ہوتی ہیں۔"

میزبان کتے نے ذرا مرعوب ہوتے ہوئے کہا "اچھا ... تو میرے پیالے سے تھوڑا سا دودھ ہی پی لو۔"

"نہیں... میں یہ بھی نہیں پیوں گا .... ہمارا کمیونسٹ دودھ زیادہ مزے دار اور غذائیت سے بھرپور ہوتا ہے۔" روسی کتے نے فخریہ لہجے میں کہا۔

"اچھا... تو پھر میرے دڑبے میں تھوڑی دیر آرام ہی کرلو" میزبان کتا خوش خلقی کا دامن ہاتھ سے چھوڑنے کے لیے تیار نہیں تھا۔

"نہیں ... میں ایک سرمایہ دار کتے کے دڑبے میں آرام نہیں کرسکتا۔"

"اگر تم میری کوئی بھی چیز قبول نہیں کرسکتے تو پھر یہاں آئے کس لیے ہو؟" میزبان کتے نے حیرت سے پوچھا۔

"ایک آدھ دن بھونکنے کے لیے..." روسی کتے نے جواب دیا۔

"اس بارے میں یقین سے کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ شعبان کا کہنا ہے کہ اس نے بات ختم کردی۔"

"اول خان نے کانفرنس میں معتبر بنانے کے لیے میرے نام سے پہلے کرنل کا دم چھلا لگادیا ورنہ کسی فرضی نام سے ہی کام چل سکتا تھا۔"

"اول خان نے بہت ذہانت سے کام لیا۔ سیکیورٹی کے معاملے میں امریکی بہت سخت اور کھردرے ہوتے ہیں۔

Downloaded from https://paksociety.com

غنیمت ہے کہ اس نے ایس ٹی ایف کے دو نمائندوں کی موجودگی پر اعتراض نہیں کیا۔ میں اول خان کے ساتھ تمہیں دیکھ کر چونک پڑا تھا۔"

"وہاں دوسروں کی طرح تم بھی مجھ سے اجنبی بنے ہوئے تھے۔"

"اجنبی نہ بنا ہوتا تو اب مجھ پر ہر طرف سے سوالوں کی یلغار ہو رہی ہوتی۔"

"ذرا سی شناسائی اتنا زیادہ بوجھ نہیں بنتی۔" میں نے بے اعتباری سے کہا۔

"تم آرام سے گھر میں بیٹھ کر یہ کہہ سکتے ہو۔ اجلاس کے بعد سب فون پر ایک دوسرے سے تمہارے بارے میں پوچھ رہے تھے۔ ہر ایک کو پورا یقین ہے کہ تم وہ نہیں ہو جو بنے ہوئے تھے مگر کوئی یہ بھی نہیں سوچ سکا کہ ڈینی ہر خطرہ مول لے کر بہروپ میں لیری کے سامنے پہنچ گیا۔" جلال نے پرجوش لہجے میں بتایا۔

"اب میرے لیے تمہارا کیا حکم ہے؟" میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"پچھلے ڈیڑھ دو ہفتوں میں تم نے بہت کام کرلیا۔ اب کچھ دن آرام کرلو۔ چاہو تو چھٹی پر مری کی طرف نکل جاؤ۔" اس نے دوستانہ انداز میں میرے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا "ذرا آگے جاؤ گے تو بھوربن کے حسین پہاڑوں میں تمہیں زندگی کا لطف آجائے گا۔"

"اب طبیعت ایسے عیش و آرام کی طرف مائل نہیں ہوتی۔ تم یہ بتاؤ کہ لیری یہاں سے کب واپس جا رہا ہے۔"

"لیری بہت فرصت سے آیا ہے۔ فی الحال وہ کہیں نہیں جائے گا۔ وہ خاصا بڑا ایجنڈا لے کر پاکستان آئے تھے مگر جان کو ماجد کی وجہ سے عجلت میں دہلی بھاگنا پڑ گیا۔ دیکھنا یہ ہے کہ لیری کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے وہ کب پاکستان لوٹتا ہے۔"

"میں نے سنا تھا کہ اوبرائن ڈی ہنٹ سی آئی اے کا بہترین دماغ تھا جسے مخصوص مقاصد کے لیے کراچی میں تعینات کیا گیا تھا۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا "وہ دہلی میں پیش آنے والے ایک حادثے میں مارا گیا مگر سی آئی اے کی سرگرمیوں میں ذرا سی بھی کمی نہیں آئی، اس کی جگہ جان اسمتھ نے لے لی۔ یہ۔"

"اداروں میں یہی ہوتا ہے۔ کارکردگی کا تسلسل کسی نہ کسی سطح پر برقرار رہتا ہے مگر یہ دیکھو کہ اوبی لاکھوں ڈالر مالیت کا ساؤنڈ اسکیننگ سسٹم یہاں لایا تھا۔ سنگ ریزوں جیسے کروڑوں چپس شہر کی مٹی میں بکھیر دیے جاتے اور وہ دفتر میں بیٹھے بیٹھے آوازوں کی پہچان سے یہ معلوم کرلیتا کہ اس کے مطلوب آدمی کہاں کہاں موجود ہیں۔ تمہیں یعنی ڈینی کو پکڑنے کے لیے وہ ایک بھیانک جال تھا۔ اوبی کے مرتے ہی وہ کھیل ختم ہوگیا۔ اس کے لائے ہوئے کمپیوٹر اور ساؤنڈ اسکینر نہ جانے کہاں پڑے سڑ رہے ہوں گے۔"

جلال کے کہنے پر مجھے یاد آیا کہ اوبرائن نے مجھے ایس ٹی ایف کا باغی سمجھ کر اپنے اعتماد میں لے لیا تھا اور ڈینی کی تلاش کے لیے الیکٹرانک چپس کی ایک تھیلی مجھے بھی دی گئی تھی۔ اس وقت میں کرنل جمال دستی کے روپ میں کام کر رہا تھا۔ میرے ادا کیے ہوئے معاوضے پر رشم ایرانی نے اوبرائن کو دہلی کے حادثے میں مروایا تھا۔

جلال کی یہ بات سو فیصد درست تھی کہ تبدیلیوں کے ساتھ کارکردگی گھٹتی بڑھتی رہتی ہے۔ لیکن کام کا تسلسل ہر حال میں برقرار رہتا ہے۔ اوبرائن کے مرتے ہی اس کا منصوبہ ترک کردیا گیا تھا۔ اس کے جانشین نے اپنی استعداد کے مطابق دوسری سمتوں میں کام شروع کردیا تھا۔

آئے دن ہونے والی ان تبدیلیوں سے سی آئی اے کی کارکردگی بہت بری طرح متاثر ہوئی۔ اس کا سارا فائدہ ہمیں پہنچ رہا تھا۔

"یہ ملک پہلے بھی موجود تھا۔ یہاں امریکا کے مفادات بھی تھے مگر سی آئی اے اتنی سرگرم نہیں تھی۔ پچھلے ڈیڑھ دو سال میں کیا قیامت آئی ہے کہ پاکستان ہر ایک کی توجہ کا نشانہ بن گیا ہے۔" میں نے الجھ کر اس سے پوچھا۔

"روس کی شکست و ریخت کے بعد طاقت اور سیاست کے محور بالکل بدل چکے ہیں۔ شاید امریکا نے محسوس کرلیا ہے کہ اس پورے خطے کی مانیٹرنگ کے لیے پاکستان کی جغرافیائی سرحدیں سب سے زیادہ محفوظ اور موثر ہیں" جلال نے اپنے تجربے اور مشاہدے کی روشنی میں جواب دیا۔

"اگر امریکا کے مفادات پاکستان سے وابستہ ہیں تو وہ ہمارے خلاف بھارت کو کیوں شہ دیتا ہے؟"

"ہم پر دباؤ برقرار رکھنے کے لیے" جلال کے ہونٹوں پر ایک تلخ مسکراہٹ تیر گئی "جو قومیں کسی مول بکنے کے لیے آمادہ نہ ہوں، انہیں ایسے حربوں سے جھکا دیا جاتا ہے۔"

"پھر سیدھی سی بات یہ ہوئی نا کہ امریکا کو بھارت ہم سے زیادہ عزیز ہے؟"

"بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے" جلال کے پاس میری تائید کے سوا کوئی چارہ نہیں رہا تھا۔

"امریکی ہماری شہ رگ پر ہاتھ ڈالنے کے چکر میں ہیں تو

Downloaded from https://paksociety.com

ہم انہیں جوتے کیوں نہیں مارتے۔ ان کی راہ میں کیوں بچھے جارہے ہیں" میرا لہجہ تلخ ہوگیا۔

جلال نے میری آنکھوں میں جھانکا اور اپنا سر جھکالیا۔ وہ چند ثانیوں تک خاموش رہا پھر تھکی ہوئی آواز میں بولا "تم یہ سوال کرنے میں حق بجانب ہو۔ یہ بہت زیادہ عزت والی راہ نہیں ہے لیکن ہم مجبور ہیں کہ اپنی بقا کے لیے اسی راہ پر چلتے رہیں۔"

"میں ہمیشہ مجبوریوں کا ذکر سنتا ہوں لیکن یہ پتا نہیں چلتا کہ وہ مجبوری کیا ہے۔ ہم نے کون سا گناہ کیا ہے جس کی پاداش میں ہمیں ننگے نکے کے امریکیوں کو خندہ پیشانی سے برداشت کرنا پڑ رہا ہے۔"

"آج میری ایک بات سن لو اور اسے گرہ میں باندھ لو" اس بار جلال نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا "میں چھوٹائی اور بڑائی یا کمزوری اور شہ زوری کا قائل نہیں ہوں۔ چیونٹی کا کوئی وجود نہیں ہوتا مگر وہ پیر کے نیچے دبتی ہے تو کاٹ لیتی ہے۔ ہاں' کوئی دور سے پھونک مار کر چیونٹی کو اڑا دے تو وہ بے چاری کچھ نہیں کرسکتی۔ ہم اسی حقیقت کے قیدی ہیں۔ ہم ہر وقت امریکا کی دسترس میں ہیں جب کہ امریکا کی سرزمین ہماری رسائی سے باہر ہے۔ میری اس بات پر جتنا غور کرو گے' نئے نئے مفہوم پاتے چلے جاؤ گے۔ تم لیبری سے بہت بدظن نظر آرہے ہو۔ تم نے اس کے ڈپٹی ڈائریکٹر کو مار کر بھگا دیا لیکن خدا کے لیے اسے ہاتھ نہ لگانا۔"

"ہاتھ تو کیا میں اسے پیر بھی نہیں لگاؤں گا" میں نے حقارت سے کہا۔

یہ ہاتھ' پیر' انگلی یا گھونسے کی بات نہیں ہے۔ تم اس پر ہتھیار بھی نہیں اٹھاؤ گے" جلال نے اصرار کیا۔

"وہ مردار خور امریکی گدھ ہے۔ میں اس پر اٹھانا چاہوں تب بھی کچھ نہیں اٹھے گا۔ تم بے فکر رہو۔ تمہارا مہمان جب تک یہاں ہے' محفوظ رہے گا۔"

"وقت کی چکی بہت بے رحم ہوتی ہے۔ اس کا پاٹ چلتا ہے تو اس میں سب کچھ پس کر رہ جاتا ہے" جلال نے میری دل جوئی کرتے ہوئے کہا "یہ وقت یکساں نہیں رہے گا۔ قدرت نے فرعون کے محل سے موسیٰ کو اٹھایا تھا' نمرود کو ایک مچھر نے مارا تھا' آج کے عفریت کو سمندروں کی پناہ حاصل ہے مگر اس میں اندر سے ایسا بھونچال اٹھے گا کہ سب کچھ نہیں تو اس کا بہت کچھ تباہ ہوجائے گا۔"

اسی وقت ویرا ہلکی سی لنگڑاہٹ کے ساتھ نمودار ہوگئی۔ اگر سلطان شاہ نے اس کا پیر مڑنے کے بارے میں پہلے سے نہ بتادیا ہوتا تو اس خفیف سی لنگڑاہٹ کا اندازہ لگانا مشکل تھا۔

"یہ کس عفریت کا ذکر خیر ہورہا تھا؟" ویرا نے آتے ہی پوچھا۔ شاید اس نے جلال کے کہے ہوئے آخری فقرے سن لیے تھے۔

"تمہارے وطن کے پھیلائے ہوئے شر کا تذکرہ ہورہا تھا" میں نے ہلکے پھلکے انداز میں اسے جواب دیا۔

"تم امریکا کے خلاف ہو یا امریکیوں کے دشمن ہو؟" ویرا نے جلال سے پوچھا۔

"امریکیوں سے دشمنی ہوتی تو تم سے بھی دوستی نہ ہوتی" جلال نے چالاکی سے جواب دیا۔

"میری نگاہ میں دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ کسی ملک کا مزاج اس کے شہریوں سے بنتا ہے اور پھر امریکا میں سب سے زیادہ جمہوریت پائی جاتی ہے۔ وہاں عوام کی مرضی کے خلاف تنکا بھی نہیں ہلایا جاسکتا اس لیے آج امریکا جو کچھ ہے وہ امریکیوں کی خواہش کے عین مطابق ہے۔"

"یہ بات تم کہہ سکتی ہو کیونکہ تم خود امریکی ہو' ہم اتنے سفاک نہیں ہیں" جلال بولا۔

"تم مجھے سفاک کہہ رہے ہو؟" ویرا نے شکایتی لہجے میں کہا۔

"جو کچھ امریکی ہیں' تم بھی وہی کہلاؤ گی۔ اپنے پہلو میں ایک دردمند دل رکھنے کے باوجود تم بدقسمتی سے امریکی ہو۔"

"ماں باپ امریکی تھے۔ میں وہیں پیدا ہوئی' وہیں ہوش سنبھالا مگر میری تعلیم و تربیت یورپ میں ہوئی تھی۔ وہاں کے لوگ امریکیوں کو قبول تو کرلیتے ہیں مگر اپنے دل کی گہرائی میں پسند نہیں کرتے۔ یہ ایک عجیب المیہ ہے اور امریکی تھنک ٹینک اس پر کبھی غور نہیں کرتے۔"

"ایک زمانے میں ہم سب موت کے سوداگر ہوا کرتے تھے" میں نے ویرا سے مخاطب ہوکر کہا "نشے کے خواص سے ہم سے زیادہ کون واقف ہوگا۔ نسلی' علاقائی یا فوجی برتری کا

انتباہ

سسپنس ڈائجسٹ میں شائع ہونے والی ہر تحریر کے حقوق طبع و نقل بحق ادارہ محفوظ ہیں۔ کسی بھی فرد یا ادارے کے لیے اس کے کسی بھی حصے کی اشاعت یا کسی بھی طرح کے استعمال سے پہلے تحریری اجازت لینا ضروری ہے۔ بصورتِ دیگر ادارہ قانونی چارہ جوئی کا حق رکھتا ہے۔

تمام اشتہارات نیک نیتی کی بنیاد پر شائع کیے جاتے ہیں۔ اس سلسلے میں ادارہ کسی بھی طرح ذمے دار نہ ہوگا۔

Downloaded from https://paksociety.com

گھمنڈ بھی ایک نشے کی طرح ہوتا ہے جو وقت کے ساتھ اترتا ہے یا پھر کوئی حادثہ اسے ہرن کردیتا ہے۔ امریکی ابھی اپنی بڑائی کے نشے میں چور ہیں۔ انہیں ہر طرف بونے انسان اور حقیر و فقیر ملک نظر آتے ہیں۔ کسی دن کوئی بڑا حادثہ ہوگا جو ان کی انا پر کاری ضرب لگائے گا یا ان کی ساکھ تباہ کردے گا پھر یہ اونچی مسند سے ہم سب کی برابری کی سطح پر اتر آئیں گے۔"

غزالہ نے کھانے کی میز لگ جانے کی اطلاع دی۔ جلال لنچ سے فارغ ہو کر آیا تھا لیکن ہم سب کا ساتھ دینے کے لیے وہ بھی میز پر آگیا۔

وہ بحث ڈرائنگ روم سے کھانے کی میز پر منتقل ہوگئی۔ اس بار سب لوگ اس میں شریک تھے۔

اپنے ملک اور ہم وطنوں کے بارے میں ہمیشہ کی طرح ویرا کا رویہ بہت سخت بلکہ جارحانہ تھا۔ جلال اپنی مجبوریوں کی وجہ سے نرم گوشہ رکھنے پر مجبور تھا۔ بقیہ افراد کا رجحان ان دونوں کے بین بین تھا۔

اس وقت فضا بہت سازگار تھی اور میں کھل کر بات کرسکتا تھا مگر میں نے لیری کے بارے میں اپنے ارادے کا اظہار مناسب نہیں سمجھا۔ اس راز میں صرف غزالہ کی شراکت ہی کافی تھی۔ زیادہ سے زیادہ اول خان کو اعتماد میں لیا جاسکتا تھا۔

جلال نے اس دوران میں لیری کی اس چھان بین کا دوبارہ ذکر نہیں کیا جو وہ میرے بارے میں کررہا تھا۔

"مجھے یوں محسوس ہورہا ہے جیسے ہمارے اعصاب پر امریکا سوار ہو اور ہم امریکا زدہ ہوگئے ہوں" کھانے کے درمیان میں سلطان شاہ نے کہا۔

"ہم قریب سے ان کا سلوک دیکھ رہے ہیں اس لیے کچھ زیادہ حساس ہوگئے ہیں" ویرا نے جواب دیا۔

"ایک بات آج تک میری سمجھ میں نہیں آئی۔ وہ ملک اتنا ہی خراب ہے تو دنیا بھر سے لاکھوں افراد وہاں کیوں جاتے ہیں اور جو جاتے ہیں وہ اس کے گن گاتے ہوئے کیوں واپس آتے ہیں؟" سلطان شاہ نے سادگی سے وہ سوال پیش کرکے سب کو چونکا دیا۔

"وہ اپنے ملک کو جنّتِ ارضی بنانے پر تلے ہوئے ہیں۔ ہر طرف شان و شوکت اور تمول کا دور دورہ ہے" ویرا بتانے لگی "لوگ امریکا کی بے جا تعریف نہیں کرتے۔ وہاں کی ان رونقوں کے لیے دنیا کے دوسرے ملکوں کو اجاڑنے کی کوششیں قابلِ نفرت ہیں۔ میں ان کو برا کہتی ہوں۔"

سلطان شاہ کو وہ مسکت جواب ویرا ہی دے سکتی تھی۔ ہم میں سے کوئی اس پوزیشن میں نہیں تھا کہ اس نکتے پر روشنی ڈال سکتا کیونکہ کسی نے امریکی معاشرے کو اتنے قریب سے دیکھا اور پرکھا نہیں تھا کہ اس پر کوئی حکم لگا سکتا۔

"بات گھوم پھر کر وہیں آجاتی ہے" سلطان شاہ 'ویرا کی بات آسانی سے ماننے والا نہیں تھا "یہ قابلِ نفرت کوششیں کون کررہا ہے؟"

"میں تم سے پہلے ان کو برا کہہ رہی ہوں۔ میں اب بھی کہوں گی کہ جان نکل گیا تو کوئی بات نہیں۔ ہمیں لیری کو مار دینا چاہیے۔"

"نہیں ویرا!" جلال نے بے تابی سے اس کی بات کاٹ دی "دوسروں کے جذبات بھڑکانے کی کوشش مت کرو۔ کسی سیکرٹ ایجنٹ کی اپنے مشن میں ناکامی اور نامرادی اس کی موت بن جاتی ہے۔ یقین رکھو کہ لیری یہاں سے خالی ہاتھ جائے گا۔ اسے کچھ بھی حاصل نہیں ہوسکے گا۔"

"مگر اب چوپڑہ کی باری ضرور آئے گی۔" ویرا کی آواز پرعزم ہوگئی۔

میرے لیے یہ بات حیرت کا باعث بنی کہ ویرا نے جلال سے بحث نہیں کی تھی۔ اس کی بات مان کر لیری کے بجائے چوپڑہ کا ذکر نکال لیا تھا۔

"وہ تمہارا کھلا شکار ہے۔ اس کے بارے میں 'میں کچھ نہیں کہوں گا۔"

کھانے کا دور ختم ہوتے ہی جلال اجازت لے کر اٹھ گیا۔

میں نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا اور دوسروں کو میز پر روک کر اسے رخصت کرنے کے لیے اس کے ساتھ باہر آگیا۔

"اچھا ہوا کہ تم نے یہ موقع نکال لیا" احاطے میں نکل کر جلال نے سرگوشی کے انداز میں کہا "کرنل داور کے سروس ریکارڈ میں تصویر کی تبدیلی کے امکان پر ضرور غور کرلینا اور لیری سے ایک لمحے کے لیے بھی غافل نہ ہونا۔ میں اس وقت تم کو یہی دو باتیں بتانے آیا تھا۔"

"میں دونوں باتیں اپنے دل پر نقش کرچکا ہوں" میں نے اس کا ہاتھ تھپتھپا کر جواب دیا۔

"کراچی میں میرا کام ختم ہونے والا ہے۔ آج کی آخری پرواز سے میں لاہور چلا جاؤں گا۔"

میں نے تپاک سے گلے مل کر اسے الوداع کہا اور وہ اپنی گاڑی کی ڈرائیونگ سیٹ سنبھال کر تیزی سے روانہ ہوگیا۔

میں اندر واپس لوٹا تو وہ تینوں کھانے کی میز سے ڈرائنگ

Downloaded from https://paksociety.com

روم میں واپس آچکے تھے۔

"چوہڑہ کے بارے میں تم جلال سے کیا کہہ رہی تھیں؟" میں نے بیٹھتے ہی ویرا سے سوال کردیا۔

"اسے میں دیکھوں گی۔ تم اس سے دور رہو گے" ویرا نے اپنے ارادے کا اظہار کیا۔

"تم کیا کرنا چاہ رہی ہو۔ اگر تمہارا منصوبہ قابل عمل ہوا تو اس پر کوئی اعتراض نہیں کرے گا" غزالہ نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

"ابھی میں نے کچھ نہیں سوچا" اس نے ہنس کر کہا "یہ اطمینان رکھو کہ میں تم تینوں سے مشورہ کیے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھاؤں گی۔"

"میں تم سے یہی یقین دہانی حاصل کرنا چاہ رہا تھا۔"

"ابھی صرف اتنا پتا چلا ہے کہ وہ قونصل خانے میں انفارمیشن آفیسر ہے۔ دوسرے کوائف کی چھان بین کے بعد اندازہ ہوگا کہ اس پر کسی سمت سے حملہ کرنا سودمند ہوگا۔"

"یہ چھان بین بھی تم خود کرو گی یا چھلنی ہمیں تھما دو گی" سلطان شاہ نے منہ بنا کر پوچھا۔

"یہ کام سب مل کر کریں گے۔ ضروری ہوا تو اول خان سے بھی مدد لی جاسکتی ہے۔"

میں ان لوگوں کو ٹالنے کی کوشش کرتا تو وہ گلے پڑ جاتے اور مجھے تخلیہ میسر نہ آنے دیتے۔ میں نے اپنے سر میں درد کا بہانہ کیا اور اپنے کمرے کی طرف چل دیا۔ کمرے میں گھس کر اس وقت دروازہ بند کرنا مناسب نہیں تھا۔ غزالہ باہر مصروف تھی۔ ویرا موقع غنیمت جان کر کمرے میں بھی آسکتی تھی۔ میں خاموشی سے اپنے بستر پر دراز ہوگیا۔ مقصد صرف یہ تھا کہ ویرا کے ذہن پر کوئی تجسس سوار ہو تو وہ باہر سے ہی اندازہ لگالے کہ میں سونے کی کوشش کر رہا تھا۔

میرا ارادہ اداکاری کرنے کا تھا لیکن کھانے کے بعد بستر کی نرم آغوش میسر آئی تو میری آنکھیں خود بخود بند ہوگئیں۔ ان میں نیند نہیں تھی اور میرا ذہن پوری طرح کام کر رہا تھا۔ اس کیفیت میں چند منٹ ہی گزرے ہوں گے کہ ایک آواز نے مجھے چونکا دیا۔

"ڈینی! کیا تم واقعی سو رہے ہو؟" وہ ویرا کی شرارت آمیز آواز تھی۔

غنیمت یہ تھا کہ اس نے دروازے پر رک کر وہ سوال کیا تھا۔ مجھے جنبش تک نہیں ہوئی تھی۔ میں بستر پر بے حس و حرکت پڑا رہا۔ میری سماعت قالین پر ویرا کی دور ہوتی ہوئی نرم آہٹوں کی منتظر تھی۔ میرا خیال تھا کہ وہ مایوس ہو کر جلد واپس لوٹ جائے گی۔ ویرا نے مزید ایک بار میرا نام پکارا اور پھر واپس چلی گئی۔

جب مجھے اس کی واپسی کا یقین ہوگیا تو میں نے اپنی آنکھوں میں ہلکی سی جھری پیدا کی۔ دروازہ خالی تھا۔ اگلے ہی لمحے غزالہ اندر آگئی۔ میں پہلے سے کمرے میں موجود تھا اس لیے غزالہ نے اپنے معمول کے مطابق دروازہ بند کر کے تالے کی ناب دبادی۔ میں نے فوراً بستر چھوڑ دیا۔

"مجھے حیرت تھی کہ آپ کو اس وقت نیند کیسے آگئی؟" غزالہ نے خوش ہو کر کہا۔

"یہ ویرا سے بچنے کی ترکیب تھی۔ میں اول خان سے لیری کے بارے میں بات کرنا چاہتا ہوں۔"

"یوں کہئے کہ آپ نے اپنے لیے تخلیے کا بندوبست کیا ہے۔" اس نے شوخی سے کہا اور بستر پر آگئی۔

میں نے قریب ہی سائڈ ٹیبل پر رکھا ہوا فون اٹھا کر اول خان کے دفتر کا نمبر ملانا شروع کردیا۔

دوسری طرف سے پہلی گھنٹی پر ہی جواب مل گیا۔ میرے استفسار پر یہ مایوس کن اطلاع ملی کہ اول خان اپنے دفتر میں موجود نہیں تھا۔

جب سے موبائل فون کی سہولت عام ہوئی تھی، وہ اوقات کار میں باہر نکلتے ہوئے اپریٹس کے ساتھ موبائل فون بھی اپنے پاس رکھتا تھا۔ موبائل فون پر اس سے فوری رابطہ ہوگیا۔ وہ کسی اور کے دفتر میں بیٹھا ہوا تھا۔

اپنی مجبوری کے اظہار کے ساتھ اس نے چند لمحوں کے لیے معذرت چاہی تاکہ کسی گوشے میں جاسکے پھر وہ خود مجھ سے مخاطب ہوگیا۔

"مجھے تم سے کچھ اہم باتیں کرنا ہیں۔ کیا تمہارے پاس اتنا وقت ہے؟" میں نے تمہید اٹھائی۔

"تم کھل کر بات کرسکتے ہو۔ میرے پاس وقت ہے اور تنہائی بھی۔ یہاں کوئی سننے والا نہیں ہے۔"

"اس سفید موٹے کے پیچھے اپنے آدمی لگادو" میں نے سی ایس ڈی کی سہولت زیر استعمال ہونے کے باوجود لیری کا نام لینے سے گریز کرتے ہوئے کہا "انہیں دور اور اس سے زیادہ تحفظ رہ کر صرف اس کا پیچھا کرنا ہے۔"

"مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ آخر کار تم میری تجویز سے متفق ہوگئے ہو" اول خان کی آواز مسرت آمیز تھی "زیادہ سے زیادہ آدھے گھنٹے بعد میرے دو آدمی گاڑی سمیت اس کے ہوٹل پر پہنچ جائیں گے۔ ان کی حکمت عملی کیا ہوگی؟"

"میں نے تمہاری تجویز حرف بہ حرف قبول کرلی ہے۔

Downloaded from https://paksociety.com

سب کچھ اس کے مطابق ہوگا۔"

"تمہارے یہ الفاظ میرے لیے بہت حوصلہ افزا ہیں۔ ابھی ابھی مجھے ایک اچھی خبر ملی ہے۔"

"چھوٹا آلہ کام کررہا ہے۔ تم بے فکر ہوکر خبر سنا سکتے ہو۔"

"مقتول کے بدن پر برسنے والی سلطان شاہ کی ٹھوکروں نے زبردست کام دکھایا ہے۔ اس تشدد آمیز واردات کو پولیس رقابت کا نتیجہ قرار دے رہی ہے۔ مقتول کے کئی لڑکیوں سے گہرے مراسم تھے، تفتیش اس سمت میں جارہی ہے۔"

اول خان کو یہ علم نہیں تھا کہ میں نے اس بارے میں جلال سے بات کی تھی۔ شاید جلال نے میری خواہش آئی جی تک پہنچادی تھی۔ یہ بات مقامی انتظامیہ کے مفاد میں تھی کہ چندن کے قتل کو کسی سازش کے بجائے ذاتی انتقام کا نتیجہ قرار دے دیا جائے۔ اس کے نتیجے میں ہر سطح پر بہت سی دشواریوں سے بچا جاسکتا تھا۔

"ویری گڈ۔ یہ بہت بڑی خبر ہے" مجھے اندازہ تھا کہ اول خان کے آدمیوں کی ماہرانہ مدد کے بغیر چندن کی لاش سے بیم گن کے اثرات ختم کرنا آسان نہیں تھا۔ چندن کے لیزر سے کٹے ہوئے گھٹنے سے اوپر، ران کا ایک حصہ الگ ہونے کے بعد ہی یہ ممکن تھا کہ اس واردات میں میرا نام ملوث کیے بغیر اسے رقیبانہ واردات کا نام دیا جاسکے۔ اس لاش پر بیم گن کے استعمال کا کوئی بھی نشان باقی رہ جاتا تو وہ یہ باور کرانے کے لیے کافی تھا کہ قتل میں میرا یعنی ڈینی کا ہاتھ تھا۔

"اور اب میں تمہیں ایک اور بات بتاؤں گا" میں نے قدرے توقف کے بعد سلسلہ کلام جاری رکھا "میں تھوڑی دیر بعد کسی پی سی او سے موٹے کو فون کروں گا۔"

"یہ غلطی نہ کرنا۔ وہ لوگ جدید ترین آلات کے مالک ہیں۔ تم پھنس سکتے ہو" اول خان کا اضطراری جواب آیا۔

"میں نے ہر نشیب و فراز پر غور کرلیا ہے۔ بھگوڑا اپنے گھر میں تھا۔ وہاں اسے ہر چیز میسر تھی۔ موٹا ہوٹل میں ہے۔ وہاں کچھ نہیں ہے۔"

"پھر بھی میں تمہیں فون کرنے کا مشورہ نہیں دوں گا۔"

"یہ پرانی کال کا ایکشن ری پلے ہوگا۔ میں وہی نام استعمال کروں گا۔"

"اوہ!" ریسیور پر اس کی تحیر زدہ آواز سنائی دی "اس صورت میں صرف ایک کامیابی حاصل ہوسکتی ہے کہ وہ خائف ہوجائے گا۔"

"میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ وہ ڈر کر یہاں سے بھاگ جائے۔ میں اسے کہیں نہیں بلاؤں گا۔ برے انجام سے ڈر کر فون بند کردوں گا۔"

"یہ اور بھی بہتر ہوگا۔ میں سمجھ رہا تھا کہ تم اس سے آڑنے کا ارادہ کرچکے ہو۔"

"میں چاہتا ہوں کہ وہ فون سے خوف زدہ ہوکر ہوٹل سے نکلے تو کوئی پراسرار گاڑی اس کا پیچھا کررہی ہو۔ یہ دونوں واقعات یک جا ہوجانے کے بعد شاید دوبارہ اپنے ہوٹل کا رخ کرنے کی ہمت بھی نہ کرسکے۔"

"یہ بالکل درست حکمت عملی ہوگی۔" اول خان نے خوش دلی سے کہا۔

"تمہیں اس کے کمرے کا نمبر معلوم ہو تو بتادو ورنہ نام سے بھی کال مل جائے گی۔"

"روم نمبر مجھے نہیں معلوم۔ میں ذرا سی دیر میں فون کرکے تمہیں بتاتا ہوں۔"

"میں صرف دس منٹ انتظار کروں گا پھر گھر سے نکل جاؤں گا" یہ کہہ کر میں نے فون بند کردیا۔

"اب میں اپنے بدن میں حرارت سی محسوس کررہا ہوں" میں نے غزالہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"دشمن کی پسپائی آسان نظر آنے لگے تو ہر لڑاکے کا دل بڑھ جاتا ہے۔ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے" وہ بولی۔

"میری دانست تک تم ویرا کو اس بارے میں ایک لفظ بھی نہیں بتاؤ گی" میں نے اسے تاکید کی۔

"آپ بے فکر رہیں۔ میری شامت نے دھکا نہیں دیا ہے جو میں اسے کچھ بتاؤں۔ وہ ہاتھ دھوکر میرے پیچھے پڑجائے گی کہ میں نے آپ کے جانے سے پہلے اسے پوری بات کیوں نہیں بتائی۔ میں نئی برباد گناہ لازم والا کوئی کام نہیں کرتی۔"

صرف پانچ منٹ بعد فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ اول خان نے آئی جی سے لیں کے کمرے کا نمبر لے لیا تھا۔

ویسے تو کسی بھی ایجنسی کے نمائندے کے دل میں لیری کے لیے ہمدردی نہیں پائی گئی تھی مگر میں نے اندازہ لگایا کہ آئی جی ان لوگوں سے کچھ زیادہ ہی نالاں تھا۔ وہ ہر اس کام میں بھرپور تعاون کررہا تھا جو لیری اور اس کے ساتھیوں کے راستے میں رکاوٹیں پیدا کرسکے۔

اول خان سے بات ہوجانے کے بعد میرا گھر میں رکنا بے سود تھا۔ میرے بدن پر صبح والے کپڑے بدستور موجود تھے۔ مصروفیات کے تسلسل میں مجھے ان سے نجات حاصل کرنے کا موقع نہیں مل سکا تھا۔ میں نے جوتے پہنے اور اپنی

Downloaded from https://paksociety.com

خواب گاہ سے باہر نکل آیا۔

باہر ویرا سلطان شاہ کے ساتھ اس طرح بیٹھی ہوئی تھی جیسے کسی رازونیاز میں مصروف ہو۔ مجھے سر سے پیر تک تیار دیکھ کر اس نے طنز سے پوچھا "بڑی تیاری کے ساتھ نکلے ہو، کہاں کا ارادہ ہے؟"

"تم کو اس کی پروا نہیں ہونی چاہیے۔ میں سلطان شاہ کے ساتھ باہر جارہا ہوں۔"

"میں نے پہلے ہی بھانپ لیا تھا کہ تمہارا اس وقت کمرے میں گھسنا خالی از علت نہیں ہے۔ میں نے سلطان شاہ کو بتادیا تھا کہ تم باہر آکر کوئی نیا گل کھلاؤ گے۔ مجھے بتاؤ کہ تمہارے کیا ارادے ہیں ورنہ میں تمہیں گھر سے باہر نہیں جانے دوں گی۔"

سلطان شاہ نے میرے الفاظ پر اپنی جگہ چھوڑ دی تھی۔ وہ اس وقت ایسے حلیے میں تھا کہ مزید کسی تیاری کے بغیر فوری طور پر میرے ساتھ روانہ ہوسکتا تھا۔ میں نے تیز نظروں سے ویرا کی طرف دیکھا اور کہا "میرے پاس وقت کم ہے۔ بحث مت کرو۔ واپس آنے کے بعد بات ہوگی۔"

ویرا کی ضد میں اپنی جگہ پر تھیں لیکن وہ کام میں کبھی رخنہ اندازی نہیں کرتی تھی۔ اس وقت میرے لہجے میں کوئی ایسی بات تھی جس نے اسے یہ احساس دلادیا کہ میرے پیش نظر کوئی اہم معاملہ تھا۔ اس نے منہ لٹکا کر کہا "واپسی پر میں تمہیں نہیں چھوڑوں گی۔"

میں اس کا شکریہ ادا کرکے سرعت سے دروازے کی طرف ہولیا۔ سلطان شاہ میرے پیچھے تھا۔

میرا گاڑی چلانے کا قطعی کوئی موڈ نہیں تھا۔ میں نے چابی سلطان شاہ کے حوالے کردی۔

"میں بالکل خالی ہاتھ ہوں" اس نے اگنیشن میں چابی لگاتے ہوئے بتایا "کہو تو اندر سے ریوالور ساتھ لے لوں؟"

"ہم کسی چاند ماری میں حصہ لینے نہیں جارہے جو ہتھیار کی ضرورت ہو۔ بس اب یہاں سے نکل کر ائرپورٹ کی طرف چل دو۔"

میرے رویّے سے سلطان شاہ بھی الجھن کا شکار ہوگیا تھا۔ اس نے انجن اسٹارٹ کرکے پوچھا "ائرپورٹ! وہاں کیا کام ہے؟"

"صرف ایک فون کرنے کے لیے میں یہ سارے پاپڑ بیل رہا ہوں۔ مجھے یک سو ہوکر کچھ سوچنے دو۔ بار بار سوال کرکے میرا دماغ مت چاٹو" میں نے ہلکی سی برہمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا اور اس نے چپ سادھ کر گاڑی باہر نکال لی۔

میں نے ائرپورٹ کا نام سمت کے تعین کے لیے لیا تھا لیکن گلشن اقبال سے راشد منہاس روڈ عبور کرنے تک ہمارا علاقہ تبدیل نہیں ہوسکا۔ راشد منہاس روڈ ختم ہونے کے بعد شارع فیصل تک ایسا کوئی بازار نہیں تھا جہاں پی سی او کی سہولت میسر ہو اور یوں ایک دور افتادہ پی سی او کی تلاش میں ہم ائرپورٹ کی حدود میں داخل ہوگئے جہاں لوگوں کی سہولت

دُنیا بھر میں پاکستانی اخبارات، رسائل اور کتابوں کے برآمد کنندگان

FAIR EXPORT HOUSE

اس کے علاوہ پاکستانی/ہندوستانی کیسٹ، سی ڈی، پاکستانی ٹی وی ڈرامے اور دیگر ثقافتی پروگراموں کے لیے بھی رابطہ کیجیے

FAIR EXPORT HOUSE

C-41, Block-B Gulshan-e-Jamal

Off, Rashid Minhas Road Karachi, Pakistan

Phone: (9221) 4574628- (9221) 4595462

Fax: (9221) 4595491-e-mail: fair@cyberaccess.com.pk

Downloaded from https://paksociety.com

کے لیے جابجا فون بوتھ موجود تھے۔

ائرپورٹ کی پارکنگ لاٹ میں گاڑی مقفل کرنے کے بعد ہم دونوں ٹرمنل کی عمارت کی طرف چل دیے۔

"شاید اب تک تم نے ہر بات سوچ لی ہوگی" سلطان شاہ نے جھجکتے ہوئے اپنی زبان کھولی "کہیں تم لیری کو تو فون نہیں کررہے؟"

سلطان شاہ انتہائی دلیر شخص تھا مگر مجھے اس کی طرف سے ذہانت کے کسی غیر معمولی مظاہرے کی کبھی توقع نہیں رہی تھی۔ اس نے براہِ راست لیری کا نام لے کر مجھے حیران کردیا۔ میں نے کہا "میں اسی کو فون کروں گا مگر تم نے کیسے اندازہ لگالیا؟"

"تمہاری اور ویرا کی گفتگو سے میں نے اندازہ لگالیا تھا کہ تم کوئی ٹیڑھا کام کرنے کا ارادہ کرچکے ہو۔ میدان ہر طرف سے صاف ہے۔ چوپڑہ کا ابھی تک صرف نام ہی نام لے دے کر صرف لیری رہ جاتا ہے۔ تم نے فون کا ذکر کیا تو میرے ذہن میں جان اور ماجد کی لڑائی کا منظر گھوم گیا۔"

"بس!" میں نے اس کی بات کاٹ دی "اس وقت تمہارا دماغ ضرورت سے زیادہ کام کررہا ہے۔"

ائرپورٹ ٹرمنل کی عمارت میں نچلے فلور پر بین الاقوامی آمد والے حصے میں زیادہ بھیڑ بھاڑ نہیں تھی۔ میں ایک خالی بوتھ میں گھس گیا۔ سلطان شاہ میرے قریب ہی کھڑا ہوگیا تاکہ میری یک طرفہ گفتگو سن سکے۔ ائرپورٹ پر ایک سے زیادہ افراد کا یوں بوتھ کے قریب جمع ہونا معیوب نہیں تھا۔ سلطان شاہ کی موجودگی سے فائدہ یہ تھا کہ اسے بوتھ خالی ہونے کا منتظر سمجھ کر کوئی غیر متعلقہ شخص ادھر کا رخ نہ کرتا اور میں آزادی سے اپنی بات مکمل کرلیتا۔

میں نے لیری کے ہوٹل کا نمبر ملا کر آپریٹر کو لیری کا نام اور کمرے کا نمبر بتایا۔ ریسیور پر چند ثانیوں کے لیے موسیقی کے سرگوشیے پھر لیری کے کمرے میں فون کی گھنٹی بجنے کی آواز سنائی دی۔ دو گھنٹیوں کے بعد ریسیور میں ہیلو کی بھاری آواز گونجی جو میرے لیے اجنبی نہیں تھی۔

"لیری! تم کو یاد ہے کہ کراچی کے ایک ساحلی علاقے پر جان کے ساتھ کیا ہوا تھا؟" میں نے قدرے توقف کے بعد اس کے اعصاب کو شکستہ کرنے والا سوال کیا۔

"تت۔ تم کون ہو؟" اس نے گھبرائی ہوئی آواز میں ہکلا کر پوچھا۔

"میں تمہارا دوست نہیں ہوں۔ جان کے چلے جانے کے بعد اب تم میری زد میں ہو" میں نے سرد آواز میں کہا۔

"مگر کیوں؟ میں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے؟" اس کی آواز میں خوف عود کر آیا۔

"تم بہت کچھ بگاڑنا چاہتے ہو۔ یہ میری خوش قسمتی ہے کہ تم کو اب تک کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔"

"سنو، اگر تم ماجد نیمنی ہو تو تم کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ جان کے چلے جانے کے بعد میں تم کو بھول چکا ہوں۔" وہ میری بات کاٹ کر گڑگڑایا۔

ویرا کے قول کے عین مطابق لیری نے اپنے روایتی قوی کردار کا مظاہرہ کیا تھا۔ میری باتوں سے ڈر کر وہ بزدلانہ جھوٹ پر اتر آیا تھا۔ میں نے اسے پھٹکار دیا "یہ اچھا ہوا کہ تم نے خود ہی مجھے پہچان لیا۔ تم اول درجے کے جھوٹے ہو۔ مجھے تمہاری ہر سرگرمی کی اطلاعات مل رہی ہیں۔ یہ نہ بھولو کہ میرے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔ میں چاہتا تو جان کے بجائے سمندری کھاڑی سے اس کی لاش بھی برآمد ہوسکتی تھی مگر میں تمہارے خون سے اپنے ہاتھ گندے نہیں کرنا چاہتا۔"

"میں اپنے ہوٹل کے کمرے میں محصور ہوں۔ یقین کرو کہ میں تمہارے خلاف کچھ نہیں کررہا۔"

"یہ نہ سمجھنا کہ ہوٹل کے کمرے میں تم محفوظ ہو۔ جان اپنے قدموں سے چل کر میرے پاس آیا تھا۔ تم کو میرے آدمی اٹھا کر میرے سامنے لائیں گے پھر میں دیکھوں گا کہ تم کتنے پانی میں ہو۔" میں نے سفاکانہ لہجے میں اپنی بات پوری کرکے اس کا جواب سنے بغیر فون بند کردیا۔

پہلے میرا خیال تھا کہ لیری میری دھمکیوں کے جواب میں کوئی باوقار رویّہ اختیار کرے گا اور اسے دہشت زدہ کرنے کے لیے مجھے اس پر خاصی محنت کرنی پڑے گی مگر میری توقع سے کہیں زیادہ بودا ثابت ہوا۔ میرے پہلے فقرے کے جواب میں اس نے پسپائی اختیار کرلی تھی۔

"اتنی لمبی دوڑ لگانے کے بعد تم نے ذرا سی دیر میں فون بند کردیا۔ کچھ مزہ نہیں آیا۔" میرے باہر نکل آنے پر سلطان شاہ نے کہا۔

"مجھے خود بھی لطف نہیں آیا۔ میں نے اپنے ذہن میں خاصی لمبی گفتگو کی تیاری کی ہوئی تھی۔"

"اس کے بارے میں تمہارا کیا اندازہ ہے۔ یہاں رک رہے گا یا بھاگ جائے گا۔"

"وہ رکنے والا نظر نہیں آتا۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا "مجھے اندیشہ ہے کہ دہشت سے اس کی پتلون گیلی نہ ہوگئی ہو۔"

"تم سے بات ہونے کے بعد اس کا ہوٹل میں رکنا محال

Downloaded From https://paksociety.com

ہوجائے گا۔ اپنا بستر بوریا سمیٹ کر وہ قونصل خانے کا رخ کرے گا۔"

"میں خود بھی یہی چاہتا ہوں۔ وہ اپنے میرین کمانڈوز کے ساتھ نکلے گا تو ایک گاڑی اس کا پیچھا کرے گی۔ وہ مزید خوف زدہ ہوجائے گا۔"

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم نے اول خان کی تجویز قبول کرلی تھی!" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"چلنے سے پہلے میں نے اپنے کمرے میں بند ہو کر اول خان سے یہی بات کی تھی۔" میں نے رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے جواب دیا "اس کے دو آدمی اب تک ہوٹل کے باہر اپنے مورچے سنبھال چکے ہوں گے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ تم نے اسے یہاں سے بھگانے کا پورا بندوبست کرلیا ہے۔" اس نے محظوظ ہوتے ہوئے کہا۔

"اپنی کھال بچانے کے لیے یہ مشق ناگزیر ہوگئی تھی۔ وہ یہاں بیٹھ کر میرے لیے مسائل پیدا کرنے کے موڈ میں آگیا تھا۔"

گھر سے نکل آنے کے بعد میں فوری طور پر واپس جانے کے بجائے کھلی فضا میں وقت گزارنا چاہ رہا تھا۔ سلطان شاہ نے کچھ دیر کے لیے کلفٹن کے ساحلی علاقے کی سیر کا مشورہ دیا اور گاڑی کا رخ تبدیل کردیا گیا۔

راستے میں ہم دونوں کے درمیان حالات پر تبادلہ خیال ہوتا رہا۔ معاملات رفتہ رفتہ کچھ ایسا رخ اختیار کرتے جارہے تھے جو ہمارے لیے کسی طرح سودمند نہیں تھا۔

ہم دونوں نے کلفٹن کے ایک ساحلی ریستوران میں بیٹھ کر چائے پی اور تقریباً ایک گھنٹا گزارنے کے بعد وہاں سے واپس روانہ ہوگئے۔

ہم تھوڑی دور ہی نکلے ہوں گے کہ میرے موبائل فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ میرا دھیان ویرا کی طرف گیا۔ شاید اس نے طویل انتظار سے اکتا کر مجھے فون پر تلاش کرنے کی کوشش کی تھی۔ میں نے بٹن دبا کر کال وصول کی تو خلاف توقع دوسری طرف سے اول خان بول رہا تھا۔

"اس وقت دو اہم اور تازہ ترین خبریں ہیں۔" میری آواز سنتے ہی اول خان نے فون پر کسی تمہید کے بغیر اپنی بات شروع کردی "کراچی میں اس کوڑے دان کی ایک قریبی عمارت میں بم پھٹا ہے جہاں سے چندن کی لاش ملی تھی۔"

"اوہ!" اس بری خبر میں اپنے بے ساختہ ردِعمل پر قابو نہیں پاسکا "یہ لوگ ایک بار پھر زندگی پر اتر آئے۔ دھماکے میں جانی نقصان ضرور ہوا ہوگا۔"

تکلیف دہ

"کل رات میری لکڑی کی ٹانگ میرے لیے بڑی تکلیف کا باعث بنی۔"

"لکڑی کی ٹانگ بھلا تکلیف کا باعث کیسے بن سکتی ہے؟"

"میری بیوی نے وہ میرے سر پر دے ماری تھی۔"

"ابھی کچھ علم نہیں۔ یہ واقعہ چند منٹ پہلے پیش آیا ہے۔ ابھی میرے آدمی معلومات جمع کررہے ہیں۔"

"اور دوسری خبر کیا ہے؟" میں نے بے صبری سے اس کی بات کاٹ کر پوچھا۔

"لیری کو ہارٹ اٹیک ہوا ہے۔ اسے تھوڑی دیر پہلے سخت حفاظتی انتظامات میں ہوٹل سے دل کے اسپتال میں لے جایا گیا ہے۔"

وہ اہم خبر تھی مگر دھماکے کی اطلاع نے اس کی اہمیت کو بہت زیادہ گھٹا دیا تھا۔

ہم نے لیری کو ہاتھ نہ لگانے کا فیصلہ کرلیا تھا لیکن وہ ناگہانی طور پر مکافاتِ عمل کا شکار ہوچکا تھا۔ غالب امکان یہی تھا کہ موت کی دہشت نے اس کے دل کی دھڑکنوں کو بے ربط کردیا ہوگا۔

"اس کی بھی خیر خبر رکھو اور کوئی نئی بات معلوم ہو تو مجھے موبائل پر بتادو۔" میں نے فون پر کہا "میں اس وقت کلفٹن کے علاقے سے گزر رہا ہوں۔ ٹریفک کی بھیڑ کی وجہ سے مجھے گھر پہنچنے میں دیر ہوسکتی ہے۔"

"تم بے فکر رہو۔ میرے آدمی دونوں جگہ مامور ہیں۔ مجھے شبہ ہے کہ تم سے بات ہوتے ہی اسے دورہ پڑا تھا مگر وہ اپنے کمرے میں بے یارومددگار پڑا رہا۔ شاید اسے اسپتال لے جانے میں دیر ہوچکی ہے۔"

وہ اول خان کی خوش گمانی تھی۔ حقیقت کا علم کچھ دیر بعد ہی ہوسکتا تھا۔

وہ دونوں خبریں اول خان کی طرف سے آئی تھیں اس لیے ان کی صداقت میں کوئی شبہ نہیں تھا۔ سلطان شاہ میری اور اول خان کی گفتگو کے بارے میں جاننے کے لیے بے چین تھا۔ میں نے بھاری دل کے ساتھ اسے وہ دونوں خبریں سنادیں۔

Downloaded from https://paksociety.com

"یہ دھما کا صاف بتا رہا تھا کہ اس میں راوالوں کا ہاتھ ہے۔" سلطان شاہ نے غصیلی آواز میں کہا "مجھے پہلے ہی ڈر تھا کہ مار کھانے کے بعد وہ کوئی نہ کوئی گندی حرکت کر گزریں گے۔"

"یہ دھما کا ایک دو روز بعد ہوتا تو میں سمجھ لیتا کہ چندن کے قتل کے نتیجے میں دہشت گردی کی گئی ہے۔ ایسے واقعات اضطراری طور پر رونما نہیں ہوتے۔ ان کی پہلے سے منصوبہ بندی کی جاتی ہے۔" میں نے سلطان شاہ کو وہ اہم نکتہ سمجھانے کی کوشش کی "اول خان سے بری خبر سننے کے بعد میرے ذہن میں بھی یہی خیال آیا تھا کہ راوالوں چندن کے قتل پر جوابی کارروائی کی ہے مگر ذرا سے تجزیے کے بعد مجھے اپنا خیال بدلنا پڑا۔ وہ کئی روز پہلے سے اس دھماکے کی تیاریاں کر رہے ہوں گے۔"

"میں تمہاری بات سمجھ رہا ہوں۔ یہ دلیل بہت وزنی ہے لیکن یہ بتاؤ کہ انہوں نے دھماکے کے لیے اسی علاقے کا انتخاب کیوں کیا جہاں سے آج صبح چندن کی لاش ملی ہے۔"

"یہ ایک اتفاق ہے۔" میں نے پورے یقین سے کہا "سوچنے کی بات یہ ہے کہ چندن کی لاش ملنے کے بعد وہ علاقہ پولیس اور دوسرے تفتیشی اداروں کی سرگرمیوں کا مرکز بن گیا ہوگا۔ آس پاس کی رہائشی اور دفتری عمارتوں کے مکین بھی خوف زدہ ہو کر چوکنا ہو گئے ہوں گے۔ ایسے میں را کے کسی ایجنٹ کو وہاں گھس کر بم نصب کرنے کے لیے بڑا دل گردہ درکار تھا۔ لوگ کسی بھی مشتبہ شخص کو بہت آسانی سے پکڑ کر پولیس کے حوالے کر دیتے۔"

"اوہو۔ تمہاری اس بات کا مطلب یہ ہوا کہ بم کل شام یا رات کو ہی نصب کیا جا چکا تھا۔ آج وہ اپنے مقررہ وقت پر پھٹ گیا۔" وہ حیرت سے بولا۔

"حالات اسی سمت میں رہنمائی کر رہے ہیں۔" میں نے تشویش سے کہا "یہ راوالوں کی بے مقصد دہشت گردی ہے۔ پتا نہیں اس سے وہ کیا نتیجہ حاصل کرنا چاہ رہے تھے۔"

"تمہارے اندازے اکثر درست ثابت ہوتے ہیں۔ اگر اس خون آشام دھماکے کا چندن کے قتل سے کوئی تعلق نہیں ہے تو میں خود کو بہت ہلکا محسوس کروں گا۔ تمہارے منہ سے یہ خبر سن کر دل میں یہ مجرمانہ احساس جاگ اٹھا تھا کہ ہم نے چندن کو مار کر را والوں کو جوابی دہشت گردی پر اکسایا ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ میرا خیال غلط تھا۔ اب یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ را کے بھیڑیے کسی وجہ کے بغیر ہی معصوم شہریوں کے خون کی ہولی کھیل سکتے ہیں۔"

"یہ میرا خیال ہے۔ آنے والے چند گھنٹوں میں اس کی تائید ہو جائے گی۔ ہمارے لیے اطلاعات کے دوسرے ذرائع سے کہیں زیادہ ایس ٹی ایف والے کار آمد ثابت ہوں گے۔"

"تو کیا وہ دھما کے والے مقام پر موجود ہیں؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"اول خان کو ان ہی سے خبر ملی ہے۔ اس کے دو آدمی لیری کے پیچھے بھی لگے ہوئے ہیں۔"

"لیری والی خبر عبرت ناک ہے۔ ہم نے اسے چھوڑ دیا لیکن قدرت کی مار سے وہ نہیں بچ سکا۔"

"دل کے دورے میں بروقت طبی امداد کی اولین ضرورت ہوتی ہے۔ اول خان کا خیال ہے کہ وہ کافی دیر تک ہوٹل کے بند کمرے میں پڑا تڑپتا رہا ہے۔ اسے اسپتال لے جانے میں خاصی تاخیر ہوئی ہے۔"

"کاش ایسا ہی ہوا ہو۔" سلطان شاہ نے حسرت سے کہا "جب تک دشمن اپنے کیفر کردار کو نہ پہنچے' دل کو چین نہیں ملتا۔ میں جب بھی جان کے بارے میں سوچتا ہوں' میرے دل میں ایک خلش سی پیدا ہو جاتی ہے۔"

"دعا کرو۔ تمہاری یہ خلش بھی شاید دور ہو جائے۔" میں نے سنجیدگی سے اسے مشورہ دیا۔

اس نے خاموش ہو کر گاڑی کی رفتار تیز کر دی۔

"گاڑی گھر کے بجائے صدر کی طرف لے لینا۔" میں نے کچھ دیر کی خاموشی کے بعد اسے ہدایت دی "ہم اس طرف آئے ہوئے ہیں تو ذرا اپنی نظروں سے ان کی بربریت کا جائزہ لے ڈالیں۔"

سلطان شاہ سر ہلا کر رہ گیا "اس اندوہناک بم دھماکے کے بارے میں اس کے پاس کہنے کے لیے کچھ نہیں تھا۔

اچانک فون کی گھنٹی دوبارہ بجنے لگی۔ اس بار ویرا بول رہی تھی۔ اس نے بتایا کہ جلال اسلام آباد سے دوبارہ میرے لیے فون کر چکا تھا۔

میں نے ویرا کا مختصر پیغام سن کر فون بند کر دیا۔ میری گمبھیر آواز سن کر ویرا نے بھی بات بڑھانے کی کوشش نہیں کی۔ موقع محل کا اندازہ لگا کر ہی وہ اِدھر اُدھر کی باتیں کرتی تھی۔ کام کے وقت اسے کام کے سوا کچھ اور نہیں سوجھتا تھا۔

مجھے جلال کے دفتر کا فون نمبر زبانی یاد تھا۔ میں نے موبائل فون پر وہ نمبر ملانا شروع کر دیا۔

انسانیت کے دشمنوں کے خلاف جاری اس جنگ کی باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں

Downloaded from https://paksociety.com

گئی۔ ویرا میری دوست تھی مگر غزالہ ایک مدت سے میری محبت تھی۔ حالات کی ستم ظریفی کہ ہم دونوں کو مکاؤ میں ذوکو نامی ایک چینی بدمعاش کے دباؤ پر شادی پر مجبور ہونا پڑا۔ دوسری طرف امریکا میں آئزک بیل نامی ایک نسل پرست یہودی دہشت گرد اپنے اثر و رسوخ کی بنا پر شی کے بے اندازہ مالی وسائل پر قابض ہو کر انہیں ذیوڈ اسٹار زنای صیہونی تنظیم کے لیے استعمال کرنے کا خواہاں تھا۔ جبی لائیڈ کو صدارتی انتخاب میں کامیابی کی مجبوری کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ اس کی پراسرار ہلاکت کے بعد آئزک بیل اس خطے کی بہترین ہیروئن کے پیداواری ذرائع پر قبضہ کرنے کے منصوبے کے علاوہ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو نقصان پہنچانے کے مذموم خواب کو عملی جامہ پہنانے کی سازشوں کے ساتھ پاکستان پہنچا مگر مایوس اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ اپنے انجام سے خوف زدہ ہو کر واپس امریکا فرار ہوا۔ ہم بھی اس کے تعاقب میں امریکا پہنچے جہاں ہماری کوششوں سے اس کی بدمعاشیوں کا آغاز ہوا اور وہ ذیوڈ اسٹار زاور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے کیپ کے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں معتوب ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے بعد ہم پاکستان واپس آگئے۔ یہاں نئے ہنگامے ہمارے منتظر تھے۔ بھارتیوں کی سرگرمیوں میں بہت تیزی آگئی تھی۔ ہماری کوششوں کے باعث انہیں ہر محاذ پر منہ کی کھانی پڑی۔ اپنی انا پر مسواد کے ایجنٹ رستم ایرانی کے انجام پر فریڈم انٹرنیشنل کے غیر معمولی واویلا مچانے پر ہم اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس کا کرتا دھرتا اکرام الٰہی تھا جو خود فریڈم انٹرنیشنل کے دفتر میں متعین دیا گیا۔ وہ امریکیوں کے مفادات کے لیے کام کر رہا تھا۔ اسے ہم نے ایک امریکی سفارت کار کے ساتھ رنگے ہاتھوں پکڑا اور امریکی سفارت کار بوب رامیل کو بھی اپنے عہدے سے برخاست ہونے کے بعد پاکستان بدر ہونا پڑا۔ اکرام الٰہی کے حوالوں میں سے ایک مراد ظریف بھی اندرون سندھ اپنی این جی او چلا رہا تھا۔ مراد ظریف نے دوران تفتیش انکشاف کیا کہ بھارتی ایجنٹ کرشن کمار نیا بھیرو کے علاقے میں مسلح تربیتی کیمپ چلا رہا تھا اور اب فرار ہو کر بھارت چلا گیا ہے۔ کرشن کمار واقعی تیز اور سفاک ایجنٹ تھا۔ وہ اگلے ہی دن ہمارے گھر میں داخل ہو گیا مگر اپنی بدقسمتی سے ہمیں کوئی نقصان پہنچائے بغیر بہ مشکل وہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہو سکا۔ اسی اثنا میں ہم کرشن کمار کے ساتھیوں سے ملنے والی کار کے رجسٹریشن نمبر کے ذریعے مجید نیش تک پہنچ گئے۔ وہاں معاملات سے بے خبر تھا مگر اس کا بھائی روی کرشن کمار کے ہاتھوں میں کھیل رہا تھا۔ وہ اپنے گھر سے فرار ہونے میں کامیاب ہو چکا تھا مگر اس کی خوبرو بیوی ماروتی نے اپنے شوہر کی سلامتی اور اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل کے عوض ہمیں کرشن کمار کا پتا بتا دیا۔ کرشن کمار دو امریکی سفارت کاروں کے ہمراہ اپنے بھیانک انجام کو پہنچا۔ اس کے بعد روی نے ہمیں ہری چند تک پہنچایا۔ وہ ہم سے خوف زدہ ہو کر فرار ہونے کی کوشش میں ٹریفک کے حادثے میں شدید زخمی ہو چکا تھا' اس سے معلوم ہوا کہ کرشن کمار دہلی میں موجود را کے پاکستانی ونگ کے سربراہ اعلیٰ بسواس سے ملاقات حاصل کرتا تھا۔ اب مجھے انڈیا جانا تھا۔ کرایا ہی میں موجود دیگر بخشی کو ہمارے بارے میں کچھ سن گن مل گئی تھی لہٰذا اسے ہم نے ذیلی طور پر ناکارہ بنا دیا گیا۔ تاہم اس سے پہلے وہ جوگیندر پال عرف ماسٹر کو ہمارے بارے میں مطلع کر چکا تھا۔ جوگیندر پال اپنے دو آدمیوں کے ساتھ روی کو مارنے میں کامیاب ہوا مگر اس کے وہ گرگے میرے مقابلے میں ہلاک ہوئے' ان سے مجھے جوگیندر پال کا فون نمبر بھی مل گیا جس کے بعد جوگیندر پال کو اس کے انجام تک پہنچانے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی۔ اب میں انڈیا کے سفر کے لیے پورے طور پر تیار تھا۔ غزالہ میرے ساتھ تھی ہم لوگ لاہور پہنچ گئے تھے۔ لاہور میں قیام کے دوران میں ہم نے ہیروئن کی بڑھتی ہوئی دیا کے انسداد کے لیے ایس ٹی ایف کے مقامی کمانڈر کی مدد کی اور جلال کے تعاون سے جاتگیر کے ماموں سرجو ہدری عظمت کی این جی او کا قلع قمع کر دیا۔ اس کے بعد ہم انڈیا روانہ ہو گئے۔ ہم نے جلال کی مدد سے سرحد عبور کی اور بآسانی دہلی پہنچ گئے۔ دہلی میں ہمارا قیام نہایت سنسنی خیز رہا۔ میں اعلیٰ بسواس کا شکار کرنا چاہتا تھا۔ آئی بی کے ایجنٹوں کی نشاندہی پر وہ ہمارے اپنا قیام ہم سے الگ کر لیا۔ میں اور غزالہ تاج محل میں تھے۔ کسی رشتے کے بغیر غزالہ کے ساتھ مشترکہ کمرے میں رہائش کی بنا پر ہماری طرف متوجہ ہوئی۔ اس کی ایک خوب رو ایجنٹ رینا جیت رائے نے دل پھینک اوباش وشیونو کے روپ میں مجھ سے ملاقات کی اور میں اس کے جلووں کا شکار ہوتا چلا گیا۔ ہوٹل کی رنگین تنہائی میں کچھ وقت گزار کر اس نے بتایا کہ وہ باقاعدہ منصوبے کے تحت مجھ سے ٹکرائی تھی اور میری بے زاری کی مکمل ویڈیو تیار کی جا چکی تھی۔ مجھے اس کے بعد اعلیٰ بسواس سے ملنا پڑا۔ اس نے مجھے سیدھا سادا کاروباری مگر عیاش پاکستانی سمجھ کر اپنے جال میں پھنسانا چاہا اور میں بے زار و نزار نہیں ہوا۔ اسی وقت آئی بی کے مقامی ایجنٹوں نے مجھے بتایا کہ وہ گرین کوبرا نامی فاشل کے چکر میں ہیں جس میں پاکستان کے خلاف خطرناک سواد و وجود ہے۔ میں نے اعلیٰ بسواس سے اس کے دفتر میں ملاقات کی۔ جہاں اس کا معاون نریش شرما بھی موجود تھا۔ مجھے اندازہ ہوا کہ گرین کوبرا فاشل اور میری اور رینا اجیت رائے کی ویڈیو نریش شرما کے کمرے میں تھی۔ را کا وہ دفتر اتنے خفیہ اقدامات کی بنا پر مجھے آسان معلوم ہوا اور میں نے وہاں نقب لگا کر اپنی ویڈیو فلم ضائع کر دی نیز مال غنیمت کے طور پر گرین کوبرا فائل کے ساتھ ساتھ بہت سا اہم ریکارڈ بھی وہاں سے اڑا لایا۔ اس مہم میں را کا ایک ایجنٹ بھی میرے ہاتھوں مارا گیا۔ را کے دفتر سے ملنے والا تمام ریکارڈ میں نے فوری طور پر ویرا کے ہمراہ پاکستان بھجوا دیا اور وہ بہ خیریت وہاں سے نکل گئی۔ اس کارروائی کے بعد مجھے کچھ تکلیف دہ وقت گزارنا پڑا مگر بفضلہ خاصی حد تک عافیت ہی رہی۔ میری ویڈیو ضائع ہو چکی تھی مگر اب رینا میری ہم نوا ہو کر اپنے فرض سے غداری پر آمادہ تھی۔ اس کی کوششوں کے باعث راوالے مجھے دوبارہ کسی جال میں گرفتار نہ کر سکے۔ اب آخری معرکہ باقی تھا۔ مجھے اعلیٰ بسواس اور نریش شرما دونوں کو شکار کرنا تھا اور خلاف توقع میرا یہ مشن نہایت آسانی سے مکمل ہو گیا۔ واپسی کے سفر میں ہم سرحد عبور کرنے ہوئے دو بھارتی فوجیوں سے ٹکرا گئے جنہیں جہنم واصل کرنے کے بعد جلال کے لیے امرتسر میں خدمات انجام دینے والے منگو کو بھی قربان کرنا پڑا۔ ہم لاہور میں مختصر قیام کے بعد کراچی پہنچ گئے۔ جلال نے مجھے دس لاکھ روپے کا چیک دیا تھا جسے تمام ساتھیوں کے مشورے کے بعد قبول کر لیا گیا۔ بھارت سے خبریں آنا شروع ہو گئی تھیں۔ ان کے مطابق انہیں مظہر خان کے علاوہ ڈیلی کی بھی تلاش تھی۔ جلال نے بتایا کہ دہلی میں مارے جانے والے جان احمتھ کے قاتلوں کی تلاش کے سلسلے میں امریکی پاکستانی ایجنٹوں کی مدد کے طلب گار تھے۔ ان سے اجلاس کے دوران میں معلوم ہوا کہ انہیں ڈیلی کی تلاش تھی۔ جلال کے اجلاس کی مکمل رپورٹ مجھے دے دی۔ اب ہمارے سامنے جان ایلن کوف تھا اور میں اس سے رابطہ کرنا چاہتا تھا۔ خلاف توقع اس سے رابطہ آسان ثابت ہوا۔ میں نے اس سے عبدالماجد حسینی کے نام سے عربی لب و لہجے میں گفتگو کی۔ ڈیلی کا نام ان کے اعصاب پر بری طرح سوار تھا لہٰذا وہ آسانی سے میرے جال میں پھنستا چلا گیا۔ اس نے مجھ سے سمندر کے کنارے ملاقات کا وعدہ کیا جہاں ایس ٹی ایف کی مکمل نگہبانی ہو' میں نے اس سے پر تعدد ملاقات کی اور اسے شدید زخمی کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ جان ایلن کوف بھی اپنے پیش رو جان احمتھ کی طرح خوف زدہ ہو کر پاکستان سے بھارت فرار ہو گیا۔ اب میرے سامنے آنجہانی اعلیٰ بسواس کا دیا ہوا فون اور فیکس نمبر تھا۔ اپنے ساتھیوں کے مشورے سے میں نے ایک پیغام فیکس کر دیا۔ اس سے پہلے یہ معلوم کرایا جا چکا تھا کہ فیکس نمبر بھارتی سفارت خانے میں ملازم ایک اہلکار چندن کا تھا جبکہ ٹیلی فون ایک پیار ہندو کیل کے دفتر پر نصب تھا۔ بھارتیوں نے مظہر خان کی سپردگی کا سوال اٹھایا مگر انہیں صاف جواب دے دیا گیا کہ مظہر خان ناٹی پاکستانی شہری واپس نہیں پہنچا اور اب بھارتی اس کی سلامتی کے بارے میں آگاہ کریں۔ فیکس کے بعد میں نے اعلیٰ بسواس کے دیے گئے نمبر پر فون کیا۔ بات کرنے والے چندن نے مجھے مشورہ دیا کہ میں فوری طور پر پولیس کے سامنے پیش ہو جاؤں۔ میرے آنا کانی کرنے پر اس نے مجھے میری ویڈیو فلم کی دھمکیاں دینا شروع کر دیں۔ اسی اثنا میں معلوم ہوا کہ چندن نے وکیل کا فون ٹائپ رائٹر پر اپنے تصرف میں لے رکھا ہے۔ میں نے سلطان شاہ کی مدد سے چندن کو اغوا کیا۔ اس سے پوچھ گچھ کے لیے میں نے خود کو ڈیلی کا حریف ظاہر کیا اور وہ سب کچھ اگلتا چلا گیا۔ اس نے بھارتی تو صلیحت کے چوہڑی کی نشاندہی کی کہ وہ اس کا شریک کار ہے۔ وہ مجھ سے مظہر خان کا سودا کرنا چاہتا تھا اور اس کی لاش کے لیے بھی دو لاکھ روپے تک کی رقم دینے پر آمادہ تھا۔ میں نے اس کو ٹھکانے لگوا کر اس کی لاش کوڑے دان میں ڈلوا دی۔ امریکن تو صلیحت کے چیف کلرک لی ہی ہف نے پاکستانی ایجنسیوں کا آف دی ریکارڈ اجلاس طلب کیا جس میں ایس ٹی ایف کے کرنل داور کے نام سے شریک ہوا۔ اپنی تلخ باتوں کے نتیجے میں لی ہی ہف کو فون پر دھمکیاں دیں جس کے نتیجے میں آخری اطلاع یہ آئی کہ لی ہی ہف کو دل کا دورہ پڑا تھا اور وہ اسپتال میں داخل تھا۔ مجھے پیغام ملا کہ جلال مجھ سے فون پر فوراً بات کرنا چاہتا ہے۔ میں نے جلال کا فون نمبر ڈائل کرنا شروع کر دیا۔

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ کیجیے

جلال سے فون پر رابطہ کرنے کی دو کوششیں ناکام ہو گئیں۔ اس کا فون مصروف تھا۔

"پتا نہیں اس وقت کون اس کے فون سے چپکا ہوا ہے!" میں غصے اور ہیجان کے عالم میں بڑبڑایا۔

Downloaded from https://paksociety.com

"غصہ کرکے بلاوجہ اپنا خون نہ کھولاؤ۔" سلطان شاہ نے نرمی سے مجھے مشورہ دیا "وہ مصروف آدمی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اسے بھی کراچی کی خبریں مل چکی ہوں۔ اتنی اہم اطلاعات ملنے کے بعد وہ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر نہیں بیٹھ سکتا۔"

سلطان شاہ کی بات اپنی جگہ پر درست تھی۔ میں نے تحمل سے لمحے بھر کے لیے اس کے فقروں پر غور کیا اور چند لمحوں میں میری جھلاہٹ خود بخود کافور ہوگئی۔

کراچی ملک کا سب سے بڑا شہر تھا جہاں کا نظم و نسق چلانے کے لیے ذمے دار اور خود مختار انتظامیہ موجود تھی۔ وہ لوگ شہر کے ہر گوشے میں رونما ہونے والے برے اور بھلے واقعات اور ان کے محرکات سے پل پل باخبر رہنے کی کوشش کرتے تھے لیکن را اور سی آئی اے کی زیر زمین سرگرمیوں کے بارے میں کراچی کی شہری انتظامیہ پوری طرح باخبر نہیں تھی۔ لیری ہف کے ساتھ ہونے والے اجلاس میں شامل انسپکٹر جنرل آف پولیس کو سی آئی اے کی پاکستان دشمن کارروائیوں کے بعض پہلوؤں سے واقفیت حاصل ہوچکی تھی مگر وہ اس بڑے کھیل کے ہر مہلک پہلو سے باخبر نہیں تھا۔

میرا اپنا قیاس تھا کہ سرکاری صفوں میں صرف جلال ہی ایسا افسر تھا جسے ہر بات کا علم تھا۔ دوسری ایجنسیوں کو بھی یہ معلوم تھا کہ آئی بی والے ہر سطح پر ان معاملات میں گہری دلچسپی لے رہے ہیں۔ ان حالات میں یہ کوئی انوکھی بات نہیں تھی کہ کراچی کی کسی عمارت میں مہلک دھماکا ہونے کے بعد جلال کے پاس فون کالز کا تانتا بندھ گیا ہو۔ کراچی ملک کا دھڑکتا ہوا دل تھا۔ وہاں پیدا ہونے والی ذرا سی بدامنی اور لاقانونیت دردمند پاکستانیوں میں تشویش کی لہر دوڑا دیتی تھی۔

"تم اپنی توجہ ڈرائیونگ پر مرکوز رکھو اور فون مجھے دے دو۔" قدرے توقف کے بعد ابھرنے والی' سلطان شاہ کی آواز نے مجھے چونکا دیا "میں وقفے وقفے سے اس کا نمبر ملانے کی کوشش کرتا رہوں گا۔"

اس کی تجویز معقول تھی۔ میں نے خاموشی سے فون اس کی طرف بڑھا دیا۔

اس وقت میرا ذہن غصے سے کھول رہا تھا۔ مجھے بھارتی درندوں کی اس بربریت پر سخت غم و غصہ تھا کہ سازشوں کے میدان میں ہمارے ہاتھوں زک اٹھانے کے بعد وہ ہر بار معصوم اور بے گناہ پاکستانی شہریوں کو اپنی درندگی کا نشانہ بناتے تھے اور اپنی نفرت کی قربان گاہ پر چند پاکستانیوں کے خون کی بھینٹ چڑھانے میں کامیاب ہوجاتے تھے۔ مجھے پورا یقین تھا کہ صدر کی عمارت میں ہونے والا بم دھماکا چندن کی موت کا شاخسانہ نہیں تھا۔ اس کی کڑیاں دہلی میں ہونے والی خون ریزی سے ملتی تھیں۔

دہلی جیسے شہر میں جہاں ذہین ترین بھارتی افسر اور کارندے ہر وقت اپنے فرائض کی انجام دہی کے لیے مستعد بیٹھے رہتے تھے' یکے بعد دیگرے متعدد اہم ترین خفیہ ایجنٹ مار دیے گئے۔ اسی شہر میں' ان کی ناک کے نیچے' سی آئی اے کا ایک ڈپٹی ڈائریکٹر بے بسی کی موت مار دیا گیا اور بھارتی اپنی سرتوڑ کوششوں کے باوجود اپنے کسی ملزم کو نہیں پکڑ سکے۔ اپنی اس شرمناک ناکامی پر وہ کھسیائے ہوئے تھے اور کسی کھسیانی بلی کی طرح پاکستان میں بے مقصد دہشت گردی کرکے کھمبا نوچنے کی مثال قائم کررہے تھے۔

سلطان شاہ کوشش کرتا رہا لیکن اسے بھی کامیابی حاصل نہ ہوسکی۔ ایک بار اس نے جلال کا فون انگیج ہونے کی ٹون سن کر موبائل بند کیا ہی تھا کہ گھنٹی بج اٹھی اور میں نے لمحہ بھر کے لیے سڑک پر سے اپنی توجہ ہٹا کر اس کے ہاتھ سے فون تقریباً چھین لیا۔

مجھے توقع تھی کہ شاید جلال نے ہی مجھ سے موبائل فون پر رابطہ کرنے کی کوشش کی ہوگی لیکن میں نے بٹن آن کیا تو دوسری طرف سے اول خان بول رہا تھا۔

"کوئی جانی نقصان نہیں ہوا۔" میری آواز سنتے ہی اس نے کسی تمہید کے بغیر اپنی بات شروع کردی "عمارت میں موجود تین افراد کو معمولی زخم آئے ہیں۔ انہیں مرہم پٹی کرکے اسپتال سے رخصت کردیا گیا۔"

"دیری گڈ۔" میں نے اپنے دل کی گہرائی سے جواب دیا "ابتدائی خبر نے مجھے ہلا کر رکھ دیا تھا۔ اب تم نے میرے دل کا بوجھ ہلکا کردیا ہے۔"

"مجھے اندازہ تھا کہ تم پریشان ہوگئے ہوگے اس لیے میں نے تمہیں فون کرنا ضروری سمجھا۔ اس وقت تم کہاں سے گزر رہے ہو؟"

"میں سہیل والی مسجد کے قریب پہنچ رہا ہوں۔ زیادہ سے زیادہ دس منٹ میں گھر پہنچ جاؤں گا۔" میں نے جواب دیا۔

"اس وقت میں معلومات اکٹھی کررہا ہوں۔ نمٹ کر سیدھا گھر آؤں گا۔"

میں نے اس کی بات کاٹ دی کیونکہ میرے ذہن میں ایک اہم سوال چکرانے لگا تھا "اگر یہ دھماکا اس قدر ہلکا تھا تو پھر اس میں راواں کا ہاتھ نہیں ہوسکتا۔ ممکن ہے کہ یہ کوئی حادثاتی دھماکا رہا ہو۔ اپنی توجہ اس نکتے پر بھی مرکوز رکھو۔"

"بم ڈسپوزل اسکواڈ کے چیف آفیسر نے جائے واردات سے روسی ساخت کی ٹائمنگ ڈیوائس کے تباہ شدہ ٹکڑے

Downloaded from https://paksociety.com

یک جا کیے ہیں۔" اول خان نے پر وثوق آواز میں کہا "حادثاتی دھماکے کی بات سرے سے خارج از امکان ہے۔ یہ دربات ہے کہ بم نصب کرنے والوں سے جگہ کے انتخاب میں کوئی غلطی ہوئی ہو۔ یہ سب بعد کی باتیں ہیں۔ میں گھر جاؤں گا تو مل بیٹھ کر اس پر غور کریں گے۔ اب میں فون بند کررہا ہوں۔"

مجھے اس کی حد سے بڑھی ہوئی مصروفیات کا ادراک تھا۔ ہماری گفتگو وہیں ختم ہوگئی۔

جمشید روڈ سے گزرتے ہوئے سلطان شاہ کی کوشش بار آور ہوگئی اور جلال کا فون مل گیا۔ اس نے دوسری طرف کی گھنٹی سنتے ہی موبائل فون میری طرف بڑھادیا۔

"تم کہاں ہو؟ تمہیں معلوم ہے کہ کراچی میں کیا ہوا ہے۔" رابطہ ہونے پر ابتدائی رسمی کلمات کے بعد میرے کان میں جلال کی ہیجان زدہ آواز گونجی۔

"شاید تم صدر کے علاقے میں ہونے والے دھماکے کی بات کررہے ہو۔" میں نے اس سے تصدیق چاہی۔

"صدر کے مصروف رہائشی علاقے کی ایک عمارت میں بم پھٹا ہے۔ ابتدائی خبر بہت ہولناک تھی۔ اسلام آباد میں سب دہل کر رہ گئے تھے۔ خدا کا شکر ہے کہ تازہ ترین خبریں پریشان کن نہیں ہیں۔ اس دھماکے میں دو مردوں کے ساتھ ایک عورت مجروح ہوئی ہے۔ ان کے زخم زیادہ گہرے یا خطرناک نہیں ہیں۔ کیونکہ بم کا دھماکا پانی کے پمپ کے پاس ہوا جو عمارت کے بیرونی حصے میں لگا ہوا تھا۔"

تازہ ترین خبروں کے سلسلے میں وہ اول خان سے پیچھے نہیں تھا۔ مجھے خوشی ہوئی کہ اسلام آباد میں بیٹھے ہوئے حکمراں دوسرے شہروں کے حالات سے پل پل باخبر رہتے تھے۔

"ان کا یہ وار بہت اوچھا ثابت ہوا۔" میں نے دھیرے سے کہا۔

"پانی کے زیر زمین ٹینک کی چھت بیٹھ گئی اور وہ اب بھرے ہوئے سوئمنگ پول میں بدل چکی ہے۔ خبریں بتا رہی ہیں کہ یہ کوئی حادثہ نہیں، دہشت گردی ہے۔ کام تیزی سے ہوا ہے۔ وہاں سے کچھ اہم پرزے ملے ہیں جو ٹائم بم کی نشان دہی کررہے ہیں۔"

"اب تک تمہیں....." میں نے کچھ کہنا چاہا لیکن جلال نے میری بات کاٹ دی۔

"ذرا ہولڈ کرو۔ ہاٹ لائن پر کال آرہی ہے۔" اس نے کہا اور پھر اس کی آواز پس منظر میں چلی گئی۔ میں نے اپنے فون پر ہاٹ لائن کی گھنٹی کی آواز واضح طور پر سنی تھی۔

میرے کانوں میں جلال کی دبی دبی اور غیر واضح آوازیں آرہی تھیں۔ اس کے الفاظ قابل فہم تھے نہ مفہوم سمجھ میں آرہا تھا البتہ اس کی آواز کے اتار چڑھاؤ کی دھیمی سے گونج سے یہ واضح ہورہا تھا کہ ہاٹ لائن پر آنے والے پیغام نے اسے حیران کردیا تھا۔

میری توقع کے برعکس وہ جلد ہی دوبارہ مجھ سے مخاطب ہوگیا "تمہیں معلوم ہے کہ لیری کو ہارٹ اٹیک ہوگیا!" اس کے ایک ایک لفظ سے مسرت پھوٹی پڑ رہی تھی۔

"تم نے مجھے ہولڈ کرنے کے لیے کہا تو میں تم سے یہی پوچھنا چاہ رہا تھا۔" میں نے دل ہی دل میں ہنستے ہوئے جواب دیا۔

"تم دیکھ لو۔ قدرت کا اپنا نظام ہے۔ ہم نے اسے اس کے حال پر چھوڑنے کا فیصلہ کرلیا لیکن قدرت نے اسے معاف نہیں کیا۔ وہ اس وقت کارڈیو۔ تھوریکس اسپتال میں انتہائی نگہداشت کے شعبے میں کوما کی حالت میں بے سدھ پڑا ہوا ہے۔ مجھے یہ خبر ابھی ابھی کراچی کی ہاٹ لائن پر ملی ہے۔"

"یہ خبر مجھے بھی مل چکی ہے۔ اب سے تقریباً ڈیڑھ گھنٹے پہلے میں نے اس سے فون پر بات کی تھی تو وہ اپنی آواز سے پوری طرح صحت مند معلوم ہورہا تھا۔ دور دور تک ایسی علامت نہیں تھی کہ اس پر ہارٹ اٹیک ہوگا مگر خدا کی لاٹھی بے آواز ہوتی ہے....."

"ذرا ایک منٹ!" جلال نے بے تابانہ لہجے میں میری بات کاٹ دی "ابھی تم نے کیا کہا؟ ڈیڑھ گھنٹے پہلے تم نے اسے فون کیا تھا۔"

"ہاں! میری اس سے کافی دیر تک بات ہوئی تھی۔" میں نے اعتراف کیا۔

"وہ کہاں تھا؟" میرے کانوں میں جلال کی متجسسانہ آواز گونجی۔ شاید اس کے اندر چھپا ہوا سیکرٹ ایجنٹ جاگ اٹھا تھا۔

"وہ بری طرح خوف زدہ ہے۔ اپنے ہوٹل کے کمرے کے سوا اور کہاں ہوسکتا تھا۔" میں نے ہنس کر جواب دیا۔

"میں نے تمہیں اس سے چھیڑ چھاڑ کرنے سے منع کیا تھا!" جلال کی آواز سے ملال مترشح تھا۔

"چھیڑ چھاڑ تو کیا، میں نے اس کا سامنا تک نہیں کیا۔ بس ماجد یمنی کے نام سے اس سے کچھ مذاکرات کیے تھے۔"

"اوہ!" فون پر جلال کی بے ساختہ اور مضطربانہ آواز ابھری "تم نے ضرور اسے دھمکیاں دی ہوں گی۔"

"میں بے بس تھا۔ اس کے سوا اور کیا کرسکتا تھا۔ وہ تمہارا مہمان ہے۔ تم کو اس کی سلامتی کی فکر ہے۔ میں نے

Downloaded from https://paksociety.com

تمہارے جذبات کا پاس کیا اور اسے للکارنے کا ہر ارادہ ترک کردیا۔ مجھے کم از کم شیخ چلی کی طرح کھوکھلی دھمکیاں دے کر اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کا حق تو حاصل تھا۔"

"تم کو اندازہ نہیں ہے کہ تم سے کیا حرکت سرزد ہوئی ہے۔" جلال کا لہجہ خشک تھا "اس سے تمہاری بات مکمل ہوگئی تھی؟"

"وہ خوشامدوں پر اتر آیا تھا۔ اس کے دل کی باتیں شاید دل میں رہ گئی ہوں۔ میں نے اسے اپنا پورا پیغام پہنچا دیا تھا۔"

"میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ تمہاری گفتگو کے اختتام پر فون بند کرنے میں پہل کس نے کی تھی۔۔۔ تم نے یا لیری نے؟" اس نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر پوچھا۔

"میرے لیے اس کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ مجھے یاد پڑتا ہے کہ میں نے اسے آخری دھمکی دے کر خود فون بند کردیا تھا۔"

"بس تو پھر تم نے ہی اسے اسپتال پہنچایا ہے۔" جلال کی آواز یکایک پرجوش ہوگئی۔

"تم نے کچھ سوچے سمجھے بغیر میرے اوپر اتنا بڑا الزام لگا دیا!" میں نے شکوہ کیا۔

"تمہیں خوش ہونا چاہیے کہ میں بہت سوچ سمجھ کر اس فیصلے پر پہنچا ہوں۔" اس کی طرف سے جواب آیا۔

اگر میری دھمکیوں کی دہشت سے اس پر ہارٹ اٹیک ہوا تھا تو یہ واقعی میری بہت بڑی کامیابی تھی۔ میں نے پرسکون رہ کر اس سے پوچھا "اگر مناسب سمجھو تو اپنی سوچ سمجھ سے مجھے بھی آگاہ کردو۔"

"سارا فتور ایک فون کا ہی تھا" لمحہ بھر کے توقف کے بعد فون پر جلال کی آواز ابھری "موٹے کے پاس ایک فون آیا تھا۔ اس کے دس منٹ بعد اس کے لیے دوسری کال آئی تو آپریٹر نے دیکھا کہ موٹے کی ایکس ٹینشن مسلسل مصروف تھی۔ اس نے دوسری کال کرنے والے سے معذرت چاہی تو اس نے اصرار کیا کہ آپریٹر چند ثانیوں کے لیے موٹے کی پہلی کال میں مداخلت کرکے اس کا پیغام دے دے۔ آپریٹر نے انکار کردیا۔"

"وہ اس کی بدمعاشی تھی" میں نے بے ساختہ کہا "آپریٹر اپنے طور پر ہر ایک کی باتیں سنتے رہتے ہیں۔ کوئی مداخلت کی فرمائش کرے تو انکار کردیتے ہیں۔"

"اس سے ساکھ مجروح ہوتی ہے۔ ہوٹلوں میں کسی کو مہمانوں کی فون کالز سننے کی اجازت نہیں ہوتی۔ دوسری کال کرنے والا امریکی قونصل خانے کا فرسٹ سیکریٹری تھا۔ اس نے غصے میں امریکی کمانڈوز سے کال ملوانی۔ اس کے ایما پر ایک میرین کمانڈو نے اپنے کمرے سے باہر نکل کر موٹے کے دروازے پر دستک دی پھر دروازہ پیٹ ڈالا مگر جواب ندارد۔ نیچے ہوٹل کے سوئچ بورڈ پر موٹے کی ایکس ٹینشن بدستور مصروف تھی۔ وہ صورت احوال تشویش ناک تھی۔ ہوٹل میں سنسنی پھیل گئی اور ہوٹل کا جنرل منیجر بھی دوڑا ہوا موٹے کے دروازے پر آن پہنچا۔ ماسٹر کی سے دروازہ کھولا گیا تو موٹا جان کنی کے عالم میں مسہری سے نیچے پڑا ہوا تھا۔ اس کے فون کا ریسیور سائڈ ٹیبل کے ساتھ جھول رہا تھا۔"

"حیرت ہے کہ تم اسلام آباد میں بیٹھے ہوئے ہو اور اتنے باخبر ہو" میں نے تحیر زدہ لہجے میں کہا۔

"یہ کراچی میں مامور میرے عملے کی کارگزاری ہے۔ موٹے کے ہارٹ اٹیک کی خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیلی تھی۔"

"اور تمہارے آدمیوں کو کھلی آزادی ہے۔ وہ سرکاری طور پر ہر جلی اور خفیہ بات جاننے کا حق رکھتے ہیں۔"

"میرے ذہن میں یہ رپورٹ سماتے ہی پوری بات واضح ہوگئی کہ تم سے بات کرتے ہی اس کو دل کا دورہ پڑ گیا۔"

"اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہے۔ بھاری بھرکم وجود رکھنے کے باوجود وہ بالکل بودا نکلا" میں نے مدافعانہ لہجے میں کہا۔

فون پر اس کی ہلکی سی ہنسی کی آواز ابھری "تم کو معذرت خواہ ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں خوش ہوں کہ تم نے اس سے دور رہ کر اسے محض اپنی باتوں سے اتنا دہشت زدہ کردیا کہ وہ لب گور جا پہنچا۔ اس حالت میں وہ مر بھی جائے تو مجھے ذرہ برابر افسوس نہیں ہوگا۔"

"اب میں مطمئن ہوں۔ اچھا ہوا کہ مجھے تمہارے خیالات سے آگاہی حاصل ہوگئی ورنہ یہ خبر سن لینے کے بعد میں پریشان تھا۔"

مجبوری

اسمبلی کے ممبران کیفے ٹیریا میں بیٹھے باتیں کررہے تھے۔ ایک ممبر نے جیب سے ایک کاغذ نکالتے ہوئے کہا "خفیہ شادیوں کے بارے میں آج اسمبلی میں بل پیش کیا گیا ہے۔ اس کا کیا کرنا ہے؟"

"میرا خیال ہے ادائیگی تو کرنی ہی پڑے گی"

دوسرے ممبر نے کندھے اچکا کر جواب دیا۔

Downloaded from https://paksociety.com

"تم کو اندازہ ہوگیا تھا کہ وہ تمہارے ٹیلی فونک تشدد کا شکار ہوا ہے" جلال کی آواز ابھری۔

"اول خان کو شبہ تھا۔ تم نے ہر بات سیاق و سباق کے ساتھ بتا کر اس کے شبہات کی تصدیق کردی ہے۔"

"تو کیا اسے پوری رپورٹ نہیں مل سکی تھی؟" جلال نے قدرے حیرت سے پوچھا۔

"وہ لوگ پس منظر میں محتاط رہ کر کام کرتے ہیں اس لیے کبھی کبھی پیچھے رہ جاتے ہیں۔ اسے تفصیلات کا علم ہوگیا ہوتا تو اس کی بات شبے تک محدود نہ رہتی۔ وہ تمہاری طرح کھل کر میرے اوپر الزام عائد کردیتا۔"

جلال ہنس پڑا "میں نے تم پر کوئی الزام تراشی نہیں کی۔ تم چاہو تو میں تمہیں اس کارنامے پر باقاعدہ مبارک باد پیش کرسکتا ہوں۔"

"غنیمت ہے کہ تم نے باضابطہ کی جگہ باقاعدہ کا لفظ استعمال کیا ہے" میں نے برجستہ کہا "ورنہ میں اسے تمہاری سرکاری مبارک باد سمجھ سکتا تھا۔"

"سرکار کا نام بھی نہ لینا۔ میری سرکاری مجبوریوں سے تم اچھی طرح واقف ہو۔"

اس گفتگو میں ہم دونوں کے دلوں کا بوجھ ہلکا ہوگیا۔ معلومات کے تبادلے کے بعد گفتگو کا وہ سلسلہ منقطع ہوگیا۔

ہم دونوں گھر واپس پہنچے تو ویرا ڈرائنگ روم میں بساط بچھائے غزالہ کے ساتھ شطرنج کھیلنے میں مصروف تھی۔ سلطان شاہ نے اپنی چابی سے داخلی دروازے کا قفل اتنی خاموشی سے کھولا تھا کہ ان دونوں کو کانوں کان ہماری آمد کا علم نہیں ہوسکا تھا۔

"یا مظہر العجائب!" سلطان شاہ نے ان دونوں کے عقب میں پہنچ کر بلند آہنگ نعرہ لگایا اور وہ دونوں چونک کر اچھل پڑیں۔

"یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں۔ تم دونوں لڑاکا بلیوں کی طرح ایک دوسرے کو نوچنے کھسوٹنے کے بجائے ایسا امن پسندانہ کھیل، کھیل رہی ہو جو صبر اور تحمل کا سبق دیتا ہے" سلطان شاہ نے ان کے ردِعمل کی پروا کیے بغیر اپنی بات پوری کردی۔

سلطان شاہ کے چہرے پر نظر پڑتے ہی ویرا کا منہ بن گیا اور اس نے بھناکر بساط الٹ دی۔

"یہ کھلی بے ایمانی ہے" سلطان شاہ نے احتجاج کیا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ تم کو مات ہونے والی تھی۔"

"شہ پڑ رہی تھی" غزالہ نے اپنی جگہ چھوڑتے ہوئے مسکرا کر کہا "دو تین چالوں میں قصہ نمٹنے والا تھا۔"

"تم لوگوں کی شطرنج میری سمجھ میں نہیں آتی۔ میں یورپین اسٹائل کی عادی ہوں" ویرا نے مسکراتے ہوئے جواب دیا "یہ بتاؤ کہ اس وقت تم دونوں کہاں سے آرہے ہو، گھر سے بہت رازداری کے ساتھ روانہ ہوئے تھے۔ تین گھنٹوں میں کیا تیر مار کر آئے ہو؟"

"آپ کی جلال سے بات ہوگئی؟" کسی کے کچھ بولنے سے پہلے غزالہ نے سوال کر ڈالا "وہ آپ سے بات کرنے کے لیے بے چین تھا۔"

"اس سے بات ہوگئی۔" مجھ سے کیے ہوئے سوال کا جواب سلطان شاہ نے دیا پھر وہ ویرا سے مخاطب ہوگیا "ہم نے تیر نہیں مارا لیکن لیری کو اسپتال پہنچا آئے ہیں۔ امید ہے کہ وہ وہاں سے اوپر کا ٹکٹ کٹوالے گا۔" اس دوران میں ہم دونوں صوفوں پر بیٹھ چکے تھے۔

"تم لیری کے پیچھے گئے تھے!" ویرا نے مجھ سے پوچھا۔ اس کے چہرے سے تفکر آرہا تھا کہ سلطان شاہ کے انکشاف سے اسے ذہنی جھٹکا لگا تھا۔

"میں نے اسے فون کیا تھا۔ اس وقت مجھ سے زیادہ وہ ماجد یمنی سے خوف زدہ ہیں۔" میں نے سنجیدگی سے جواب دیا "میں نے فون پر اسے دھمکانے کے لیے یہی نام استعمال کیا تھا۔ اس اقدام کے خاطر خواہ نتائج برآمد ہوئے ہیں۔"

"یہ تو کہہ رہا ہے کہ لیری اسپتال پہنچ گیا۔" ویرا نے سلطان شاہ کی طرف اشارہ کرکے کہا۔

"درست کہہ رہا ہے۔ میں نے اسے ڈرا دھمکا کر فون بند کردیا۔ اسے اتنی مہلت بھی نہیں مل سکی کہ اپنے ہاتھ میں تھاما ہوا ریسیور کریڈل پر رکھ دیتا۔ اسے دل کا شدید دورہ پڑا اور وہ کوما کی حالت میں چلا گیا۔"

"اتنی سی دیر میں یہ سب ہوگیا اور تمہیں اپنے فون کا صحیح نتیجہ بھی معلوم ہوگیا؟" ویرا نے بے اعتباری سے پوچھا۔

"یہ خبر اسلام آباد تک پہنچ چکی ہے۔ جلال کے آدمی لیری کے ہوٹل بلکہ کمرے میں موجود ہیں۔"

"اس کو آپ موٹا کہہ رہے تھے تو وہ تنومند اور گراں ڈیل رہا ہوگا۔ وہ اس قدر کمزور دل کا آدمی ہے کہ آپ کی باتوں سے اسے ہارٹ اٹیک ہوگیا۔" غزالہ نے حیرت سے کہا۔

"وہ ڈینی کی ہولناک باتیں تھیں جن میں لیری کے لیے دردناک موت کا پیغام پنہاں تھا۔ تم وہ مختصر اور خون آشام باتیں سن لیتیں تو تمہارا بھی نروس بریک ڈاؤن ہوسکتا تھا۔" سلطان شاہ نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔

Downloaded from https://paksociety.com

باتوں کا سلسلہ چل نکلا۔ راستے میں مجھے بھی سلطان شاہ سے کھل کر بات کرنے کا موقع نہیں مل سکا تھا۔ وہ تینوں مجھ سے بہت کچھ پوچھنا چاہ رہے تھے۔ میں نے ان کے سامنے ہتھیار ڈال دیے اور ان کی جرح کا سامنا کرنے کے لیے تیار ہو گیا۔

ان کو بھی یہ جان کر خوشی ہوئی تھی کہ دشمن کی طرف سے صدر کی عمارت میں کیا جانے والا دھماکا اپنے نتائج کے اعتبار سے بری طرح ناکام رہا تھا۔ لیری کے پارٹ اٹیک کے اسباب پر جلال نے کافی روشنی ڈال دی تھی۔ اس بارے میں کوئی ابہام باقی نہیں رہا تھا مگر بم دھماکے کے بارے میں بہت سی باتیں تشنہ تھیں۔ میرا خیال تھا کہ اول خان اپنی مصروفیات سے نمٹ کر ہماری طرف آئے گا تو وہ گتھی بھی سلجھ جائے گی۔

"یہ نہ سمجھنا کہ تم لیری کے شکار پر نکل گئے تھے تو میں گھر میں ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھی ہوئی تھی یا صرف شطرنج کھیل رہی تھی۔" وہ طویل گفتگو ختم ہونے کے بعد ویرا نے چہکتے ہوئے کہا "میں تم سے کہہ چکی ہوں کہ بھارتی قونصل خانے کا انفارمیشن آفیسر میرا شکار ہوگا۔ کوئی اسے ہاتھ نہیں لگائے گا۔"

"کیا تم یہاں بیٹھ کر اس پر جادو ٹونے آزما رہی تھیں!" سلطان شاہ نے استہزائیہ انداز میں پوچھا۔

"تلخ کلامی کر کے فضا کو مکدر کرنے کی کوشش مت کرو۔" ویرا نے ناصحانہ لہجے میں کہا "میں پورے خلوص دل سے لیری کی موت کے لیے دعا گو ہوں۔ تم چوپڑا کے وصال کی دعا کرتے رہو۔ میں اسے زیادہ دیر تک جہنم سے دور نہیں رہنے دوں گی۔"

"کیا کوئی طلسماتی کرسٹل بال تمہارے قبضے میں آگیا ہے جس پر تم بیٹھے بیٹھے باہر کی خبریں لے رہی ہو۔" سلطان شاہ نے سوال کیا۔

"میں نے تمہیں باہر کی کوئی خبر نہیں سنائی۔ تم کو اپنے ارادے سے آگاہ کیا ہے۔"

"تھوڑی دیر پہلے تم نے خود کہا تھا کہ تم ہاتھ پر ہاتھ دھرے گھر میں نہیں بیٹھی ہوئی تھیں۔"

"میں نے ٹھیک کہا تھا۔ اس کا اصل نام بدھو لعل چوپڑا ہے۔ اسے بڑوں کا رکھا ہوا نام پسند نہیں ہے اس لیے وہ اب بی ایل چوپڑا بن گیا ہے اور اپنی بیوی کے ساتھ کراچی میں مقیم ہے۔" ویرا نے چوپڑا کے بارے میں اپنی معلومات کا انکشاف کر کے ہم تینوں کو چونکا دیا۔

"تم نے گھر سے باہر قدم نہیں نکالا پھر یہ باتیں تمہیں کہاں سے معلوم ہو گئیں!" غزالہ نے حیرت سے پوچھا۔

"کرسٹل بال۔" وہ آنکھ مار کر مسکرائی "سلطان شاہ پہلے ہی بتا چکا ہے۔"

غزالہ کے بیان کی روشنی میں یہ بات واضح تھی کہ ویرا ان معلومات کے حصول کے لیے گھر سے باہر نہیں نکلی تھی۔ اس نے یقینی طور پر فون استعمال کیا تھا۔ ایک مدت سے اس کے محدود رابطے ہماری نظروں میں تھے۔ ان میں کوئی ایسا باخبر نہیں تھا جو اسے بدھو لعل والی بات بتا دیتا۔ ہم نے اس پر ہر حربہ آزما لیا لیکن ویرا اپنی معلومات کے حصول کا ذریعہ ظاہر کرنے پر رضامند نہیں ہوئی۔

"میرے اوپر جمود طاری ہونے لگا تھا۔" ہمارے بہت زیادہ اصرار پر اس نے سنجیدگی سے کہا "اب میں نے اپنے خول سے باہر آنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ میں تم لوگوں کو اندھیرے میں رکھ کر کچھ کر گزروں اور اس کے نتیجے میں ماری جاؤں تو مجھے معاف کر دینا۔"

"اور نہ ماری گئیں تو کیا ہوگا؟" سلطان شاہ نے خفگی سے کہا۔

"میری کامیابی تمہارے لیے بھی خوشی کا باعث ہوگی۔" اس نے برجستہ جواب دیا۔

"تم الگ راہ کا انتخاب کر کے غلطی کر رہی ہو۔" میں نے اسے سمجھانا چاہا "ابھی تک ہم ایک ساتھ چلتے آرہے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ اپنی حد سے بڑھی ہوئی خود اعتمادی کی رو میں تم کسی غلط یا بالکل مخالف سمت میں چل پڑو۔"

"چوپڑا میرا پہلا تجربہ ہوگا۔ میں ناکام ہو گئی تو پھر پرانی راہ پر لوٹ آؤں گی۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"میں سمجھ نہیں سکا کہ چوپڑا کے بارے میں تم کیا اور کیسا تجربہ کرنے کا ارادہ رکھتی ہو۔" میں نے الجھے ہوئے انداز میں اپنی تشویش ظاہر کی۔

"بہت جلد کچھ نہ کچھ سامنے آجائے گا۔ میں تمہیں اپنی کوششوں کے نتائج سے آگاہ کرتی رہوں گی۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ تمہارا کسی پرانے آدمی سے رابطہ ہو گیا ہے۔" میں نے پر خیال انداز میں کہا۔

وہ بے ساختہ ہنس پڑی اور بولی "کسی کسی وقت تم سے بات کرتے ہوئے بھی خوف آتا ہے۔ تمہارے اندازے بہت خطرناک ہوتے ہیں۔"

میں نے مزید کچھ نہیں کہا' خاموشی اختیار کر لی۔ میرا مزید اصرار ویرا کو ضد اور ہٹ دھرمی کی طرف مائل کر سکتا

Downloaded from https://paksociety.com

تھا۔

دوپہر کو اول خان تھکا ہارا آیا اور آتے ہی نڈھال ہو کر صوفے پر گر گیا۔

"آج چولیں ہل کر رہ گئیں۔" وہ تھکی ہوئی آواز میں بولا "آج سمجھ میں آیا کہ شاہ سے زیادہ شاہ کا وفادار کس کو کہتے ہیں۔ ہر زبان پر ایک ہی سوال ہے کہ لیری جیسے ہٹے کٹے اور جان دار مسٹنڈے کو اچانک دل کا دورہ کیسے پڑ گیا۔"

"وہ زمانے ہوا ہوئے جب ادھیڑ عمری اور بڑھاپے کے سبب دل کے دورے پڑتے تھے۔" ویرا نے جھٹ جواب دیا "اب تو دھان پان اور نوجوان عمر کے لوگوں کو دل کے دورے پڑتے ہیں۔ ہارٹ اٹیک کا کوئی وقت ہوتا ہے اور نہ معیار۔ کوئی بھی کسی وقت اس کی زد میں آسکتا ہے۔"

"یہاں سے امریکا تک رابطے ہو رہے ہیں تاکہ یہ پتا چلایا جاسکے کہ دورہ پڑنے سے پہلے وہ فون پر کس سے بات کر رہا تھا۔۔۔۔"

"احمقانہ بات ہے۔" میں نے ترشی سے کہا "وہ باہر کی کال ہوتی تو آپریٹر پہلے ہی بتا دیتی۔ لوکل کال کا سراغ ملنا ناممکن ہے۔" میری بات سو فیصد درست تھی کیونکہ اس زمانے میں فون پر سی ایل آئی کا تصور رائج نہیں ہوا تھا۔

"سب سے زیادہ امریکی افسران بولائے ہوئے ہیں۔ یہ موٹی سی بات ان کی سمجھ میں نہیں آرہی۔"

"یہ خدا کا قہر ہے جو ان پر نازل ہوا ہے۔ انہوں نے ایران سے اپنے قیدی چھڑانے کے لیے خوف ناک کمانڈو مشن بھیجا تھا۔ صحرا میں ان کی گاڑیوں میں تصادم ہو گیا۔ تیز ہواؤں کے سبب دیو ہیکل ہیلی کاپٹر فضا میں ٹکرا کر تنکوں کی طرح پاش پاش ہو گئے۔ وہ بھی قدرت کی سزا تھی۔ امریکی جب زمین پر بسنے والے انسانوں کو اپنے زعم میں کیڑے مکوڑوں سے زیادہ حقیر سمجھنے لگتے ہیں تو قدرت انہیں ایسے تھپڑ لگاتی ہے مگر ان کی عقلیں طاقت کے نشے سے ماؤف ہیں۔ یہ آج تک اس غیبی سبق کو سمجھنے میں کامیاب نہیں ہو سکے۔" سلطان شاہ نے ایک ہی سانس میں اپنے دل کی ساری بھڑاس نکال لی۔

"تمہاری باتیں عبرت آموز ہیں۔" اول خان نے سر ہلاتے ہوئے کہا "یہ ضروری نہیں تھا کہ لیری کو دل کا دورہ پڑ جاتا۔ وہ جان کنی کے طویل عذاب سے گزر کر تھوڑی دیر پہلے ٹھنڈا ہو گیا۔ ہمارے ڈاکٹروں نے اسے دیکھتے ہی بتا دیا کہ اس کا بچنا محال ہے۔"

"میری دعا قبول ہو گئی۔" ویرا نے خوش ہو کر کہا "اب تم سب میرے شکار کے لیے بد دعا کرتے رہو۔"

"تمہارا شکار کون ہے؟" اول خان نے چونک کر پوچھا۔

"خرافات پر دھیان نہ دو۔ میں نے وہ بات وہیں اڑا دی۔ جو نظر میں آجائے وہی شکار ہو جاتا ہے۔ یہ بتاؤ کہ اب لیری کی لاش کہاں ہے۔"

"وہ حادثاتی دورے کا شکار ہوا ہے۔ اس کا پوسٹ مارٹم ضروری ہے لیکن امریکی اہل کار زبردستی اس کی لاش اسپتال سے لے گئے۔ وہ بحرین کے امریکی اسپتال میں لیری کی لاش کا پوسٹ مارٹم کریں گے تاکہ اس کی موت کے صحیح اسباب کا تعین کیا جاسکے۔" اول خان نے بتایا۔

"صحیح اسباب کیا ہوں گے۔ اسے زہر دیا گیا نہ قتل کیا گیا۔" ویرا نے شانے اچکا کے کہا "وہ اسٹروک کا شکار ہوا ہے۔"

"امریکی بہت زیادہ خوف زدہ ہیں۔ ان کے لاشعور میں کہیں نہ کہیں یہ خوف جاگزیں ہے کہ لیری کی موت میں ڈینی یا ماجد یمنی کا ہاتھ ہے۔" اول خان نے اپنے اس مشاہدے سے محظوظ ہوتے ہوئے تمسخرانہ انداز میں بتایا۔

"ان کا یہ خوف بے بنیاد نہیں ہے۔" سلطان شاہ نے کہا "یہ قدرت کا دستِ انتقام تھا جس نے لیری کی گردن دبوچی لیکن اس کی اصل بنیاد ڈینی کے فون نے ڈالی۔ یہ فون نہ کرتا تو شاید لیری اس وقت بھی زندہ ہوتا۔"

"اس کی مختصر سی کہانی ختم ہو گئی۔" میں نے گفتگو میں دخل اندازی کی "وہ آیا' ہم سے ملا اور مر گیا۔ اب بم دھماکے کے بارے میں کچھ بتاؤ۔"

"ٹائم بم واٹر پمپ کے ساتھ کل رات سے موجود تھا۔" اول خان نے ایک گہرا سانس لے کر بتایا "اس وقت تک ہم اپنے ٹھکانوں پر تھے۔ ہم نے چندن گرنانی کے فلیٹ کا رخ نہیں کیا تھا۔ اس وجہ سے ان دونوں واقعات کو ایک دوسرے سے نہیں جوڑا جاسکتا۔"

"یہ کیسے پتا چلا کہ ٹائم بم وہاں گزشتہ رات سے نصب تھا۔" میں نے پوچھا۔

"اس کے لیے فلیٹوں کی زندگی کے بارے میں جاننا ضروری ہے۔ پمپ کی دیکھ بھال اور زیرِ زمین ٹینک سے پانی اوپر چڑھانے کی ذمے داری کسی ایک مکین کی ہوتی ہے۔ اس شخص نے بتایا کہ پچھلی شام پمپ کی مرمت کا کچھ کام ہوا تھا۔ اس نے رات کو پمپ چلایا تو وہاں لکڑی کا ایک گندا ڈبا رکھا ہوا تھا۔ وہ سمجھا کہ مستری کچھ بھول گیا ہے۔ اس نے ڈبے کو نہیں چھیڑا۔ وہ دیکھنے میں بے وقعت نظر آرہا تھا۔ بم ڈسپوزل

Downloaded from https://paksociety.com

ا ڈ والوں کو ٹا ٹمنگ ڈیوائس کے ٹکڑے اسی چوبی ڈبے یا نیات سے لگے ہوئے ملے ہیں۔ کسی نے پچھلی رات کو ع ٹیمت جان کر وہ بارودی ڈبا وہاں رکھ دیا۔"

"بظاہر یہ دیوانگی معلوم ہوتی ہے۔ اس دھماکے کے کوئی مقصد کارفرما ہوتا تو دھماکا تباہ کن اور مہلک ہوتا "غزالہ بولی مگر سلطان شاہ نے اس کی بات کاٹ دی۔

"ہمارے ضمیر کے اطمینان کے لیے اتنا کافی ہے کہ ہم دھماکے اور چندن کے انجام میں کوئی تعلق نہیں ہے۔" ں نے کہا "ہو سکتا ہے کہ دہشت گردوں سے جگہ کے اب میں غلطی ہو گئی ہو یا پھر وہ اپنے مطلوبہ مقام تک پہنچنے ناکام رہے تو انہوں نے واپس نہ لے جانے کے بجائے ہ کہیں نہ کہیں استعمال کر ڈالا۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" اول خان نے اس کی تائید کی ہونا تھا' وہ ہو گیا۔ اب لکیر کو پیٹنا بے سود ہے۔"

"تم نے ابھی تک عبداللہ کے قاتل کے بارے میں کوئی یں سنائی۔" ویرا کو اچانک بھولی ہوئی بات یاد آ گئی۔

عبداللہ جو اپنے مشن کی انجام دہی کے لیے دشمن کی ن پر ولی رام بنا ہوا تھا' ناگہانی بھارتی درندوں کی گرفت آ گیا تھا۔ وہ انٹیلی جنس بیورو کا ایک ہونہار کارکن تھا۔ نے دہلی میں میری بہت مدد کی تھی۔ جلال بھی دہلی میں کام ے والے تینوں آدمیوں کی دل و جان سے قدر کرتا تھا۔ اللہ کے پکڑے جانے کی خبر نے اسے دل گرفتہ کر دیا تھا۔ س یہ خبر آئی کہ را والوں نے عبداللہ پر بہیمانہ تشدد کے ے ریکارڈ توڑ دیے۔ ان کے دو نو نامی درندے نے للہ کو ایسی مار ماری کہ اس بے چارے کے دونوں گردوں خون رواں ہو گیا۔ زخمی گردوں کے ساتھ عبداللہ زیادہ ت زندہ نہ رہ سکا اور بھارتیوں کی قید میں خالقِ حقیقی سے ا۔

اس کی موت کی خبر ملنے کے بعد جلال نے عہد کیا تھا کہ للہ کا قاتل جس وقت بھی پاکستان آیا' وہ اس سے عبداللہ خون کا بدلہ ضرور لے گا۔ اس کی اطلاعات کے مطابق کو جلد ہی پاکستان آنا تھا۔ بعد میں اول خان نے بھی یقین لائی تھی کہ پاکستان میں دو نود کا تبادلہ ہوتے ہی وہ ہم کو مطلع کر دے گا۔ واقعات کے ہماؤ میں وہ بات سب نوں سے نکل گئی مگر ویرا و نود کو نہیں بھولی تھی۔

"شاید اس کی شامت اسے یہاں لا رہی ہے۔" اول نے جواب دیا "تم کو صحیح وقت پر اس کا خیال آیا ہے۔ وہ دہلی سے اسلام آباد پہنچے گا۔ دیکھنا ہے کہ سفارت خانہ اسے کہاں تعینات کرتا ہے۔"

"دراصل ویرا نے ہم لوگوں سے الگ ہو کر بھارتیوں سے ٹکرانے کا فیصلہ کیا ہے۔" سلطان شاہ میرے گھورنے کے باوجود بولنے سے باز نہیں آیا۔ "پہلے یہ بدھو سے نمٹنے گی پھر شاید و نود کی باری آئے گی۔"

"یہ میں کیا سن رہا ہوں؟" اول خان نے ویرا پر آنکھیں نکالیں "اور یہ بدھو کون ہے؟"

"اس کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔" ویرا خفت آمیز ہنسی کے ساتھ بولی "بدھو لعل' چوپڑا کا اصل نام ہے۔ میری خواہش ہے کہ میں اکیلی اس کا کام تمام کروں۔ میں تم لوگوں سے الگ ہونے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتی۔ پاکستان میں تم لوگ ہی میرے دوست اور رشتے دار ہو۔"

اول خان عام طور پر میری ہر بات کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا کرتا تھا لیکن ہمارے گروپ میں اپنی عمر کی وجہ سے اسے ایک خصوصی درجہ حاصل تھا۔ وہ بوڑھا نہیں تھا مگر پھر بھی ہم سب کسی بزرگ کی طرح اس کا احترام کیا کرتے تھے۔

میری دانست میں سلطان شاہ نے بہت بھونڈے انداز میں اس کے سامنے ویرا کی شکایت پیش کی تھی۔ ویرا کا ندامت آمیز رویہ دیکھ کر مجھے خیال آیا کہ لوہا گرم تھا۔ اس پر اسی وقت چوٹ پڑنی ضروری تھی۔ وہ لمحات ہاتھ سے نکل جاتے تو کسی دلیل سے ویرا کو سمجھانا محال تھا۔

"ہم لوگوں نے تم کو کبھی نہیں روکا۔" میں نے سر جھکا کر کہا "دہلی میں تم نے بہت کچھ کیا۔ یہاں بھی تمہارے کارنامے کم نہیں ہیں پھر تم چوپڑا کو سب سے الگ تھلگ کیوں کرنا چاہ رہی ہو۔ وہ ہمارا مشترکہ دشمن ہے۔ سب مل کر اسے گھیریں گے۔ مارنے کا وقت آیا تو تلوار تمہارے ہاتھ میں ہو گی۔"

"لیری بھی ہم سب کا مشترکہ حریف تھا لیکن تم نے مجھے اعتماد میں لیے بغیر' خاموشی سے اسے مار دیا۔"

اول خان کو شبہ ہو چکا تھا کہ دال میں کچھ کالا ضرور ہے۔ ویرا کا جواب سنتے ہی وہ مسئلے کی جڑ تک پہنچ گیا اور ڈرائنگ روم کی فضا اس کے ہلکے سے ناصحانہ قہقہے سے گونج اٹھی "یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟ اسے کسی نے نہیں مارا۔ ڈینی نے اسے صرف فون کیا تھا۔ وہ تو اپنی موت آپ مرا ہے۔"

"فون کرنے کے لیے یہ دونوں مجھے بھی اپنے ساتھ لے جا سکتے تھے۔" ویرا نے شکوہ کیا۔

"نہیں ویرا' تمہاری شکایت میں کچھ مزہ نہیں آیا۔" اول خان نے اپنے سر کو نفی میں جنبش دیتے ہوئے کہا "یہ تم

Downloaded from https://paksociety.com

کو بھی لے جاتے تو غزالہ کے پاس کون رہتا۔ آج کل کے مخدوش حالات میں کسی کو بھی گھر میں اکیلا نہیں چھوڑا جاسکتا۔ کسی کھلے مقام پر پبلک بوتھ پر ایک سے دو سرا آدمی تو چل جاتا ہے' چار کی بھیڑ ہر ایک کی نگاہوں کا مرکز بن جاتی۔ اگر تم نے اتنی سی بات کو اپنے دل میں جگہ دے دی ہے تو یہ تمہاری غلطی ہے۔"

"تم عمر میں ہم سب سے بڑے ہو۔ میں روانی میں کبھی کبھی کوئی غلط بات کہہ جاتی ہوں لیکن دل سے تمہاری عزت کرتی ہوں۔" اول خان کی موزوں ملامت پر ویرا کا لب ولہجہ مزید نرم بلکہ مدافعانہ ہوگیا "تم سچ سچ بتاؤ کہ اس بارے میں مجھے سرے سے اعتماد میں نہ لینے کا کیا جواز تھا۔"

اول خان کی گمبھیر اور مستفسرانہ نگاہیں میرے چہرے پر مرکوز ہوگئیں۔

"اس میں میری کسی بدنیتی کا دخل نہیں تھا۔" میں نے وہ معاملہ وہیں رفع دفع کرنے کے لیے کھلے جھوٹ کا سہارا لیا "میرے لیے وہ معمولی سی بات تھی۔ واپسی پر میں ویرا کو سب کچھ بتا دیتا۔ ہمیشہ سے یہی ہوتا آیا ہے۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ میری فون کال لیری کے لیے مہلک ثابت ہوگی۔"

"ایمانداری کی بات ہے کہ مجھے خود بھی اندازہ نہیں تھا کہ ڈینی کی کال کے نتیجے میں لیری جہنم کے سفر پر روانہ ہوجائے گا۔" اول خان نے کہا۔

"اوہ... تو تمہیں معلوم تھا کہ ڈینی اسے فون کرے گا؟" ویرا نے حیرت سے بے ساختہ کہا۔

"مجبوری تھی۔" اول خان سے پہلے مجھے بولنا پڑ گیا "جس وقت میں نے لیری کو فون کیا' اول خان کے دو آدمی فرضی نمبر پلیٹ والی گاڑی میں اس کے ہوٹل کے باہر موجود تھے۔ ہمارا منصوبہ یہ تھا کہ وہ فون پر ہونے والی باتوں سے ڈر کر ہوٹل سے بھاگے تو اول خان کے آدمی خاموش تعاقب کرکے اسے مزید ڈرائیں تاکہ وہ بھی جان کی طرح' پہلی فرصت میں کراچی سے بھاگ جائے۔ اس کی بدقسمتی سے تعاقب کی نوبت ہی نہیں آئی تھی۔ وہ اسپتال پہنچ گیا۔"

"اور وہاں سے عالم بالا کی طرف روانہ ہوگیا۔" سلطان شاہ نے ٹکڑا لگایا "تم بلاوجہ اسے دل میں لیے بیٹھی ہو۔"

"میں کیوں اسے اپنے دل میں لیے بیٹھوں۔" ویرا نے تنک کر کہا "میرے حساب سے تو وہ آسان موت مرگیا۔ اس کا انجام چندن سے برا ہونا چاہیے تھا۔"

"آئندہ خیال رکھیں گے۔ اب تم یہ بتاؤ کہ تمہیں چوہڑا جی کا اصل نام کس نے بتایا؟" میں نے اول خان کی موجودگی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے پوچھا۔

"ارے ہاں' یہ بات تو میں بھی بھول گیا۔" اول خان چونک کر بولا "بدھو لعل بڑا انوکھا نام ہے۔"

"پرانے زمانے میں ناموں میں زیادہ بکھیڑا نہیں ہوا کرتا تھا جو بچہ جیسا نظر آتا' اس کا ویسا ہی نام رکھ دیا جاتا۔ بدھو لعل' محمد شریف' گلاب خان' منگل سنگھ وغیرہ وغیرہ۔" ویرا سے جھگڑا نمٹ جانے پر سلطان شاہ یکایک اچھے موڈ میں آگیا تھا۔

"یہ بات اور ہے کہ ہوش سنبھالنے کے بعد ایسے بچے اپنے ناموں کے مخفف اختیار کرلیتے ہیں۔" غزالہ نے ہنس کر تبصرہ کیا۔

"یہ باتیں بعد میں ہوتی رہیں گی۔" اول خان نے ان دونوں کی فہمائش کی "اس وقت ڈینی کا ایک سوال باقی رہ گیا۔ کیوں بھئی ویرا! بدھو لعل کا انکشاف کس نے کیا تھا؟"

فضا کچھ ایسی سازگار ہوچکی تھی کہ ویرا' اول خان کی بات ٹال نہ سکی اور پھیکی ہنسی کے ساتھ بولی "مجھے اپنے کپڑوں کی صفائی کرتے ہوئے پرانی ڈائری کا ایک بوسیدہ ورق مل گیا تھا جس پر شی کے نمک خواروں کے کئی نام اور فون نمبر لکھے ہوئے تھے۔ ان ہی میں سے ایک جوشی نام کا ہندو بدمعاش تھا۔ یہ اتفاق ہے کہ ایک لمبی مدت گزر جانے کے باوجود وہ آج بھی پرانے ٹھکانے پر رہ رہا ہے اور اس کا فون نمبر بھی تبدیل نہیں ہوا۔"

"تو کیا تم نے براہ راست اسی سے پہلا رابطہ کیا تھا؟" غزالہ نے حیرت سے پوچھا۔

"یہ آج کی نہیں' دہلی جانے سے پہلے کی بات ہے۔" ویرا نے بتایا "میں نے باری باری ہر نمبر آزمایا تھا۔ کہیں سے کوئی جواب نہیں ملا۔ بس جوشی سے بات ہوئی تھی۔ میں نے اس سے بلیک کوین کی حیثیت سے بات کی تھی اور یہ جان کر میرا سینہ فخر سے پھول گیا کہ جوشی پہلے کی طرح میرا وفادار اور خادم تھا۔ میں نے اس کے مالی حالات کریدے تو اس نے اپنے بھگوان کا شکر ادا کیا کہ شی کے برے دنوں کا آغاز ہونے سے پہلے اس نے ہیروئن کی آمدنی سے اولڈ کراچی میں ایک پرانی جائداد خریدلی تھی جس کا کرایہ اس کی گزر اوقات کے لیے بہت کافی تھا۔ اسے میری مدد کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ وہ میرے ہر کام کے لیے دل وجان سے تیار تھا۔"

ویرا کی زبان سے جوشی کی کہانی سن کر ہم سب حیران رہ گئے۔ جرائم کی زیر زمین دنیا میں ایسا شاذونادر ہی ہوتا ہے کہ کسی نامی گرامی بدمعاش پر برا وقت آجانے کے باوجود اس کا

Downloaded from https://paksociety.com

کوئی پرانا ساتھی اس سے وفاداری کا دم بھرتا رہے۔ وقت بدلنے کے بعد ہر بد معاش اپنے ہڑوں سے آنکھیں پھیر لیتا ہے۔ موقع ملے تو اپنے سابق باس کے مدِمقابل آنے سے بھی نہیں چوکتا۔

اس کی بے مثال وفاداری میرے لیے سبق آموز ہے۔

اول خان پر اس کہانی نے گہرا اثر ڈالا تھا۔ "اس نے تمہیں چوپڑا کے بارے میں کیا بتایا؟"

"ڈینی کے چلے جانے کے بعد غزالہ کچن میں مصروف ہوگئی تو میں نے آج اسے دوبارہ فون کیا تھا۔" ویرا بتانے لگی "میرا خیال تھا کہ وہ مطلوبہ معلومات فراہم کرنے کے لیے چند روز کی مہلت مانگے گا مگر وہ چوپڑا کا نام سنتے ہی سب کچھ بتاتا چلا گیا۔"

"ایک پرانے ہیروئن فروش کا بھارتی سفارت کار سے کیا تعلق ہوسکتا ہے!" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"مجھے بھی حیرت ہوئی مگر جوشی کے جواب نے مجھے مطمئن کردیا۔" ویرا بولی "اس نے ہیروئن کے پیسے سے جہاں جائداد بنائی وہاں مذہب میں بھی سرمایہ کاری کی تھی۔ اس نے ایک مندر کی مرمت اور آرائش میں دل کھول کر پیسا لگایا تھا۔ چوپڑا بھارتی نہیں بلکہ پاکستانی ہندو ہے اور بھارتی قونصل خانے کا بہت پرانا ملازم ہے۔ وہ کلرک کے عہدے سے ترقی کرکے آج افسر بنا ہوا ہے۔ وہ شروع سے بہت سرگرم سماجی کارکن رہا ہے۔ وہ اس مندر کی کمیٹی کا عہدے دار تھا جہاں جوشی نے پیسا لگایا تھا۔ یوں ان دونوں میں بہت پرانی دوستی ہے۔"

"چوپڑا تو کہانی در کہانی ثابت ہورہا ہے۔ اس کا خاندان کہاں رہتا ہے۔" اول خان نے سوال کیا۔

"اندرون سندھ کہیں کے رہنے والے لوگ ہیں۔ کراچی میں وہ اکیلا رہتا ہے۔"

"تم تو کہہ رہی تھیں کہ وہ اپنی بیوی کے ساتھ رہتا ہے۔" سلطان شاہ نے اسے یاد دلایا۔

"ایک خوب صورت عورت اس کے ساتھ رہتی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اس نے ہاؤس میڈ رکھی ہوئی ہے۔ ان کے رہن سہن سے لوگوں کو شبہ ہے کہ وہ آپس میں شادی کرچکے ہیں۔ آپس کی جنگوں میں جب بھی سفارت خانہ بند ہوا ہے، چوپڑا کبھی بھارت نہیں گیا۔ کراچی میں اپنے سوشل ورک میں لگا رہا یا اس عورت کی ناز برداریاں کرتا رہا۔"

سب کچھ ایک دوسرے میں گڈمڈ تھا۔ یہ چلن ہر مذہب میں عام ہے کہ لوگ رشوت، چوری اور بلیک میں کمائی ہوئی رقم سے اپنے اپنے خدا کو خوش کرنے کے لیے عبادت گاہوں میں سرمایہ کاری کرتے ہیں۔ ویرا کے پرانے نمک خوار نے ہیروئن کی کمائی سے مندر کو سجا اور سنوار کر اپنی عاقبت سدھارنے کی کوشش کی تھی اور اسی کے صلے میں اسے بدھو لعل چوپڑا جی سے خاص قرب حاصل ہوا تھا جو برسوں بعد ہمارے کام آنے والا تھا۔

مجھے یہ اعتراف کرنے میں کوئی عار نہیں کہ اس ملک کے بیشتر پڑھے لکھے نوجوانوں کی طرح، ابتدا میں میرا مستقبل بھی تاریک تھا۔ خانہ بدوشی، بھوک اور بے روزگاری کے ہولناک طوفان میں کہیں روشنی کی کوئی کرن نظر نہیں آتی تھی اور پھر میں یکایک شی کی بڑوں کی نگاہوں میں آگیا اور یوں ہیروئن کی سوداگری کے طفیل میری خوش حالی کا سورج تیزی کے ساتھ طلوع ہوتا چلا گیا۔ اگر اس مرحلے پر مجھے شی کے روزگار کا سہارا نہ ملا ہوتا تو کچھ نہیں کہا جاسکتا تھا کہ میں کہاں اور کیا ہوتا۔

یہ سراسر قسمتی کی بات تھی کہ علم و ہنر کا کوئی پرسان حال نہیں تھا، ہاں عیب کے بہت سے خریدار، بھری جیبوں کے ساتھ بازار میں گھوم رہے تھے۔

میرے کانوں میں کافی دنوں بعد ہیروئن کے الفاظ گونجے تھے۔ آخری مرحلہ اس وقت پیش آیا تھا جب میں نے این جی او کی آڑ میں ہیروئن کی تجارت کرنے والی ایک موٹی اسامی کو پکڑوایا تھا اور وہ شخص اتفاق سے جہانگیر کا سسرالی بزرگ ثابت ہوا تھا۔

ڈینی، جہانگیر، داؤد اور نادر۔ وہ شی کے عروج کے دنوں کے بڑے نام تھے جن کے ڈنکے ہر خفیہ بازار میں بجتے تھے۔ میں ان تینوں کا خفیہ مقامی سربراہ تھا اور مجھے اپنے اہم کارندوں کے بارے میں پوری خبریں دستیاب ہوتی تھیں۔ اس وقت میں نے ویرا سے گفتگو کے دوران میں اپنے ذہن پر بہت زور ڈالا لیکن جوشی کا نام کھوجنے میں ناکام رہا۔

ویرا نے شاید میرے بشرے سے میری الجھن بھانپ لی اور مسکراتے ہوئے بولی "بلاوجہ اپنے ذہن پر زور نہ دو۔ کھوپڑی چٹخ جائے گی۔ جوشی کو میں نے اس وقت دریافت کیا تھا جب تم شی سے منحرف ہوچکے تھے اور میں تمہارے خون کی بو پر لگی ہوئی تھی۔"

ویرا کے انکشاف پر میرا ذہنی تناؤ اچانک دور ہوگیا اور میں نے مسکراتے ہوئے کہا "میں اسی الجھن میں تھا کہ جوشی کا نام میرے لیے اجنبی کیوں ہے۔"

"ابھی تک تم نے چوپڑا کے بارے میں بہت کم باتیں

Downloaded from https://paksociety.com

ئی ہیں۔۔۔" سلطان شاہ نے کچھ کہنا چاہا لیکن ویرا نے اس
ں بات اڑا دی۔
"مجھے جو کچھ معلوم تھا' میں نے بتا دیا۔ اس کے گھر کا پتا
ہ گیا ہے۔ کہو تو وہ بھی بتا دوں' چوپڑا آرام باغ کے سامنے رہتا
ہے۔"
"میری سمجھ میں ایک بات نہیں آئی۔" سلطان شاہ نے
وچتے ہوئے کہا "ہم امریکیوں سے کھلا تصادم مول لینے سے
ی رہے ہیں لیکن بھارتیوں کے معاملے میں ایسی کوئی مجبوری
ں نہیں ہے پھر چندن کے قتل کو رقابت کا شاخسانہ قرار
ینے میں کیا عقل مندی پوشیدہ ہے۔"
"اس سے پولیس کا کام آسان ہو جائے گا۔ ہماری
زادیاں متاثر نہیں ہوں گی۔" میں نے جواب دیا "یہ
طرات نہ ہوتے تو ہمیں اس کی ران کٹوانے کی ضرورت
یں تھی۔ گھٹنے پر بیم گن کے زخم کے ساتھ اس کی لاش
یک دیتے۔ ساری دنیا کو معلوم ہو جاتا کہ اسے ڈیبی نے مارا
ہے۔ یہ نکتہ تمہیں اس وقت کیوں یاد آیا؟"
"ہم یہاں بیٹھے چوپڑا کے خلاف منصوبہ بندی کر رہے
ں۔ ایک دو روز میں اس کی گردن کا منکا بھی توڑ دیا جائے
ا۔ اس کی موت کا سبب کیا ہو گا؟" اس نے پوچھا۔
"یہ سب ظاہری باتیں ہیں۔ بھارتی مرکز بھی اس کہانی
یقین نہیں کریں گے کہ چندن کو اس کے کسی رقیب نے مارا
ہے۔ انہیں اندازہ ہو گیا ہو گا کہ وہ کیوں مارا گیا ہے اور کچھ
یا نہ ہو' وہ یہ بات جانتے ہیں کہ مظہر کو چندن کے رابطوں کا
ا تھا۔ مظہر نے چندن کو ایک فیکس بھیجا مگر اپنی روپوشی ختم
یں کی۔ وہ سمجھ چکے ہوں گے کہ چندن کو مظہر یا اس کے کسی
ی نے مارا ہے۔ ان کو پیغام مل چکا ہے۔"
"اور چوپڑا کی موت بھی اسی کھاتے میں جائے گی؟"
"یقیناً۔" میں نے پورے وثوق سے کہا "چندن اور
پڑا ایک ہی لائن کے آدمی ہیں۔ چوپڑا کی لاش ملنے کے بعد
ولی رہی سہی خوش گمانی بھی ختم ہو جائے گی۔"
"تم سے جوشی نے یہ ضرور جاننا چاہا ہو گا کہ تمہیں چوپڑا
ے کیا کام پڑ گیا۔" اول خان نے یکایک ایک نیا سوال کر
دیا۔
"یہ فطری سوال تھا۔ میں نے سرسری لہجے میں بتا دیا
جوشی کی طرح چوپڑا بھی میرا پرانا واقف کار ہے مگر بدقسمتی
میرے پاس اس کا کوئی نمبر یا پتا نہیں ہے۔ ایسے معمولی
لات کو سنبھالنا میرے لیے مشکل نہیں ہوتا۔"
"وہ زیر زمین دنیا کا پرانا آدمی ہے۔ اس کے وہ رابطے

ارشد ملک کا پہلا شعری مجموعہ
دل درد کا ٹکڑا ہے
مسافر تو بچھڑتے ہیں' رفاقت کب بدلتی ہے
محبت زندہ رہتی ہے' محبت کب بدلتی ہے
تمھی کو چاہتے ہیں ہم' تمھی سے پیار کرتے ہیں
یہی برسوں سے عادت ہے اور عادت کب بدلتی ہے
اسے چاہا' اسے پوجا' یہی توقیر ہے اپنی
ہمیں گمراہ مت سمجھو' عبادت کب بدلتی ہے
شائع ہو گیا ہے ❖ قیمت -/150
نواب سنز پبلی کیشنز اقبال روڈ' کمیٹی چوک راولپنڈی
Ph:5531610
ٹاکرٹ: اشرف بک ایجنسی کمیٹی چوک راولپنڈی

Downloaded from https://paksociety.com

اب بھی برقرار ہوں گے۔ کیا اسے یہ معلوم نہیں کہ بلیک کوئین کی گرفتاری میں مدد دینے والے کے لیے بہت بڑا انعام مقرر ہے۔" اس بار سلطان شاہ کو نیا سوال سوجھا تھا۔

"انعام ویرا الائیڈ کی گرفتاری پر ہے۔ امریکی اشتہاروں میں کہیں شی کی بلیک کوئین کا ذکر نہیں ہے کیونکہ شی امریکی صدر کے ذہن کی پیداوار تھی۔ یہ بات گنے چنے لوگوں کو معلوم ہے کہ میں بلیک کوئین بھی ہوا کرتی تھی۔ ہر کس وناکس کو اس راز کی خبر نہیں تھی۔"

"مگر یہاں بیٹھے ہوئے ہر فرد کو اس حقیقت کا علم ہے۔" غزالہ نے مسکراتے ہوئے شوشا چھوڑا۔

"اس کا سبب صرف ڈینی کی ذات ہے۔ اس نے میرے رازوں کو آشکار کرنے اور مجھے مروانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ دشمنی کے دور میں ہم ایک دوسرے کے بدترین دشمن تھے۔"

"اور آج تم دونوں کی دوستی قابل رشک ہے۔" اول خان نے سنجیدگی سے کہا "تم دونوں کے درمیان پائے جانے والے خلوص ومحبت کو دیکھ کر کوئی سوچ بھی نہیں سکتا کہ ماضی میں تم دونوں میں ایسی خون آشام دشمنی رہی ہوگی۔"

"خلوص کی بات ٹھیک ہے لیکن محبت کا لفظ یہاں مشکوک معلوم ہوتا ہے۔" سلطان شاہ نے پرتشویش لہجے میں اعتراض کیا "اگر ان دونوں کے درمیان کسی قسم کی محبت بھی پائی جاتی ہے تو اس سے میری موکلہ غزالہ کے حق کو زک پہنچتی ہے۔"

سلطان شاہ نے وہ اعتراض کچھ ایسے انداز میں کیا کہ سب بے ساختہ ہنسنے پر مجبور ہوگئے۔

"چندن اور چوہڑا کے بارے میں ابھی ڈینی نے جو کچھ کہا، میں اس کے ایک ایک لفظ سے متفق ہوں۔" چند ثانیوں بعد اول خان نے دوبارہ وہ موضوع چھیڑ دیا "ہم یہاں پیش آنے والے واقعات کو کتنا بھی کیموفلاج کریں، بھارتیوں کے لیے یہ سمجھنا مشکل نہیں ہوگا کہ ان کے اہم ترین آدمی کیوں مارے جارہے ہیں اور ان خون ریزیوں کے پیچھے کس کا ہاتھ کارفرما ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہم لوگ احتیاط کا دامن سرے سے چھوڑ دیں۔"

"میرا اصل سوال یہی تھا۔" سلطان شاہ نے زور دے کر کہا "تم نے یہ بات ذرا مختلف انداز میں کہی ہے۔"

"حتی الامکان احتیاط ہر صورت میں لازم ہے۔ ہم دیدہ دلیری سے کام لیں گے تو وہ اپنے ملک میں جوابی کارروائیاں شروع کردیں گے۔ ان کو ہر قسم کے بہانہ اقدامات کا کھلا جواز مل جائے گا۔ ہمیں اپنے ان سفارت کاروں کا خیال رکھنا ہوگا۔ جو ہر وقت بھارت میں رہ کر اپنے فرائض انجام دے رہے ہیں۔"

"بھارتی اس بارے میں ہمیشہ انتہا پسند ثابت ہوئے ہیں۔" ویرا نے اسے یاد دلایا "وہ اکثر کسی اشتعال انگیزی کے بغیر کسی نہ کسی پاکستانی سفارت کار کو اغوا اور تشدد کا نشانہ بناتے رہتے ہیں۔ آج تک ایسے واقعات کی روک تھام کے لیے کچھ نہیں کیا جاسکا۔"

"یہ سنگین بدقسمتی ہے۔" اول خان نے سر جھکا کر متاسفانہ انداز میں کہا "دنیا بھر میں سفارت کاروں کو ویانا کنونشن کے تحت بہت سے تحفظات حاصل ہیں۔ اس معاہدے کی رو سے میں یہ امکان نہیں ہے کہ سفارتی عملے کاروں کو ذرا بھی گزند پہنچے۔ اگر کوئی ملازم قانون شکنی کا مرتکب ہوتا ہے تو اس کے سدباب کے لیے ایک واضح طریقہ کار موجود ہے۔ شکایت ملنے پر متعلقہ ملک اپنے ملازم کے خلاف کارروائی کرنے کا پابند ہے۔ کسی ملک کو یہ اختیار حاصل نہیں ہے کہ وہ اپنے طور پر غیر ملکی سفارتی عملے کو ہراساں کرے یا تشدد کا نشانہ بنائے۔"

"میرا خیال ہے کہ تمہاری یہ باتیں یک طرفہ ہیں۔ ان اصولوں کا اطلاق ہم پر بھی ہوتا ہے۔" غزالہ نے نرمی سے اعتراض کیا۔

"ہم بڑی حد تک ان قوانین کا احترام کرتے ہیں۔" اول خان نے محتاط لہجے میں جواب دیا۔

"پھر چندن کو کیوں مار دیا گیا؟" غزالہ نے سوال کیا "ہمیں اس کی مذموم حرکتوں پر سخت احتجاج کرنا چاہیے تھا۔"

اول خان غزالہ کے اٹھائے ہوئے اس مضبوط نکتے پر بوکھلا گیا مگر میں نے سختی سے کہا "تم بلاوجہ بال کی کھال نکال رہی ہو۔ اس کا جرم ثابت تھا مگر ہمارے پاس اس کے خلاف بہت زیادہ ثبوت نہیں تھے۔ چندن کے گھر میں سنی کمار فون کی مسروقہ لائن کی موجودگی کو پاکستانیوں کی سازش قرار دے دیا جاتا کیونکہ ٹیلی فون کی لائنیں ڈالنے کا کام بہرحال پاکستانی ادارہ اور عملہ سرانجام دیتا ہے۔ اس کے کرتوت ہمارے سامنے تھے اور وہ پاکستانی تھا۔"

"اس سے پہلے بھارتی قومیت رکھنے والے سفارتی ملازم بھی ہماری توجہ کا نشانہ بنے ہیں۔" ویرا نے اعتراضی انداز میں کہا "بھارتیوں پر اعتراض کرتے ہوئے ہمیں اپنا دامن پر نظر ڈال لینی چاہیے۔"

Downloaded from https://paksociety.com

"سب سے پہلی اور بنیادی بات یہ ہے کہ ہم نے آج تک کسی بے گناہ بھارتی کو بلاوجہ پریشان نہیں کیا۔" میں نے دو ٹوک لہجے میں جواب دیا "صرف ان لوگوں کی سرکوبی کی ہے جو مصدقہ طور پر ہمارے قوانین کی دھجیاں اڑا رہے تھے۔ بھارتی حکام اندھے ہو کر بے گناہ پاکستانیوں اور بھارتی مسلمانوں کو مارتے اور ہراساں کرتے ہیں۔"

"یہ بہت الجھا ہوا مسئلہ ہے۔" ویرا نے کہا "مرنے والوں کے جرائم کے بارے میں ہم جانتے ہیں یا گنتی کے چند بھارتی حکام جانتے ہوں گے۔ بھارتی پریس میں ہر مرنے والے مجرم کو ہیرو بنا کر پیش کیا جاتا ہے۔"

"مجھے تمہاری اس بات سے مکمل اتفاق ہے۔ یہ مسئلہ بہت الجھا ہوا ہے۔" میں نے ویرا کی تائید کرتے ہوئے کہا "اس کا نچوڑ یہ ہے کہ ہمارا کام مکمل ترین احتیاط کے ساتھ جاری رہنا چاہیے۔ احتیاط اور رازداری کے ذریعے ہم کامیابی حاصل کرسکتے ہیں۔ جہاں ہم نے احتیاط کا دامن چھوڑا' ہمارے ہاتھ اپنے ہم وطنوں کے خون سے آلودہ ہوجائیں گے۔"

"وہ خون ہمارے نہیں بلکہ بھارتیوں کے ہاتھوں بہے گا۔" ویرا نے میری بات میں گرہ لگائی۔

دنیا بھر میں منظم جرائم کے خلاف ایک طوفان برپا ہے۔ شور مچایا جاتا ہے کہ بڑے بڑے گروہ بند اپنی طاقت اور سازشوں کے بل پر دنیا بھر میں ہر روز اربوں ڈالر لوٹ لیتے ہیں۔ اس خطیر رقم میں جہاں چوری' ڈکیتی' لوٹ مار' فراڈ اور دیگر جرائم کی بڑی رقمیں شامل ہوتی ہیں وہاں سب سے بڑا حصہ منشیات کی غیر قانونی تجارت کا ہوتا ہے۔ یہ رقم ہر روز دنیا بھر کے باسیوں کے قانونی حسابات سے منہا ہو کر زیر زمین دنیا میں گردش میں آجاتی ہے جہاں ان رقوم کا بڑا حصہ شراب و شباب اور جوئے کی پُرشکوہ محفلوں پر خرچ ہوتا ہے یا پھر اپنی طاقت میں مہیب اضافے کے لیے جدید ترین ہتھیاروں اور دیگر اصلاتی آلات کی خفیہ خریداریوں پر صرف ہوتا ہے۔

وہ جرائم عالمی ذرائع ابلاغ کی نظروں میں ہیں۔ ان کے بارے میں روزانہ اخبارات میں خبریں آتی رہتی ہیں لیکن جرائم کے سب سے بڑے عالمی نیٹ ورک کے بارے میں شاذ و نادر ہی کوئی خبر منظر عام پر آتی ہے۔ وہ سفارتی جرائم کا گروہ ہے جو دن رات فعال ہونے کے باوجود عام آدمی کی نگاہوں سے اوجھل ہے۔

یہ ایک طے شدہ عالمی حقیقت ہے کہ دنیا بھر کے خفیہ ادارے جہاں دوسرے راستے اختیار کرتے ہیں وہاں وہ اپنے ملک کے سفارتی کیڈر کو بھی استعمال کرنے کے عادی ہیں۔ اس رواج سے دنیا کا کوئی ملک مستثنیٰ نہیں ہے۔ سفارت کاروں کے بھیس میں چھپے ہوئے سیکرٹ ایجنٹ دوست اور دشمن کی تمیز کیے بغیر ہر ملک کی اہم اور خفیہ ترین دفاعی اور معاشی معلومات تک رسائی کے لیے کوشاں رہتے ہیں۔

کم و بیش ہر ملک کے حکمراں جانتے ہیں کہ سفارتی مراعات کی آڑ میں ان کے ملک میں دندنانے والے سیکرٹ ایجنٹ کون ہیں اور اپنے ملک کی طرف سے کیا اہداف لے کر وارد ہوئے ہیں۔ ان کی جملہ سرگرمیوں پر محتاط انداز میں نگاہ رکھی جاتی ہے اور ایک مخصوص حد تک ان کے کاموں میں مداخلت نہیں کی جاتی۔ ایسی سرگرمیوں کو نظرانداز کرنا ہر ملک کی مجبوری ہے کیونکہ وہ بھی کہیں نہ کہیں ٹانگ اڑائے بیٹھا ہوا ہے۔

دوست ملک ایک دوسرے کے سیکرٹ ایجنٹوں سے اسی رواداری سے پیش آتے ہیں۔ کہیں وہ حد سے متجاوز ہونے لگیں تو انہیں چھیڑنے کے بجائے ان کے مخبر یا مقامی رابطے کو تاک کر راستے سے ہٹا دیا جاتا ہے اور ان کا کام ادھورا رہ جاتا ہے۔ کبھی کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ اپنے ہی آدمیوں کو مخبر کے روپ میں بڑھاوا دیا جاتا ہے اور وہ غیر ملکی جاسوسوں کو غلط اور فرضی معلومات فراہم کرکے گمراہ کرنے کا مقدس قومی فریضہ انجام دینے لگتے ہیں۔

یہ مہذب دنیا میں جینے اور پنپنے کے سنہرے اصول ہیں۔ جن پر مشرق سے انتہائے مغرب تک' ہر ملک نیک نیتی سے کاربند ہے لیکن پاکستان اور بھارت کے درمیان دشمنی کی ریت ہی انوکھی ہے۔ بھارت کے کسی اہم سیاسی رہنما کو چھینک بھی آتی ہے تو دہلی کے حکمرانوں کو اس میں آئی ایس آئی اور آئی بی کی سازشیں نظر آنے لگتی ہیں۔ بھارتی سفارت کار بین الاقوامی ادب اور آداب کو بالائے طاق رکھ کر ہر قیمت پر اپنے مذموم مقاصد حاصل کرنے کے لیے کوشاں رہتے ہیں۔ حد یہ ہے کہ وہ مقامی سطح کے گھٹیا جرائم میں ملوث ہونے سے بھی نہیں چوکتے۔ جس کا نتیجہ سیاسی اور سفارتی تلخیوں کی صورت میں آئے دن سامنے آتا رہتا ہے۔

دہلی کی سرزمین پر انل اور نریش کے ساتھ جو کچھ ہوا' اس کی پوری ذمے داری بھارتی پولیس اور حکام کے سرجاتی تھی۔ اسی طرح جان اسمتھ اور ناگر کا خون بھی ان کی نااہلی کا ثبوت تھا۔ اگر امن و قانون کے محافظ اپنے فرائض کی انجام دہی کے لیے مستعد ہوتے تو مجھے اور میرے ساتھیوں کو وہاں کھل کھیلنے کا موقع نہیں مل سکتا تھا۔ بھارتی پولیس افسر نے

Downloaded from https://paksociety.com

جب اپنی ابتدائی چھان بین میں مجھے مشکوک اور اوباش سمجھ لیا تھا تو انتظامی قاعدے کی رو سے مجھے اسی وقت بھارت سے نکال دیا جانا چاہیے تھا لیکن اس نے مجھے ڈھیل دے کر را والوں کے سپرد کردیا پھر وہاں وہ سب ہوتا چلا گیا جس نے بھارتیوں کے اوسان خطا کردیے۔

اگر بھارت میں نامعلوم اور خطرناک دہشت گردوں کے گھس آنے کی خبروں پر بھارتی پولیس محتاط رویہ اختیار کرتی تو اسے کسی مشکوک غیر ملکی کو بھارت کی سرزمین پر نہیں نکلنے دینا چاہیے تھا مگر ان کی عقلوں پر پردے پڑے ہوئے تھے۔ ان کی غفلت سے فائدہ اٹھا کر ہم نے اپنے کام پورے کرلیے۔ یہ بھارتیوں کی ہٹ دھرمی اور بے شرمی تھی کہ انہوں نے اپنی نا اہلی کی پردہ پوشی کرنے کے بجائے پاکستان پر کیچڑ اچھالنی شروع کردی۔

وہ ان کی طرف سے نئی محاذ آرائی کی ابتدا تھی جس کا خمیازہ انہیں چندن کی موت کی صورت میں بھگتنا پڑا تھا۔ اگلی باری چوپڑا کی آسکتی تھی۔

○☆○

ویرا کے ساتھ مصالحت ہوجانے کے بعد چوپڑا کے بارے میں چھان بین کا کام اول خان کو سونپ دیا گیا۔ چوپڑا کا پورا نام اور پتا موجود تھا۔ اول خان کے آدمیوں کو اس تک پہنچنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔ دو گھنٹے کی قلیل سی مدت میں ان کی رپورٹ ہم تک آگئی۔

چوپڑا خاندان برصغیر کی تقسیم سے پہلے میرپور خاص میں مقیم تھا۔ وہ نچلی ذات کے ہندو تھے۔ ان کا ماضی عسرت و افلاس کے اندھیروں میں ڈوبا ہوا تھا۔ تقسیم کے بعد پاکستانی علاقوں میں بسی ہوئی ہندو آبادی میں ذات پات کا تعصب کمزور ہوا تو ان کو لکھ پڑھ کر ابھرنے کے مواقع مل گئے۔ یوں بدھو لعل میٹرک پاس کرکے بھارتی قونصل خانے میں ڈاک وصول کرنے والے کلرک کی حیثیت سے ملازمت حاصل کرنے میں کامیاب ہوگیا۔

وہ شادی شدہ اور دو لڑکوں کا باپ تھا۔ اس کا پورا گھرانا میرپور خاص میں مقیم تھا۔ اس کے بچے بھی وہیں پڑھ رہے تھے۔ وہ بدچلن اور آوارہ نہیں تھا لیکن اپنی فطری ضروریات اور گھر سے دوری کی بنا پر اس نے کراچی میں رہنے والی ایک خوب صورت کرسچین لڑکی سے دوستی کرلی تھی۔ بعد میں اس نے لڑکی کو اپنے گھر میں ہی ڈال لیا۔ وہ لڑکی عام طور پر دن رات گھر میں رہتی تھی۔ چوپڑا کی ساری ذاتی ضروریات کا وہ دھیان رکھتی تھی۔

ایس ٹی ایف کے آدمیوں کی تصدیق سے یہ ثابت ہوگیا کہ جوشی نے اپنی بلیک کوئن کو گمراہ کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ جو کچھ اسے معلوم تھا' اس نے بلا کم و کاست ویرا کو بتادیا تھا۔ خرابی بس ایک ہوئی کہ اول خان کے بھیجے ہوئے آدمی لڑکی کو دیکھنے میں کامیاب نہیں ہوسکے۔ خلافِ معمول گھر کا دروازہ مقفل تھا اور وہ کہیں گئی ہوئی تھی۔ ایک گھنٹے کے انتظار کے بعد بھی وہ واپس نہیں آئی تو وہ اول خان کے آدمی اس کا دیدار کیے بغیر لوٹ آئے۔

میرے لیے وہ نکتہ اہم تھا کہ دن رات گھر میں رہنے والی لڑکی بہت دیر سے گھر سے غائب تھی لیکن ویرا کی نظروں میں اس بات کی کوئی وقعت نہیں تھی۔ اس کا خیال تھا کہ وہ گھر کا سودا سلف لینے کے لیے بازار کی طرف نکلی ہوگی' دیر سویر سے گھر لوٹ آئے گی۔ ویرا کی وہ تاویل قرین قیاس تھی۔ گھر میں اکیلی رہنے والی عورت کو گھر بار کے ساتھ بازار بھی دیکھنا پڑتا ہے۔ میں نے اپنی تشویش کو غیر ضروری سمجھ کر نظرانداز کردیا۔

ویرا تن تنہا وہ معرکہ سر کرنے کے چکر میں تھی لیکن اس نے جلد ہی مان لیا کہ ایک سے دو کا ہونا زیادہ بہتر رہے گا۔

اپنے کسی بھی دشمن سے مقابلے کے لیے ہمارے پاس بیم گن سے زیادہ موثر کوئی ہتھیار نہیں تھا لیکن اس کے استعمال میں سب سے بڑی یہ خرابی پیدا ہوگئی تھی کہ اس کا استعمال فوری طور پر پہچان لیا جاتا تھا۔ بیم گن کا نام آتے ہی حریفوں کی صفوں میں شور مچ جاتا کہ ڈینی وارادات کے آس پاس منڈلا رہا ہے۔ کسی بھی مقام پر بیم گن کے استعمال کو میرے نام سے نتھی کردیا گیا تھا۔

میرے ایما پر ویرا نے بیم گن کو اپنے ساتھ لے جانے کا ارادہ ترک کردیا۔ اول خان سے تحفے میں ملی ہوئی' ہلاک اور بے ہوش کرنے والی انگوٹھیوں کی موجودگی میں ویرا کو زیادہ تیاری کی ضرورت نہیں تھی پھر بھی اس نے مہم جوئی کے وہ لوازم اپنے ساتھ لے لیے جو اس کے اور سلطان شاہ کے لباسوں میں چھپائے جاسکیں۔

چوپڑا کے خلاف مہم میں شناخت کا پوشیدہ رہنا ازبس ضروری تھا۔ ان دونوں نے گاڑی چھوڑ دی اور چھ بجے ہم کو الوداع کہہ کر گھر سے رخصت ہوگئے۔

سڑک پر پہنچ کر ویرا نے ٹیکسی لی اور ان دونوں کے سفر کا آغاز ہوگیا۔

ٹیکسی ڈرائیور اپنی وضع قطع سے انگریزی سے نابلد' ایک سادہ لوح اور بارلیش نوجوان تھا۔ ویرا نے جمود توڑنے

Downloaded from https://paksociety.com

کے لیے سلطان شاہ سے انگریزی میں اپنے اس خیال کا اظہار کیا اور وہ اثبات میں اپنا سر ہلا کر رہ گیا۔

انگریزی ویرا کی مادری اور پدری زبان تھی۔ سلطان شاہ بھی میرے ساتھ نگر نگر کی خاک چھاننے کے بعد اچھی خاصی انگریزی بولنے پر قادر تھا۔ ان دونوں کے درمیان فوری طور پر مشاورت اور تبادلہ خیال کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

باتوں ہی باتوں میں سلطان شاہ کو خیال آیا کہ وہ دونوں چوپڑا کے انجام کے بارے میں ایک متفقہ نتیجے پر پہنچ چکے تھے لیکن لڑکی کے بارے میں انہوں نے سرے سے کچھ نہیں سوچا تھا۔ چوپڑا کے معاملے میں بھی وہی مسئلہ درپیش تھا جو چندن کے فلیٹ میں پیش آیا تھا۔ وہاں ہماری مشکل خود بخود آسان ہو گئی تھی کہ چندن کی گرل فرینڈ شراب کے نشے میں اس حد تک مدہوش تھی کہ کچھ دیکھنا یا سننا اس کی بساط سے باہر تھا۔ اس کے اخلاقی گناہ جو بھی رہے ہوں وہ چندن کے جرائم میں اس کی شریک کار نہیں تھی۔ ہم بلاوجہ اس کے خون سے اپنے ہاتھ رنگنے پر آمادہ نہیں تھے اس لیے اسے اس کے حال پر چھوڑ کر چندن کو اٹھا لے آئے تھے لیکن چوپڑا کی ہاؤس میڈ کا معاملہ مختلف تھا۔

بظاہر وہ چوپڑا کی مستقل داشتہ تھی۔ یہ امکان کم تھا کہ وہ دونوں شام کو خوب شراب پی کر بہکنے کی عادت میں مبتلا ہوں۔ ویسے بھی شام تک وہ لڑکی بازار گئی ہوئی تھی۔ یہ امکان نہیں تھا کہ بازار سے لوٹنے ہی وہ شراب پی کر نشے میں اتنی دھت ہو جائے کہ ان کے پہنچنے تک اسے دنیا و مافیہا کی خبر نہ رہے۔

"وہ بالکل بے قصور ہے۔ اس پر میرا ہاتھ نہیں اٹھ سکے گا۔" اس مسئلے پر خاصا غور کرنے کے بعد سلطان شاہ نے تشویش سے کہا۔

"میں کب کہہ رہی ہوں کہ اسے مار ڈالو۔" ویرا نے تنک کر کہا "ہم اپنی کارروائی کا کوئی چشم دید گواہ چھوڑنے کا خطرہ بھی مول نہیں لے سکتے۔"

"یہ بہت بڑا نکتہ ہے۔ ہمیں گھر سے نکلنے سے پہلے اس پر غور کر لینا چاہیے تھا۔" سلطان شاہ کا لہجہ متاسفانہ تھا۔

"گھر میں غور کرنے سے کیا فرق پڑ جاتا جو یہاں کھلی فضا میں نہیں ہے۔"

"یہاں ہم ڈینی اور غزالہ کی ذہانت سے محروم ہیں۔ کبھی کبھی غزالہ بھی بہت دور کی کوڑی لاتی ہے۔"

"بس، رہنے دو۔ وہ دونوں بھی اس مشکل کا کوئی آسمانی حل نہیں نکال سکتے تھے۔"

کیسے...؟

ایک صاحب ہوٹل میں پہنچے تو کلرک نے کہا "کمرا تو کوئی خالی نہیں ہے لیکن رات گزارنے کے لیے میں آپ کو ڈائننگ ہال میں چارپائی ڈلوا دیتا ہوں۔ وہاں دوسری طرف چارپائی پر ایک عورت بھی موجود ہے لیکن اگر آپ بتی نہیں جلائیں گے تو اسے آپ کی موجودگی پر کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔"

اس شخص نے ہامی بھر لی۔ آدھے گھنٹے بعد ہی وہ گھبرایا ہوا دوڑا دوڑا کلرک کے پاس آیا اور بولا "وہ عورت تو مردہ ہے۔"

"مجھے تو معلوم ہے...." کلرک نے اطمینان سے بولا "لیکن آپ کو کیسے پتا چلا؟"

"یہ تم کہہ سکتی ہو۔ میں ان دونوں کی عقل و دانش کا دل سے قائل ہوں۔"

"ان کے قصیدے پڑھنے کے بجائے مسئلے کا حل سوچو۔ ہم ہر لمحے اپنی منزل سے قریب ہوتے جا رہے ہیں۔"

"میکسی والا ہمیں چوپڑا کے فلیٹ میں نہیں اتارے گا۔ اسے فارغ کر کے بھی ہم کہیں بیٹھ کر سر کھپا سکتے ہیں۔"

"مگر وقت کے زیاں کا کیا فائدہ! میں کہتی ہوں کہ ابھی اور اسی وقت کوئی حل سوچو۔"

"صرف میں نے سوچنے کا ٹھیکا نہیں لیا ہوا تم بھی اپنی نرم و نازک کھوپڑی پر تھوڑا سا زور دو۔" سلطان شاہ نے منہ بنا کر کہا "میں ویسے بھی گن پوائنٹ پر سوچنے کا عادی نہیں ہوں۔"

"تم میرا دماغ خراب کر رہے ہو۔ اس سے بہتر تھا کہ میں اکیلی گھر سے نکل کھڑی ہوتی۔"

"ایک پیدائشی خرابی کو بلاوجہ میرے سر منڈھنے کی کوشش نہ کرو۔"

"اس لڑکی کی بات تم نے نکالی تھی!" ویرا نے چڑ کر اس پر الزام لگایا۔

"خدا کا شکر کرو کہ مجھے بروقت اس کا دھیان آ گیا ورنہ عین موقع پر مسئلہ سامنے آتا تو دونوں کے ہوش اڑ جاتے۔"

Downloaded from https://paksociety.com

"وقت پر جو ہوتا دیکھ لیا جاتا۔ تم نے اس کا ذکر کرکے میرا ذہن مکدر کردیا ہے۔"

"اسے بھول جاؤ اور شتر مرغی کی طرح ریت میں سر دے کر یہ سمجھ لو کہ طوفان ٹل گیا ہے۔ چوپڑا کے گھر میں جو ہوگا دیکھا جائے گا۔"

اس ہلکی پھلکی جھڑپ کے بعد ان دونوں نے بظاہر خاموشی اختیار کرلی مگر ان کے ذہن اسی لڑکی کے مسئلے میں الجھے ہوئے تھے۔

"میں تمہارے ساتھ چوپڑا کے گھر میں جاؤں گا یا باہر رک کر تم کو کور دوں گا؟" تھوڑی دیر بعد سلطان شاہ نے رسانیت سے پوچھا۔

"بیٹھے بٹھائے تم کو اچانک یہ خیال کیوں آگیا؟" ویرا نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

"اگر مجھے شروع سے آخر تک تمہارا ساتھ دینا ہے تو میں بھی کچھ سوچوں ورنہ بلاوجہ دماغ تھکانے سے کیا فائدہ۔ تم اکیلی گھر میں گھسیں تو تم وہی کرو گی جو تمہارے دماغ میں سمائے گا۔ میری ہر بات تمہارے لیے ناقابلِ قبول ہوتی ہے۔"

"ذمے داری سے بھاگنے کی کوشش مت کرو۔ ہم دونوں کو شروع سے آخر تک ایک ساتھ رہنا ہے۔۔۔ اور ہاں، یہ بھی یاد رکھنا کہ یہ ہم دونوں کا پہلا مشترکہ مشن ہے۔ ناکامی ہوئی تو ہمیں ڈینی۔ کے سامنے سخت خفّت اٹھانی پڑے گی۔"

"یہ واقعی مجبوری ہے۔ اب کچھ نہ کچھ سوچنا ہی پڑے گا۔" سلطان شاہ پر خیال انداز میں بڑبڑا کر رہ گیا۔

وہ لڑکی ان کے گلے کی ہڈی تھی۔ جسے مارا جاسکتا تھا نہ اپنے خلاف چشم دید گواہ بنا کر زندہ چھوڑا جاسکتا تھا۔ میں ان دونوں کی جگہ ہوتا تو یہ فیصلہ کرتا کہ لڑکی سے سامنا ہوتے ہی، کسی عقاب کی طرح جھپٹ کر اس کو بے ہوش کردیا جائے۔ اسے اتنی مہلت نہ دی جائے کہ وہ کسی کا چہرہ وغیرہ ذہن نشین کرسکے۔

کچھ دیر کے غور و خوض کے بعد سلطان شاہ نے وہی تجویز پیش کر ڈالی "میرا خیال ہے کہ اس لڑکی کو کم سے کم وقت میں بے ہوش کردیا جائے۔ اول خان کی دی ہوئی انگوٹھی اس سلسلے میں سب سے زیادہ کار آمد ثابت ہوگی۔"

"میں بھی اسی راہ پر سوچ رہی تھی۔ یہ ہمارے مسئلے کا اکلوتا حل ہے۔" ویرا نے اس کی بھرپور تائید کی۔

"مگر تم اس تک کیسے پہنچو گی؟ اس بارے میں کیا سوچا ہے تم نے؟"

"ہمیں اس لڑکی کے سامنے آنے کا انتظار کرنا ہوگا۔" ویرا نے روا روی میں جواب دیا۔

"اس بھول میں نہ رہنا۔ چوپڑا نے اسے ظاہری طور پر ہاؤس میڈ کی حیثیت دی ہوئی ہے۔ وہ خود گھر میں ہو یا نہ ہو، دروازہ لڑکی ہی کھولے گی۔ تم کو اسی لمحے اس پر وار کرنا ہوگا۔ ورنہ مصیبت کھڑی ہوجائے گی۔"

اس بار ویرا نے مفاہمانہ خاموشی اختیار کرلی۔ سلطان شاہ صحیح سمت میں سوچ رہا تھا۔

آرام باغ کے قریب انہوں نے ٹیکسی چھوڑ دی اور باغ کے سرے پر واقع ایرانی ہوٹل کے سامنے والی گلی کی طرف پیدل چل دیے۔

جوشی نے ویرا کو چوپڑا کے گھر کا پتا لکھوا دیا تھا۔ اس کی کوئی واضح پہچان نہیں بتائی تھی۔

پنساری کی دکان سے انہیں مول چند بلڈنگ کے بارے میں معلوم ہوگیا۔ چوپڑا اس کے دو نمبر فلیٹ میں مقیم تھا۔ خاصی سیدھی سی بات تھی کہ وہ نچلی منزل کا فلیٹ ہونا چاہیے تھا مگر قدیم طرز کی اس عمارت کے قریب پہنچ کر انہیں پتا چلا کہ اس سہ منزلہ عمارت کے ہر فلور پر دو فلیٹ واقع تھے جن کے نمبر اوپر سے شروع ہوئے تھے۔ گراؤنڈ فلور پر پانچ اور چھ نمبر والے فلیٹ واقع تھے۔

سلطان شاہ نے دور سے دیکھ لیا تھا کہ شہر کے رواج کے مطابق مول چند بلڈنگ کی چھت بھی آباد تھی۔ یہ اندازہ لگانا مشکل تھا کہ وہاں بھی دوسری منزلوں کی طرح دو خاندان آباد تھے یا پوری چھت کسی ایک کنبے کے تصرف میں تھی۔

عمارت کی قدامت باہر سے ہی ظاہر تھی لیکن اندر گھسنے پر اندازہ ہوا کہ عمارت کے مکین نفیس الطبع تھے۔ راہداری میں اور سیڑھیوں پر کہیں بھی گندگی یا کوڑے کا نام و نشان نہیں تھا مجموعی طور پر عمارت صاف ستھری اور پرسکون محسوس ہورہی تھی۔ فلیٹوں کے داخلی دروازے چوبی اور دہرے چوپٹ والے تھے۔ جن پر باہر کی طرف کنڈی چھپکے لگے ہوئے تھے۔ وہ دونوں ان معمولی باتوں کو نوٹ کرتے ہوئے دھیرے دھیرے تیسری منزل پر پہنچے تو دو نمبر فلیٹ کے دروازے پر جھولتا ہوا وزنی قفل ان کا منہ چڑا رہا تھا۔

بے ساختہ ان دونوں کی نگاہیں چار ہوئیں۔ کھلے ہوئے فلیٹ میں ان کے شکار کے ملنے کی امید ہوسکتی تھی لیکن بند فلیٹ میں ان کے لیے کچھ نہیں تھا۔ ویرا نے اپنے سر کو خفیف سی جنبش دی اور وہ دونوں تیزی سے زینے اترنے لگے۔

Downloaded from https://paksociety.com

یہ عجیب اتفاق تھا کہ سیڑھیاں چڑھتے ہوئے ان کا کسی سے سامنا ہوا نہ اترتے ہوئے کوئی ان سے ٹکرایا۔ پتلی سی راہداری عبور کرکے وہ دونوں بلڈنگ سے دور چل دیے۔

"یہ تو کچھ بھی نہیں ہوا۔" ویرا نے کھسیائی ہوئی آواز میں سرگوشی کی۔

"ڈینی نے پہلے ہی شبہے کا اظہار کیا تھا کہ لڑکی کا گھر سے غائب ہونا تشویش ناک ہے۔ تم نے اس بات کو کوئی اہمیت نہیں دی۔"

"ڈینی کی زبان کالی ہے۔ وہ جب کوئی بدفال منہ سے نکالتا ہے وہ پوری ہوجاتی ہے۔" ویرا نے چڑچڑے پن کا مظاہرہ کیا۔

"وہ سہ پہر سے ہی شاید واپس نہیں لوٹی۔ اول خان کے آدمیوں نے ایک گھنٹے تک اس کی واپسی کا انتظار کیا تھا۔ وہ کہاں چلی گئی۔" سلطان شاہ واقعی فکرمند تھا۔

"ہوسکتا ہے کہ آج اس کی خریداری کی فہرست لمبی ہوگئی ہو۔" ویرا اپنے اضطراب کو بہانوں میں چھپانے کی کوشش کررہی تھی۔

"دو نفری گھرانے کے لیے کیا خریداری ہوسکتی ہے۔ مجھے کوئی گھپلا نظر آرہا ہے۔ ادھر کا رخ کرنے سے پہلے ہمیں یقین کرلینا چاہیے تھا کہ وہ دونوں گھر میں موجود ہیں۔ مجھے ڈر ہے کہ آج ہمیں بے نیل و مرام واپس جانا ہوگا۔"

"ابھی صرف جھٹپٹا ہوا ہے۔ آگے لمبی رات پڑی ہے۔ ہم انتظار کروں گی۔ ہوسکتا ہے کہ لڑکی سے پہلے چوپڑا لوٹ آئے۔"

"ایسا ہوا تو ہماری ساری محنت وصول ہوجائے گی۔" سلطان شاہ نے بے ساختہ کہا "لڑکی کے جھنجٹ کا سامنا کیے بغیر ہم اسے ماریں گے۔"

وہ دونوں بار بار عمارت میں داخل ہوکر چوپڑا کے فلیٹ کا جائزہ نہیں لے سکتے تھے۔ دوسری مشکل یہ تھی کہ وہ ان دونوں کے چہروں سے واقف نہیں تھے۔ ان کے سامنے آنے والے مردوں اور عورتوں کی عمارت میں آمدورفت ہوئی مگر انہیں علم نہیں ہوسکا کہ ان میں مطلوب افراد شامل تھے یا نہیں۔

ایسی صورت میں ان کا زیادہ دیر تک وہاں رکنا مخدوش تھا۔ وہ علاقے کے کسی بھی باسی کی نظروں میں آسکتے تھے۔ باہمی مشاورت کے بعد وہ دونوں ٹہلتے ہوئے برنس روڈ کی طرف چل دیے۔

"مجھے آج کا کھیل ٹھپ ہوتا ہوا نظر آرہا ہے۔" گلی سے نکل آنے کے بعد ویرا نے پہلی بار اپنی مایوسی کا اظہار کیا۔

"عجلت اور انا پسندی کے زعم میں آج تم سے کئی غلطیاں ہوئی ہیں۔ میں حیران ہوں کہ مجھے ان باتوں کا خیال کیوں نہیں آیا۔"

"ایک گھنٹے بعد تم اوپر جاکر ان کے فلیٹ کا دروازہ دیکھو گے۔ اگر وہ مقفل نہیں ہوا تو مجھے راہداری کی گیلری سے اشارہ کردینا۔ میں اوپر پہنچ جاؤں گی ورنہ تم نیچے آجانا۔"

"آگے فریسکو کی مشہور دکان ہے۔ میں تمہیں وہاں کی گرم گرم جلیبیاں کھلاؤں گا تو تمہارا ذہن بہتر کام کرے گا۔"

"آج ہمارا دن نہیں ہے۔" ویرا نے مایوسی سے جواب دیا "ہر کام الٹا ہورہا ہے۔"

"فکر نہ کرو۔ وہ بھاگ کر کہاں جائیں گے۔ آج نہیں تو کل چوپڑا کی باری آجائے گی۔" سلطان شاہ نے اس کا دل رکھنے کے لیے کہا۔

"میں دور تک سوچ رہی ہوں۔ اگر لڑکی کا غائب ہونا ایک اتفاق ہے تو اب اس کو لوٹ آنا چاہیے۔ چوپڑا کو دفتر چھوڑے کافی دیر ہوچکی ہوگی۔"

غلطی

ایک امریکی نوجوان کالج میں داخلے کا فارم بھر رہا تھا۔ جب وہ اس خانے پر پہنچا جس میں والد کا نام درج کرنا تھا تو اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ اس سے مراد اس کا سگا باپ تھا یا سوتیلا۔ چنانچہ اس نے خانے میں لکھ دیا "غیر یقینی" لیکن دوسرے ہی لمحے اسے احساس ہوا کہ یہ کچھ عجیب لگ رہا تھا چنانچہ اس نے ساتھ نوٹ لکھا "میرے پیدا ہونے کے بعد میری ماں نے شادی کرلی تھی۔"

پھر اسے احساس ہوا کہ بات اب بھی کچھ صحیح طرح واضح نہیں ہوئی تھی۔ اس سے غلط فہمی پیدا ہوسکتی تھی چنانچہ اس نے لکھا۔

"لیکن میری ماں نے یہ شادی میرے باپ سے نہیں کی تھی۔"

Downloaded from https://paksociety.com

"اب تم ہربات کو منفی زاویے سے دیکھ رہی ہو۔" سلطان شاہ نے اس کی بات کاٹ دی "وہ اپنے قونصل خانے کا انفارمیشن آفیسر ہے۔ ایسے مصروف لوگوں کا دفتر آنے کا وقت مقرر ہوتا ہے۔ ان کی واپسی کا کچھ پتا نہیں ہوتا۔ وہ اپنا کام ادھورا چھوڑ کر واپس نہیں آسکتا۔"

"ڈینی کی طرح کبھی کبھی میرا وجدان بھی کام دکھانے لگتا ہے۔ آج کوئی کامیابی حاصل ہوگئی تو میں اسے بونس سمجھوں گی۔"

شام گہری ہوچکی تھی۔ سڑکوں، مکانوں اور دکانوں کی بیشتر روشنیاں جل اٹھی تھیں۔ اس وقت فریسکو کی دکان پر خاصا ہجوم تھا۔ سلطان شاہ نے ویرا کو آگے بڑھا دیا۔ ان دونوں نے فٹ پاتھ کے کنارے کھڑے ہو کر جلیبیاں اور سموسے کھائے پھر آگے نکل گئے۔

ویرا کے لیے کراچی کبھی بھی اجنبی شہر نہیں رہا تھا مگر اس نے برنس روڈ کے علاقے کی کبھی اتنی تفصیلی سیر نہیں کی تھی۔ سلطان شاہ کے ساتھ اشتہا انگیز خوشبوؤں میں رچی ہوئی برنس روڈ کی خورد نوش کی دنیا کی سیر میں اس کے لیے ایک نیا مزہ تھا جو چوپڑا کے تصور سے بار بار کرکرا ہو رہا تھا۔

سست روی سے ایک لمبا چکر کاٹ کر وہ تقریباً ڈیڑھ گھنٹے بعد دوبارہ مول چند بلڈنگ کے نواح میں پہنچ گئے۔

پہلے سے طے شدہ پروگرام کے مطابق ویرا ایک تاریک گوشے میں کھڑی رہی۔ سلطان شاہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا سیڑھیوں کی طرف چل دیا۔ اس نے ایک قدم میں دو دو سیڑھیاں پھلانگ کر زینے طے کیے اور تیسری منزل پر یہ دیکھ کر اس کا منہ لٹک گیا کہ چوپڑا کا فلیٹ بدستور مقفل تھا۔

وہ اس منزل پر رکے بغیر الٹے قدموں نیچے اترتا چلا گیا۔

"میں نے اپنی زندگی میں پہلی بار ایسی بری نامرادی کا منہ دیکھا ہے۔" سلطان شاہ سے بری خبر سننے کے بعد ویرا نے آزردگی سے کہا "یہ سب ڈینی کی کالی زبان کا اثر ہے۔ وہ گئی اور ایسی گئی کہ اب تک لوٹ کر نہیں آئی۔"

"بار بار ڈینی کو الزام نہ دو۔ تھوڑی دیر پہلے تمہارا وجدان کچھ بتا رہا تھا۔" سلطان شاہ نے اس پر ہلکا سا طنز کیا۔

ویرا کا موڈ اچھا نہیں تھا پھر بھی وہ اس طنز کو خاموشی سے پی گئی۔

○☆○

ویرا اور سلطان شاہ کے رخصت ہونے کے بعد غزالہ کی مہربانی سے چائے کا ایک دور چلا پھر اول خان رخصت ہوگیا۔ اس نے چلتے چلتے مجھے تاکید کی تھی کہ ویرا اور سلطان شاہ کے واپس لوٹتے ہی میں موبائل فون پر اسے ان کی مہم کے نتیجے سے آگاہ کردوں۔

اول خان کو رخصت کرنے کے بعد اس وسیع و عریض گھر میں ہم دونوں کے لیے خلوت ہی خلوت تھی۔ میرے دماغ پر غزالہ سے قرب کا سرور سوار ہونے لگا۔ اس وقت میرے ذہن پر کوئی فکر سوار نہیں تھی۔ ہم دونوں نے اپنی مرضی کے مطابق یادگار اور خوشگوار وقت گزارا پھر ہم ڈرائنگ روم میں ٹیلی وژن کے سامنے بیٹھ گئے۔

آٹھ بجے تک میرے اعصاب پرسکون رہے۔ گلشن اقبال سے آرام باغ تک کا فاصلہ خاصا طویل تھا۔ اگر حالات سازگار رہتے تو ان دونوں کو اپنا اصل کام نمٹانے کے لیے محض چند منٹ درکار ہوتے۔ میرے حساب سے انہیں آٹھ بجے تک کامیاب و کامران واپس لوٹ آنا چاہیے تھا۔

وال کلاک کی سوئیاں آٹھ سے آگے سرکیں۔ ان کے سفر کے ساتھ میری پریشانی میں بھی اضافہ ہوتا چلا گیا۔ ویرا اپنے ساتھ موبائل فون نہیں لے گئی تھی اس لیے ان دونوں سے رابطے کی کوئی صورت نہیں تھی۔ میرے پاس صبر اور انتظار کے سوا کوئی چارہ کار نہیں تھا۔

ساڑھے آٹھ بھی بج گئے۔ پرخوف اندیشوں اور وسوسوں کی وجہ سے میرا دل کنپٹیوں میں دھڑک رہا تھا، اعصاب پر سخت دباؤ آیا ہوا تھا، ذہن میں عجیب اور ہولناک اندیشے سر ابھار رہے تھے۔ دوسری طرف میرے کان باہر سے آنے والی ہر آہٹ پر جمے ہوئے تھے۔

"آپ بلاوجہ پریشان ہو رہے ہیں۔ ان دونوں کو ایک مدت کے بعد اس طرح آوارگی کا موقع ملا ہے۔ کوئی نہ کوئی گل کھلا کر واپس آئیں گے۔" غزالہ نے میری دل جوئی کے لیے کہا۔

"تم بھی ان کی طرف سے پریشان ہو۔ تمہارے خشک ہونٹوں پر پھیکی اور بے جان مسکراہٹ نظر آرہی ہے۔" میں نے اس کی طرف دیکھ کر جواب دیا۔

غزالہ عورت ذات تھی مگر وہ بہت حوصلے سے کام لے رہی تھی۔ مسلسل مجھے باتوں میں لگائے رکھنے کی کوششیں کرتی رہی۔ آخر کار نو بجے سے ذرا پہلے ہمارے گھر کے باہر کوئی گاڑی رکنے اور اس کا انجن بند ہونے کی آواز آئی۔ میں دوڑ کر دروازہ کھولتا ہوا باہر نکل گیا۔

یہ دیکھ کر میری جان میں جان آئی کہ وہ دونوں بالکل ٹھیک ٹھاک تھے۔ ان کے چہرے لٹکے ہوئے تھے۔

ویرا کنڈا گھما کر پھاٹک سے اندر آچکی تھی۔ سلطان

Downloaded from https://paksociety.com

شاہ بھی ٹیکسی ڈرائیور کو کرایہ ادا کر کے اندر آگیا۔

"ساری بھاگ دوڑ اکارت گئی۔ وہ دونوں اپنے فلیٹ کو مقفل کر کے کہیں غائب ہو چکے ہیں۔" ویرا نے پژمردہ لہجے میں جواب دیا۔

"میرا ماتھا پہلے ہی ٹھنکا تھا۔" میں نے ان دونوں کے ساتھ گھر کی رازداری میں داخل ہوتے ہوئے جواب دیا "کہیں کوئی گڑبڑ ہوگئی ہے۔"

"کوئی گڑبڑ نہیں ہوئی۔" سلطان شاہ نے ایک صوفے پر دراز ہو کر بے پروائی سے کہا "ویرا کا خیال ہے کہ تمہاری زبان کالی ہے۔"

"پیش بینی کرنے والوں کے لیے ایسا خطاب مناسب نہیں ہے۔" میں نے نرمی سے کہا۔ مجھے اس بات کی ذرا بھی پروا نہیں تھی کہ ان دونوں کا مشن غیر متوقع طور پر ناکامی سے دوچار ہوا تھا۔ مجھے اس بات کی خوشی تھی کہ وہ دونوں صحیح و سلامت گھر واپس آگئے تھے۔

"اس وقت اول خان کے آدمی کہاں ہوں گے؟" ویرا نے اچانک سوال کیا۔

"کون سے آدمی؟" میں نے پوچھا۔

"وہی جو چوپڑا کے بارے میں چھان بین کر کے آئے تھے۔" ویرا نے قدرے تیزی سے کہا۔

"وہ معلومات حاصل کر کے لوٹ آئے تھے۔ اب وہاں کوئی نہیں ہے۔ تم فکر نہ کرو۔ میں بھی یہی سوچ رہا ہوں کہ کم از کم صبح تک اس فلیٹ کی نگرانی کروائی جائے تاکہ یہ پتا چل سکے کہ ان دونوں میں سے کوئی لوٹ کر گھر کا رخ کرتا ہے یا وہ سیدھے زمین چلے گئے ہیں۔"

"تم یہ بندوبست کرلو۔ میں ذرا جوشی سے بات کروں۔" ویرا نے کچھ سوچتے ہوئے جواب دیا۔

"اب سب سے زیادہ اہمیت جوشی کی ہے۔" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جما کر کہا "یہ سوچنے کی بات ہے کہ تم نے اس سے چوپڑا کے بارے میں بات کی اور وہ اپنی ہاؤس میڈ سمیت گھر چھوڑ کر کہیں غائب ہوگیا۔"

"یہ بات میرے ذہن میں بھی چبھ رہی ہے۔ میں اپنے طور پر اسے ٹٹولنا چاہتی ہوں۔"

"وہ تمہارا معتمد تھا۔ تم اسے اچھی طرح جانتی ہو۔ بدقسمتی سے وہ میرے لیے اجنبی ہے۔ کس ٹائپ کا آدمی ہے وہ!"

"اپنے کام سے کام رکھنے والا اور بہت زیادہ وفادار۔ اس زمانے میں تم اسے حکم کا غلام بھی کہہ سکتے تھے۔"

"وقت انسان میں بہت سی تبدیلیاں لے آتا ہے۔" میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"آج بلکہ برسوں سے میری اس سے ملاقات نہیں ہوئی مگر آج ٹیلی فون پر اس کا لب ولہجہ سعادت مندانہ تھا۔ مجھے بالکل توقع نہیں تھی کہ وہ چوپڑا کو جانتا ہوگا۔ میں نے مایوسی اور بددلی کے ساتھ اس کا ذکر چھیڑا تھا اور جوشی نے از خود اس کے بارے میں بتانا شروع کردیا۔"

"وہ اس وقت تم سے کھلے دل سے بات کر رہا تھا لیکن اب بات الجھ گئی ہے۔ چوپڑا کی روپوشی نے جوشی کو مشکوک بنا دیا ہے۔ تم کو اس سے محتاط ہو کر بات کرنے کی ضرورت ہے۔ اگر وہ تم سے پھر گیا ہے تو تمہیں ٹریپ کرنے کی کوشش بھی کرسکتا ہے۔"

"میں سی ایس ڈی کی مدد سے اس سے اسپیکر فون پر بات کروں گی تاکہ تم اس کی گفتگو بھی سن سکو۔"

"تم تھک ہار کر واپس آئی ہو۔ تازہ دم ہو لو پھر اس سے بات کرلینا۔ اس سے پہلے میں اول خان کو بریف کردوں۔"

ویرا نے تیکھی مسکراہٹ کے ساتھ اپنی جگہ چھوڑ دی اور اٹھلا کر بولی "تم مہمان ہوتے ہو تو میری چھوٹی سے چھوٹی ضروریات کا بھی خیال رکھتے ہو۔ تم کو معلوم ہے کہ تازہ دم ہونے کے لیے مجھے غسل کے بعد تھوڑی سی نیند لینی پڑے گی۔"

ضرورت ڈسٹری بیوٹرز

تمام پبلی کیشنز اور مکتبہ نفسیات کی کتب کی ڈسٹری بیوشن کیلئے ملک بھر کے چھوٹے بڑے علاقوں میں ڈسٹری بیوٹرز کی ضرورت ہے۔ خواہشمند افراد مندرجہ ذیل پتے پر رابطہ کریں۔

رابطے کے لئے:

C-63 فیز II ایکس ٹینشن ڈی ایچ اے مین کورنگی روڈ (اختر کالونی بس اسٹاپ کے سامنے) کراچی 75500

فون نمبر: 5802552-5895313 فیکس: 5802551 * Email: kitabiat1970@yahoo.com

Downloaded from https://paksociety.com

"تم اپنے کمرے کا دروازہ بند کرکے اندر کیا گل کھلاتی ہو، مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ تھوڑی دیر بعد تم باہر آؤ تو تمہارے ہوش و حواس بحال ہوں اور تم جوشی سے ذہانت سے بات کرسکو۔"

"دس پندرہ منٹ میں، میں بوتل خالی نہیں کرسکتی۔" اس نے برا ماننے کی اداکاری کی "ایک دو پیگ میری عقل اور ذہانت کو دھار لگا دیتے ہیں۔"

"بس اب جاؤ۔" سلطان شاہ نفاست میں ہاتھ لہرا کر بیزاری سے بولا "یہ خیال رکھنا کہ دھار زیادہ باریک نہ ہونے پائے۔"

وہ تیزی سے ڈرائنگ روم سے چلی گئی۔ اس کی خواب گاہ کا دروازہ بند ہونے کی ہلکی دھمک سننے کے بعد سلطان شاہ نیچی آواز میں بولا "تم دونوں کمال کے آدمی ہو۔ اس وقت ویرا بہت زیادہ حساس اور چڑچڑی ہو رہی تھی۔ تم ناکامی کے حوالے سے اس پر ذرا سی بھی تنقید کرتے تو وہ پھٹ پڑتی۔ تم نے سرسری انداز اختیار کرکے اسے بہت حوصلہ دیا ہے۔ ورنہ وہ راستے بھر کڑھتی اور اپنے آپ کو برا بھلا کہتی آئی ہے۔"

"میں نے کوئی اداکاری نہیں کی۔" میں نے سنجیدگی سے کہا "کامیابی اور ناکامی مقدر کا ایک حصہ ہوتی ہے لیکن زندگی بار بار نہیں ملتی۔ ہم دونوں تمہاری سلامتی کے لیے بہت فکر مند تھے۔"

"میں نے بہت غور کیا ہے لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آرہی کہ چوپڑا ایکا ایک کہاں غائب ہوگیا۔"

"اندرونِ سندھ نہ چلا گیا ہو۔" غزالہ نے اپنا خیال ظاہر کیا اور میں بے ساختہ ہنس پڑا۔ مجھے اپنے ایک پرانے دوست کے کہے ہوئے فقرے یاد آگئے۔ وہ ایک مشترک نوبیاہتا دوست کی طویل غیر حاضری کو ہمیشہ اندرون سندھ روانگی قرار دیتا تھا کیونکہ اس کی سسرال کا تعلق اسی علاقے سے تھا۔

سلطان شاہ بھی لباس تبدیل کرنے کے لیے اٹھ گیا۔ اس نے مجھ سے میری ہنسی کا سبب نہیں پوچھا تھا۔

اس کے جاتے ہی میں نے اول خان کی تلاش شروع کردی۔ وہ دفتر یا گھر میں موجود نہیں تھا۔ موبائل فون پر اس سے رابطہ ہوگیا۔

"ویرا کے مشن کا کیا بنا؟" اس نے چھوٹتے ہی سوال داغ دیا۔

"لڑکی کے غائب ہونے کی اطلاع تمہاری آدمی دے چکے تھے۔ بدھو کا بھی کچھ پتا نہیں ہے۔ ساڑھے آٹھ بجے تک گھر پر تالا جھول رہا تھا۔" میں نے بتایا۔

"اوہ! تو تمہارا اندیشہ درست نکلا۔ تمہارا کیا اندازہ ہے۔ یہ کیوں غائب ہوگئے؟"

"کئی اسباب ہوسکتے ہیں۔ ابھی میرا ذہن صاف نہیں ہے۔ میرے دماغ پر ان دونوں کی فکر سوار تھی۔"

"وہ غائب تھے تو ان کے گھر کا رخ کرنے والوں پر حملہ بھی ہوسکتا تھا۔ تمہاری تشویش بجا تھی۔ انہیں تو کچھ نہیں ہوا۔"

"وہ کوئی زک اٹھائے بغیر لوٹ آئے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم اپنا کوئی آدمی اس گھر پر مامور کردو۔"

"میں اسی وقت آدمی لگا دوں گا لیکن چوپڑا کو خطرے کی بھنک مل گئی ہے تو وہ بھول کر بھی ادھر کا رخ نہیں کرے گا۔"

"لیکن کوئی نہ کوئی ضرور آئے گا۔ میرا اندازہ ہے کہ را کے نیٹ ورک میں چوپڑا کا اہم مقام ہے۔ اس کے گھر پر خاصا اہم ریکارڈ ہوسکتا ہے۔ وہ لوگ اسے نکال لے جانے یا وہیں تلف کرنے کی کوشش کرسکتے ہیں۔"

اول خان میری رائے سے فوراً متفق ہوگیا "سیکرٹ ایجنٹ کا گھر بھی اس کا آدھا دفتر ہوتا ہے۔ جس نے بھی ادھر کا رخ کیا، رنگے ہاتھوں دھر لیا جائے گا۔ اگر تمہارا مشورہ ہو تو اس خفیہ نگرانی میں علاقے کی پولیس کو بھی شریک کرلیا جائے تاکہ مجرم کی گرفتاری براہِ راست ریکارڈ پر جاسکے۔"

"یہ بات میں تمہاری صوابدید پر چھوڑتا ہوں۔ یہ خیال رکھنا کہ نگرانی کا پروگرام قبل از وقت فاش نہ ہونے پائے۔"

"چوپڑا کے نکل جانے سے اندازہ ہو رہا ہے کہ اس بار یہ لوگ بہت چوکنا ہیں۔ میں محتاط رہوں گا۔"

"بس اب ہمارا موبائل فون پر رابطہ رہے گا۔" میں نے گفتگو کے اختتام کا عندیہ دیا۔

"تم نے یہ نہیں بتایا کہ چوپڑا کے بارے میں تم کیا کرو گے۔" اول خان نے مجھے یاد دلایا۔

"ہوسکتا ہے کہ وہ اندرونِ سندھ چلا گیا ہو۔" میں نے دل ہی دل میں محظوظ ہوتے ہوئے جواب دیا۔

اول خان اس مکالمے کے پس منظر سے واقف نہیں تھا اس لیے میری بات کا اصل مفہوم سمجھے بغیر بولا "اگر وہ میرپور خاص کی طرف فرار ہوا ہے تو وہاں بھی بہت آسانی سے گھیرا جاسکتا ہے۔ آج کل ایس ٹی ایف کا ایک یونٹ اس علاقے میں بھی مامور ہے۔"

Downloaded from https://paksociety.com

"اس کی ضرورت نہیں۔" میں نے جلدی سے اسے منع کردیا "یہ بات وہ بھی جانتا ہے کہ اس کے دشمن اس کے فلیٹ کے بعد اس کے آبائی گھر کا رخ بھی کرسکتے ہیں۔ ابھی تک میرا ذہن ماؤف تھا۔ تم بھی کچھ غور کرو۔ اس کے بارے میں بعد میں بات ہوگی۔"

اول خان سے بات ختم ہونے کے بعد میں سوچ میں پڑ گیا۔ ان دنوں حالات کچھ عجیب سی نہج پر جارہے تھے مشکل نظر آنے والے شکار لقمہ تر ثابت ہوئے تھے۔ جان اسمتھ جیسے خطرناک حریف کو غزالہ اور ویرا جیسی دھان پان سی عورتوں نے دہلی میں آسانی سے ٹھکانے لگا دیا تھا۔ اٹل بسواس اور نریش شرما اپنے بڑوں کی حد سے بڑھی ہوئی خود اعتمادی کی وجہ سے ہر تحفظ سے محروم نکلے اور ممیاتے ہوئے بکروں کی طرح میرے ہاتھوں مارے گئے لیکن چوپڑا جیسا آسان حریف یکایک بہت دشوار روپ دھارتا جارہا تھا۔ مجھے نظر آرہا تھا کہ اسے گھیرنے کے لیے ہم لوگوں کو کوئی بڑا جال پھیلانا ہوگا۔

تھوڑی دیر بعد ویرا بن سنور کر اپنے کمرے سے نکل آئی۔ قدرت نے اسے بہت فیاضی کے ساتھ رنگ و روپ اور حسن سے نوازا تھا۔ وہ ہلکا پھلکا میک اپ بھی کرلیتی تھی تو بہت نمایاں نظر آنے لگتی تھی۔ اس کی نیلگوں آنکھوں کی گہری چمک چغلی کھا رہی تھی کہ اس نے غسل کے بعد اپنے پسندیدہ مشروب کے ایک دو پیگ ضرور لیے تھے۔

"غزالہ کے ساتھ فارغ بیٹھے ہوئے ہو۔" اس نے آتے ہی میرے اوپر فقرہ کسا "معلوم ہوتا ہے کہ اول خان سے تمہاری بات ہوگئی۔"

"میں نے اپنے حصے کا کام پورا کرلیا ہے۔ تم اپنا کام شروع کردو۔" میں نے اسپیکر فون کی طرف اشارہ کرکے کہا۔

"چوتھے کو بھی بلالو۔ وہ درمیان میں آکر گڑبڑ کردے گا۔" ویرا نے اپنی جگہ سنبھالنے کے بعد مجھے توجہ دلائی۔ میں نے وہیں بیٹھے بیٹھے آواز لگائی اور اگلے ہی لمحے سلطان شاہ دوڑتا ہوا اپنے کمرے سے آپہنچا۔ وہ اس وقت اپنی قمیص کے بٹن لگا رہا تھا۔

"برا منائے بغیر مجھے بریف کردو کہ چوپڑا کے بارے میں اس سے کیا کہو گی۔" میں نے ویرا کو فون کی طرف متوجہ ہوتے دیکھ کر ٹوکا۔

"کہنا کیا ہے۔ اسے بتانا پڑے گا کہ چوپڑا اپنے گھر سے غائب ہے۔ اس کے بغیر آگے نہیں بڑھ سکے گی۔" وہ بولی۔

"یہ سنگین غلطی ہوگی۔ تم کو اس سے یہ اعتراف کرنے کی ضرورت نہیں کہ تم چوپڑا سے ملنے کے لیے مری جارہی ہو۔ وہ تمہارا پرانا ساتھی ہے۔ اس سے خوشگوار ماضی کے حوالے سے بات شروع کرو۔ اس کا ذہن صاف ہے تو وہ ان یادوں میں بہہ جائے گا۔ دورانِ گفتگو تم سرسری طور پر اس سے یہ پوچھ سکتی ہو کہ اس کے دیے ہوئے فون نمبر پر چوپڑا کے گھر سے کوئی جواب نہیں مل رہا۔ اس سے آگے وہ خود بولے گا۔"

"یہ بہتر رہے گا۔" ویرا کو میرا ساتھ دینا پڑا "وہ گھر پر نہیں ہے تو فون کون اٹھائے گا۔"

"بس پھر بسم اللہ کرو۔" سلطان شاہ نے نہایت متانت سے مشورہ دیا۔

ویرا نے فون کو غیر ضروری طور پر مزید کھسکایا اور اسپیکر فون آن کرکے جوشی کا نمبر ملالیا۔

"ہیلو! کون بول رہا ہے؟" اسپیکر پر ایک پختہ اور مضبوط مردانہ آواز گونجی۔ میں نے اندازہ لگایا کہ اس شخص کی عمر پینتالیس سال سے کم نہیں تھی۔

"میں بلیک کوئن بول رہی ہوں ڈیر۔ تم کیا کررہے تھے۔" ویرا نے ہم سب کو آنکھ مار کر رجھانے والی آواز میں

مختصر مختصر

○—— ایک کار کا نیا ماڈل اتنا آرام دہ ہے کہ اس میں ایک بٹن دبانے سے سب کام ہوجاتے ہیں اور دلچسپ بات یہ ہے کہ اس بٹن کو دبانے کے لیے بھی ایک بٹن موجود ہے۔

○—— شوہر نے گھر میں داخل ہوکر بیوی سے کہا "مجھے وہ رقم دے دو جس کے بارے میں، میں نے تم سے کہا تھا کہ کسی بھی حال میں مجھے مت دینا۔"

○—— گولف بہت اچھا کھیل ہے۔ اس میں آدمی یہ خطرہ محسوس کیے بغیر پیدل چل سکتا ہے کہ کوئی گاڑی اسے کچلتی ہوئی گزر جائے گی۔

○—— کل اتنی سردی تھی کہ پانی کے گلاس میں پڑے ہوئے میرے دانت بجتے رہے۔

○☆○

Downloaded from https://paksociety.com

لہا۔

"گڈ ایوننگ مادام!" دوسری طرف سے بولنے والے کا جہ فوراً مودبانہ ہوگیا "کھانا کھانے کے بعد ٹیلی وژن دیکھ رہا ہا۔"

"تم سے بات کرنے کے بعد میرے ذہن میں ماضی کی دوں نے ڈیرے ڈال دیے ہیں۔ یوں لگ رہا ہے جیسے میں پنے ماضی میں رہ رہی ہوں۔"

"میں تمہارا ایک عاجز خادم ہوں۔ مجھے نہیں معلوم کہ آج کل تم کیسی زندگی گزار رہی ہو۔ میں اس وقت کو جانتا ہوں جب تمہارے نام سے شہر کے بڑے بڑے بدمعاش ڈرتے تھے۔ تم شعلہ بن کر اچانک کہیں بھی نمودار ہوتی تھیں اور سب کچھ خاکستر کرکے واپس لوٹ جاتی تھیں۔"

"وہ ماضی اب ایک سہانا خواب بن کر رہ گیا ہے۔" ویرا نے ایک گہری سانس لے کر اداسی سے کہا "اب میں یہاں انسانوں کے سمندر میں ایک عام سی عورت کی طرح زندگی بسر کررہی ہوں۔ بازار میں نکلتی ہوں تو بے توقیر آدمی مجھے کندھے اور کہنیاں مارتے ہوئے گزر جاتے ہیں اور میں ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔"

"بھگوان کسی کا بنا ہوا وقت نہ بگاڑے۔" جوشی کی آواز فرطِ جذبات سے مرتعش تھی "دوسپر کو تم نے یہ بات نہیں بتائی تھی۔ مجھے یہ سن کر دکھ ہوا ہے۔ میں نے تمہارا رعب اور دبدبہ دیکھا ہوا ہے۔ جس عورت سے ایک جہان کانپتا رہا ہو اس کی یہ بے توقیری عذاب سے کم نہیں ہے۔"

"کبھی کبھی ماضی کی یادیں یلغار کرتی ہیں تو میں اداس ہوجاتی ہوں ورنہ اپنے حال میں خوش رہتی ہوں۔ میں نے اپنے پرشکوہ ماضی کی سب یادیں تلف کردی ہیں۔ آج ایک پرانا کاغذ ہاتھ آگیا تو میں تم سے رابطہ کر بیٹھی۔"

"یہ میری خوش قسمتی ہے کہ برسوں کے بعد بھی میرا پرانا فون نمبر چل رہا ہے۔ اس وجہ سے مجھے تم سے ہم کلام ہونے کا موقع مل گیا۔ تم مجھے بتاؤ کہ کہاں رہ رہی ہو۔ میں خود تمہارے قدموں میں حاضری دوں گا۔ میں نے برسوں تمہارا نمک کھایا ہے' میں مرتے دم تک تمہارے احسانات فراموش نہیں کرسکتا۔"

جوشی بہت چالاک اور مکّار آدمی تھا اور شاید بلا کا صداکار بھی تھا۔ اس کے جذباتی فقروں پر شاید ویرا کا سینہ فخر سے پھول گیا ہو مگر میرے کان کھڑے ہوگئے تھے۔ جب اس نے ویرا سے اس کا پتا دریافت کیا تو مجھے یقین ہونے لگا کہ وہ جانے بوجھے انداز میں گفتگو کو ایک خاص رخ پر لے جارہا تھا مگر میں خاموش بیٹھا رہا۔ اس مرحلے پر میں ویرا کو... لقمہ دینے کی ضرورت محسوس نہیں کررہا تھا۔

"میں نے تم سے چوپڑا کا فون نمبر لیا تھا۔ میں نے کئی مرتبہ اسے فون کیا مگر اس کی طرف سے کوئی جواب نہیں مل رہا۔" ویرا بولی۔

"وہ گھر پر نہیں ہوگا۔ لڑکی شاید سو رہی ہوگی۔ مگر مادام! وہ شی میں تو کبھی نہیں تھا۔ اسے تم کیسے جانتی ہو۔"

"وہ میرا دوست تھا۔ دوستوں کی بات اور ہوتی ہے۔ اس سے میں کھل کر بات کرسکتی ہوں۔ تم میرے کارکن تھے۔ یہ تمہاری بڑائی ہے کہ تم آج بھی میرا ادب اور لحاظ کرتے ہو مگر میں تمہارے سامنے اپنے دل کی بھڑاس نہیں نکال سکتی۔ رتبوں کا حجاب ہمیں ایک دوسرے سے کبھی بے تکلف نہیں ہونے دے گا۔"

"تم مجھے اپنا پتا بتاؤ۔ میں چوپڑا کو وہیں لے آؤں گا۔" اس نے بہت خوب صورتی کے ساتھ ذرا سی دیر میں ویرا سے دوسری بار اس کا پتا طلب کرلیا۔ اس نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا "اگر وہ گھر پر نہیں ہے تو میں اسے کہیں نہ کہیں ڈھونڈ لوں گا۔"

"ابھی تک تم نے چوپڑا کو فون نہیں کیا۔" ویرا نے اس کی پیشکش کو نظرانداز کرکے پوچھا۔

"ایک بار نمبر ملایا تھا۔ میں اسے تمہارے بارے میں بتانا چاہ رہا تھا مگر اس سے بات نہیں ہوسکی۔" جوشی کا لہجہ مخلصانہ تھا مگر مجھے اس میں منافقت کی بو آرہی تھی۔ وہ اتنا سیدھا اور وفادار نہیں تھا جتنا ویرا سمجھ رہی تھی۔

"اس وقت میرے پاس پرانے لوگوں کے صرف دو نمبر ہیں۔ تمہارا اور چوپڑا کا۔ چوپڑا کا نمبر بھی تمہارا دیا ہوا ہے۔ میں تمہیں بتا چکی ہوں کہ میرے لیے چوپڑا زیادہ عزیز ہے۔ تم اسے تلاش کرو۔ میں رات گئے تم کو پھر فون کروں گی۔ کسی پرانے دوست سے مل کر ہی میرے دل کا غبار ہلکا ہوسکے گا۔"

"تمہارے ایک اشارے پر میں تمہارے پیر بھی چاٹ سکتا ہوں۔" جوشی نے ذومعنی لہجے میں خوشامد کی انتہا کردی۔ وہ ویرا کو جتا رہا تھا کہ اس کا دوست نہ ہونے اور ایک مرد ہونے کے باوجود وہ اس کی ہر خواہش پوری کرنے پر آمادہ تھا "تم مجھے صرف اپنا پتا بتا دو۔ میں تمہاری گود خوشیوں سے بھردوں گا۔"

"تم بار بار میرے پتے کے لیے اصرار کررہے ہو مگر میں مجبور ہوں۔" اس بار ویرا کو ناچار کہنا ہی پڑا "میں اس وقت ایک معزز گھرانے کی مہمان ہوں۔ وہ لوگ تمہارے طبقے کے

Downloaded from https://paksociety.com

کسی آدمی کا اپنے گھر آنا پسند نہیں کریں گے۔ وہ میرے کسی مرد ملاقاتی کو بھی اچھی نظروں سے نہیں دیکھیں گے۔ یہ ایک قدامت پسند' مسلمان گھرانا ہے۔ اس لیے میں کہہ رہی ہوں کہ تم مجھے چویڑا کا کوئی سراغ بتا دو۔ میں اس سے پروگرام طے کرکے ہوٹل میں منتقل ہو جاؤں گی۔ وہاں تم بھی پوری آزادی کے ساتھ مجھ سے ملنے کے لیے آسکو گے۔"

اسپیکر فون پر جوشی کے گہرے سانس کی آواز ابھری پھر وہ بولا "مادام! میں نے ہمیشہ تمہیں سر سے پیر تک سیاہ اور چست لباس میں دیکھا۔ میری آنکھیں تمہاری دید کے لیے ترس رہی ہیں۔ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ تم اپنے ایک پرانے غلام کی آرزو پوری کرنے کے لیے باہر کہیں مجھ سے مل لو۔ تمہارے اس دوسرے فون نے مجھے بے کل کر دیا ہے۔"

"آج تم چویڑا کی تلاش جاری رکھو۔ وہ نہ ملا تو میں کل کچھ سوچوں گی۔ مجھے تمہاری تڑپ کا پورا پورا اندازہ ہے۔ ان دیکھی چیزوں کو دیکھ لینے کا جذبہ بہت منہ زور ہوتا ہے۔ اس پر قابو پانا کبھی کبھی آدمی کے بس سے باہر ہو جاتا ہے۔" جوشی کو وہ جواب دیتے ہوئے ویرا کے ہونٹوں پر ایک سفاکانہ مسکراہٹ تیر گئی تھی۔

"میں اس کے گھر فون کروں گا۔ یہ کوشش تم خود بھی کر سکتی ہو۔ صبح میں اس کے دفتر سے پتا کروں گا۔ وہ دیر تک گھر سے غائب رہنے والا آدمی نہیں ہے۔ اگر اس کے ساتھ لڑکی بھی غائب ہے تو پھر یہ تشویش کی بات ہے۔ ایسا نہ ہو کہ ان دونوں کو کوئی حادثہ پیش آگیا ہو اور وہ اپنے قدموں پر چل کر گھر پہنچنے کے قابل نہ رہے ہوں۔" ویرا کی کمین گاہ کا پتا حاصل کرنے میں ناکامی کا یقین ہو جانے کے بعد جوشی نے پہلی بار اپنی چرخی کو الٹے رخ پر گھمانا شروع کر دیا۔

"زبان سے ایسے برے کلمات نہ نکالو۔" ویرا نے اسے تادیب کی "اس سے میرا ملنا ضروری ہے۔"

"اپنا پتا نہیں بتا رہی ہو تو یہ بتا دو کہ آج کل تم کیا کر رہی ہو۔ نشے کی دنیا پر راج کرنے والی شی کو اچانک کیا زوال آگیا اور تم ہم لوگوں کو بے یار و مددگار چھوڑ کر اچانک کہاں غائب ہو گئیں۔" پتے سے مایوس ہونے کے بعد جوشی کو یکایک دوسرے سوال یاد آنے لگے تھے۔

"میں گوشہ نشین ہوں۔ شی کو دشمنوں اور حاسدوں کی نظریں کھا گئیں۔ میری اور سپر آئی مین کی سلطنت تباہ ہو گئی۔ میں دنیا بھر میں اپنے دشمنوں سے مردانہ وار لڑتی رہی لیکن میرے ساتھی رفتہ رفتہ دغا دیتے چلے گئے۔ جب میں اکیلی رہ گئی تو میں نے لوٹ کر یہاں گوشہ نشینی اختیار کر لی۔ میری اپنی جان سولی پر ٹنگی ہوئی تھی تو میں تم لوگوں کی کیا خبر گیری کر سکتی تھی۔ تم لوگوں کی وفاداری کا صلہ یہ تھا کہ جس کے پاس شی کا جتنا مال تھا وہ اسی کا ہو گیا۔ جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے' تم میرے قریب تھے۔ تم کو بھی بہت مال ملا ہو گا۔ میں نے کڑا وقت بھی گزارا لیکن پلٹ کر کبھی تم لوگوں سے ایک تنکا تک طلب نہیں کیا۔"

ویرا کی وہ مختصر سی کہانی اتنی اثر انگیز تھی کہ چند لمحوں کے لیے میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ خاص بات یہ تھی کہ ویرا نے اپنی کتھا میں میرا یعنی ڈینی کا نام نہیں لیا تھا۔

"دشمنوں نے ہم پر بعد میں وار کیا۔ میں نے سنا ہے کہ اس سے پہلے ڈینی نے شی سے غداری کی تھی۔ وہ تالاب میں پھینکا جانے والا پہلا پتھر تھا۔ سب سانس روکے اس کے حشر کا انتظار کرتے رہے۔ جب اس کا بال بھی بیکا نہیں ہوا تو سب گیدڑوں نے یک جا ہو کر شیر پر حملہ کر دیا اور شی کا شیرازہ بکھر گیا۔"

"میں نے جان بوجھ کر ڈینی کا نام نہیں لیا کیونکہ وہ تمہارے آنے سے پہلے کی بات تھی۔ شی پر ساری تباہی اسی کی لائی ہوئی تھی۔ اس نے جس کام کی ابتدا کی تھی' دوسروں نے اسے مکمل کر دیا۔" ویرا نے میری طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

"وہ تمہارا بدترین دشمن تھا۔ تم نے اس کی خیر خبر ضرور رکھی ہو گی۔ اب وہ کہاں ہے؟" جوشی نے پوچھا۔

"یہ ماضی کی بھولی بسری کہانیاں ہیں۔ اب انہیں بھول جاؤ۔ ڈینی سے تمہیں کیا لینا ہے" ویرا نے اسے ٹالنے کی کوشش کی۔

"مادام! اب اس میں وہ دم خم نہیں رہا ہو گا۔ اس کی گرفتاری پر پچاس لاکھ ڈالر کا انعام مقرر ہے۔" جوشی نے ملتجیانہ آواز میں کہا۔

ویرا کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ جوبات میں کافی پہلے سے سمجھ رہا تھا وہ یکایک ویرا کی سمجھ میں بھی آگئی "جوشی! میرا خیال ہے کہ تم بہت گھما پھرا کر بات کر رہے ہو۔ مجھے کھل کر بتاؤ کہ تم مجھ سے کیا چاہتے ہو۔"

ویرا کے بدلے ہوئے اور ترش لب و لہجے سے جوشی سہم گیا۔ اسپیکر فون پر اس کی خوف زدہ آواز ابھری "ایک غلام اپنی مالکن سے کیا چاہ سکتا ہے مادام! یہ میرا فون نہیں ہے۔ میرے فرشتوں کو بھی علم نہیں تھا کہ تم آدھے دن میں مجھے دوسری بار فون کرو گی۔ میں سنی سنائی باتیں کر رہا تھا۔ پچاس لاکھ ڈالر کی رقم بہت بڑی ہوتی ہے۔ مفت میں ہاتھ

Downloaded from https://paksociety.com

آجائے تو کیا برا ہے۔ میری نسلیں عیش کریں گی۔"

بات کھلتے کھلتے رہ گئی۔ ویرا کے غصے کا اندازہ کرکے جوشی نے یکایک بات گھمادی۔ میں وہ سب سمجھ رہا تھا لیکن ویرا کے منہ میں الفاظ گھیٹنے سے مجبور تھا۔ خاموشی سے دم سادھے بیٹھا ان دونوں کے ٹیلی فونک مذاکرات سنتا رہا۔

"تم ہر قیمت پر چوپڑا کو تلاش کرو" ویرا تحکمانہ لہجے میں کہہ رہی تھی "مرا ہوا ہاتھی بھی سوا لاکھ کا ہوتا ہے۔ تمہاری بلیک کوئن ابھی اتنی مفلس نہیں ہوئی کہ انعام کے لالچ میں پولیس سے اپنے دشمنوں کی مخبری پر اتر آئے۔ ڈینی جہاں بھی ملا میں اس سے اپنا حساب خود بے باق کروں گی۔ تم چوپڑا کو ڈھونڈو۔"

"میں اپنی سی پوری کوشش کروں گا" اسپیکر فون پر جوشی کی ہراساں آواز ابھری۔

"میں بارہ بجے پھر فون کروں گی۔ یہ یاد رکھنا کہ تم نے چوپڑا کا سراغ لگالیا تو بلیک کوئن تمہیں اپنی آغوش میں سجالے گی" ویرا نے بٹن دبا کر فون بند کردیا۔

"تمہارے دیدوں کا پانی مرگیا ہے" سلطان شاہ نے فون بند ہوتے ہی اسے ملامت کی "ہم تینوں کی موجودگی میں اسے غیر ضروری کھلی پیشکش کرتے ہوئے تمہیں ذرا سی بھی شرم نہیں آئی۔ کیا ہوگیا ہے تم کو؟"

ویرا ڈھٹائی سے مسکرادی "یہ نفسیاتی حربے ہوتے ہیں۔ اپنے مقابل کے جذبات اور احساسات سے بھرپور فائدہ اٹھانے کے لیے ان کا استعمال بہت اہم ہوتا ہے۔ یہ بات تم نہیں سمجھ سکو گے کیونکہ ابھی بالغ نہیں ہوئے ہو' جس دن ایسی باتیں سمجھنے لگے پارس... ہوجاؤ گے۔"

"یہ سراسر بے شرمی تھی۔ یہ باتیں میری برداشت سے باہر ہیں" سلطان شاہ نے مجھ سے مخاطب ہوکر برہمی سے شکایت کی۔

"ایسے کاموں میں بعض اوقات اپنی سطح سے نیچے آنا پڑتا ہے" میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی "ویرا' جوشی کی ذہنیت سے واقف ہے۔ اس نے اسی کے مطابق گفتگو کی ہے۔ یہ باتیں ہی باتیں تھیں۔ تم دیکھ لینا کہ وہ قابو میں آگیا تو ویرا ہی اسے جوتے لگائے گی۔"

"آپ کس کی بات کررہے ہیں؟" غزالہ نے مضطربانہ لہجے میں پوچھا۔

"میرا خیال ہے کہ اس وقت ہم صرف جوشی کی بات کررہے ہیں" میں نے ویرا سے تائید چاہی۔

"تو کیا آپ چوپڑا کے ساتھ اس پر بھی ہاتھ ڈالنے کے بارے میں سوچ رہے ہیں؟" اس بار غزالہ قدرے متحیر نظر آئی تھی۔

"تم نے اس کی گفتگو سنی ہے۔ میرا اندازہ ہے کہ وہ بہت زیادہ چالاک بننے کی کوشش کررہا ہے۔"

"بلیک کوئن کے لیے اس کا رویہ بہت فدویانہ تھا" سلطان شاہ نے زہریلی آواز میں کہا "وہ اس کے پیر چاٹنے کے لیے تیار ہے۔ خوشیوں سے اس کی گود بھرنے پر تلا ہوا ہے۔ اس کو اور کیا چاہیے۔"

"ویرا نے اپنے آخری فقرے میں اس کی ان ہی آرزوؤں کی تعبیر دکھانے کی کوشش کی تھی جس پر تمہارا منہ بن رہا تھا" میں نے کہا۔

"جوشی کبھی بھی بہت زیادہ چالاک نہیں رہا۔ وہ دی ہوئی ہدایات پر سختی سے کاربند رہنے والا آدمی ہے۔ اس وقت اس کی باتیں الجھی الجھی سی تھیں۔ مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ کسی اور کی سکھائی ہوئی باتیں کررہا ہے۔"

"اس نے میرے اوپر مقرر کی ہوئی انعامی رقم کا ذکر کردیا۔ کیا وہ اتنا ہی بھولا ہے کہ اسے تم پر مقرر کی ہوئی رقم کا علم نہیں!" میں نے تلخی سے پوچھا۔

"اب تم جذباتی ہورہے ہو" ویرا نے اپنے لیے سگریٹ سلگاکر بے پروائی سے کہا "یہ بات شاید تم نے ہی کہی تھی کہ امریکیوں نے ویرا لائیڈ کو پکڑوانے پر انعام مقرر کیا ہے۔ ان کی تشہیر میں کہیں بھی بلیک کوئن کا ذکر نہیں آیا کیونکہ اس علاقے میں ہیروئن کی کھپت کے لیے شی اور اس کے مہرے امرکی صدر نے تخلیق کیے تھے۔"

"عام آدمی کو شاید علم نہ ہو کہ شی کی بلیک کوئن ویرا لائیڈ ہوا کرتی تھی۔ جوشی خود تمہارا ساتھی تھا۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ اس راز سے واقف نہ ہو۔"

"میں معذرت اور پورے خلوص سے کہوں گی کہ اس وقت تمہارا حافظہ تمہارا ساتھ نہیں دے رہا۔ یہ راز کسی کو معلوم نہیں تھا۔ مفاہمت کے جذباتی لمحات میں' میں نے خود تمہیں اس حقیقت سے آگاہ کیا تھا۔ اس سے پہلے میں تمہارے لیے صرف بلیک کوئن ہوا کرتی تھی۔"

"یہ اس وقت کی باتیں تھیں۔ بعد میں تمہارے دہرے روپ کا بھانڈا پھوٹ گیا تھا" میں اپنی بات پر اڑا رہا۔

"تم یہ بات کہہ سکتے ہو۔ مجھے اس کا علم نہیں" ویرا نے سگریٹ کا دھواں فضا میں بکھیرتے ہوئے جواب دیا "میں جوشی کا دفاع نہیں کررہی مگر یہ بات جانتی ہوں کہ وہ اپنے کام سے کام رکھنے والا ایک ان پڑھ بدمعاش ہے۔

Downloaded from https://paksociety.com

ضروری نہیں کہ وہ ہر پس پردہ راز سے باخبر ہو۔"

"تم جو چاہو کہتی رہو۔ مجھے پورا یقین ہے کہ وہ چوپڑا سے ملا ہوا ہے اور اب اس کے اشارے پر تم تک رسائی حاصل کرنا چاہتا ہے۔"

"میں تمہارے اس تجزیئے سے سو فیصد متفق ہوں۔ اس کی گفتگو میں میرا پتا ٹیپ کا بند بنا ہوا تھا۔ میں نے اس بارے میں اس کی بدنیتی بھانپ لی تھی۔ کافی دیر تک سوچنے کے بعد میں نے اسے ایسا جواب دیا کہ اس کے لیے مزید اصرار کی گنجائش نہیں رہی۔"

"تم دونوں نے یہ نتیجہ کیسے اخذ کرلیا کہ وہ چوپڑا سے ملا ہوا ہے؟" سلطان شاہ نے پوچھا۔

"سامنے کی بات ہے۔ واقعات کی کڑیاں ملاؤ گے تو تم بھی اسی نتیجے پر پہنچو گے۔" ویرا بولی۔

"جوڑ توڑ کرنے اور کڑیاں ملانے میں تم دونوں زیادہ ماہر ہو۔ مجھے اس مشقت میں نہ ڈالو" سلطان شاہ نے کھلے دل سے کہا۔

"جوشی کے لیے میرا آج صبح کا فون بہت غیر متوقع اور سنسنی خیز ثابت ہوا" ویرا نے سمجھانے والے انداز میں اپنی بات شروع کی۔ "میرے ذرا سے استفسار پر اس نے چوپڑا کے بارے میں بہت کچھ بتادیا۔ مجھے اسی وقت سمجھ لینا چاہیے تھا کہ وہ میرے بارے میں چوپڑا کو ضرور بتائے گا۔ میں نے اس بارے میں اسے کوئی ہدایت نہیں دی۔ اس وقت چوپڑا اپنے دفتر میں رہا ہوگا۔ وہ جوشی کے مندر کی کمیٹی کا رکن ہے۔ دونوں میں گاڑھی چھنتی ہے۔ جوشی نے جوش میں آکر چوپڑا کو دفتر فون کیا ہوگا کہ شی والی بلیک کوئن اس سے ملنے کے لیے بے چین ہے اور چوپڑا کے کان کھڑے ہوگئے ہوں گے۔ وہ راکا آدمی ہے۔ وہ لوگ بہت کچھ جانتے ہیں۔ اسے یہ بھی معلوم ہوگا کہ ویرا لائیڈ اور بلیک کوئن ایک شخصیت کے دو رخ ہیں۔ اس نے یہ بات جوشی کو نہیں بتائی مگر اسے اکسایا کہ وہ کسی طرح بلیک کوئن کی کمین گاہ کا پتا چلالے تو پچاس لاکھ ڈالر مفت میں ہاتھ آسکتے ہیں کیونکہ بلیک کوئن 'ڈینی' تک پہنچنے میں مدد دے سکتی ہے۔ جوشی کے لیے وہ تصور سحر انگیز تھا۔ پچاس لاکھ ڈالر بہت بڑی رقم ہوتی ہے۔"

"اوہ!" غزالہ اس کا فقرہ مکمل ہونے پر بے ساختہ بول اٹھی "تم ٹھیک کہہ رہی ہو' یہ سب اسی طرح ہوا ہوگا۔"

"چوپڑا کے لیے خطرے کی گھنٹی بج چکی تھی" ویرا نے اپنی بات جاری رکھی "یہ اچھی بات نہیں تھی کہ ویرا اسے تلاش کررہی تھی۔ جوشی نے اسے یہ بتادیا ہوگا کہ اس نے اپنی بلیک کوئن کو چوپڑا کے گھر کا پتا اور فون نمبر دے دیا ہے۔ جوشی کے لیے اپنا گھر مخدوش ہوچکا تھا۔ اس نے وہاں سے غائب ہونے کا فیصلہ کرلیا۔ دفتر سے فون کرکے اپنی داشتہ کو بھی گھر سے نکل جانے کی ہدایت دے دی اور یوں میدان صاف ہوگیا۔

"اب چوپڑا ویرا کی گھات میں لگا ہوا ہے" غزالہ نے مجھ سے تصدیق چاہی۔

"راوالے ہم سب کو فنا کردینا چاہتے ہیں" میں نے کہا

"چوپڑا نے جوشی کو یہی تاثر دیا ہے کہ بلیک کوئن کے ذریعے ڈینی کو پکڑوایا جاسکتا ہے۔ جوشی کی نگاہیں صرف ڈینی پر مرکوز تھیں۔ شاید اسے یہ علم نہیں ہے کہ ڈینی اور بلیک کوئن' دونوں پر انعامی رقوم مقرر ہیں۔ ہم دونوں میں سے کوئی ایک بھی ان کے ہاتھ آجائے تو وہ دوسرا خود بخود زیر ہوجائے گا۔ اس وقت چوپڑا کسی بہت بڑی کامیابی کا منتظر ہوگا۔ اس کے لیے ہم دونوں کی مالیت ایک کروڑ ڈالر ہے۔ عزت اور شہرت اس کے علاوہ ملے گی۔

"یہ سب بہت زیادہ الجھا ہوا ہے" سلطان شاہ نے اکتائے ہوئے' پر تشویش انداز میں کہا "میرے لیے اپنے ذہن پر اتنا زور دینا ممکن نہیں ہے۔"

"تمہارے پاس ذہن ہوتا تو اس پر زور دیتے' ذہن ہی نہ ہو تو زور کیا دو گے؟" ویرا نے اس کی بات پکڑلی۔

"تم زیادہ نہ بولو تو بہتر ہوگا۔" سلطان شاہ نے برا سا منہ بنا کر کہا "تم نے جوشی سے جس بازاری انداز میں باتیں کی ہیں' اس سے میری طبیعت مکدر ہوگئی ہے۔"

"میری باتیں اتنی ناگوار لگ رہی تھیں تو خاموشی سے اٹھ کر اپنے کمرے میں چلے جاتے' یہاں بیٹھے مزے کیوں لے رہے تھے؟" ویرا نے چیخ کر کہا۔

"اسپیکر فون کی وجہ سے بیٹھا رہ گیا۔ تم عام فون پر بات کررہی ہوتیں تو میں اسی لمحے تمہارا بائیکاٹ کردیتا" سلطان شاہ نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

"تم دونوں نے پھر اپنی خرافات کا سلسلہ شروع کردیا" میں نے باری باری ان دونوں کو گھورتے ہوئے سرزنش کی "کیا تمہیں اندازہ نہیں ہے کہ ہم اس وقت کس نازک موڑ پر پھنسے ہوئے ہیں۔"

"میرا خیال ہے کہ ہم کہیں بھی نہیں پھنسے۔ بس ایک مقابلہ ہے جو چل رہا ہے" ویرا نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔

"ہاں.... یہ آنکھ مچولی سی چل رہی ہے" سلطان شاہ کو

Downloaded from https://paksociety.com

بھی بولنے کا موقع مل گیا۔ ”ہم کو چندن گرنانی کے بعد چوپڑا کی تلاش تھی لیکن وہ اپنا گھر چھوڑ کر کہیں روپوش ہو چکا ہے۔ وہ جوشی کے ذریعے ویرا پر اپنا جال پھینکنے کے چکر میں ہے۔ ویرا ہمارے ساتھ بیٹھی عیش کر رہی ہے۔ کسی کا کچھ نہیں بگڑا مگر سب اپنی اپنی جگہ پریشان ہیں۔“

”میرا خیال ہے کہ اس سارے کھیل میں ہم سے ایک بنیادی غلطی سرزد ہو چکی ہے“ غزالہ کی آواز میں رچی ہوئی گہری سنجیدگی نے سب کو اس کی طرف متوجہ کر دیا۔

”یہ بہت اچھی بات ہے کہ رفتہ رفتہ تم بھی کھلتی جا رہی ہو اور مشترکہ مسائل پر اپنا سر کھپانے لگی ہو“ ویرا نے اس کی حوصلہ افزائی کی۔

”تم کو چوپڑا کے معاملے میں سب سے الگ تھلگ ہو کر اپنی راہ بنانے کی ضرورت نہیں تھی“ غزالہ نے براہِ راست اسی سے کہا۔

”چوپڑا پر ہاتھ ڈالنے کے لیے فوری طور پر کچھ نہ کچھ کرنے کی ضرورت تھی“ ویرا نے کمزور لہجے میں اپنا دفاع کرنا چاہا۔

”چوپڑا کوئی روپوش مجرم نہیں تھا جو کسی خفیہ پناہ گاہ میں چھپا ہوا تھا۔“ غزالہ نے اپنی بات کی وضاحت کی ”وہ ایک قونصل خانے کا ملازم ہے۔ شہری علاقے میں رہتا ہے۔ ہم اپنے طور پر بہت آسانی سے اس کا کھوج نکال سکتے تھے۔ وہ بے خبری کے عالم میں رہتا اور ہم خاموشی سے جھپٹ کر اس کا کام تمام کر دیتے۔“

”واہ! کیا بات کی ہے تم نے!“ سلطان شاہ بیٹھے بیٹھے اچھل پڑا ”یہ سنگین غلطی صرف ویرا کی ہے۔ تم ہم سب کو کیوں مورد الزام ٹھہرا رہی ہو؟“

”میں کسی کو مورد الزام نہیں ٹھہرا رہی۔ ہماری کامیابیاں اور ناکامیاں مشترکہ ہوتی ہیں۔ ہم سارا الزام کسی ایک کے سر نہیں تھوپ سکتے۔“

”یہ تمہاری زیادتی ہے۔“ غزالہ کے مصلحت آمیز بیان پر سلطان شاہ کا منہ لٹک گیا ”اس بار ویرا نے اپنی ڈیڑھ اینٹ کی الگ مسجد بنانے کی کوشش کی تھی۔ اس کا سارا بار اسی کے سر جانا چاہیے تاکہ یہ آئندہ ایسی حرکتوں سے باز رہ سکے۔“

”گزرے ہوئے واقعات کو ایک دوسرے پر الزام تراشی کا محور نہ بناؤ۔ ان سے سبق سیکھ کر آنے والے واقعات پر نگاہ رکھو۔“ میں نے انہیں ٹوکا۔

”میرا خیال تھا کہ میں جوشی کو اپنے ماضی کے سحر میں گرفتار کرنے میں کامیاب ہو گئی ہوں مگر وہ میری توقع سے بڑھ کر مکار اور خود غرض ثابت ہوا۔“ ویرا افسردگی سے کہہ رہی تھی ”مجھے امید نہیں تھی کہ وہ چوپڑا کو جانتا ہو گا۔ میں نے پرانا ساتھی سمجھ کر اندھیرے میں تیر چلایا تھا جو خطا ہو گیا۔“

”خطا ہو جاتا تب بھی غنیمت تھا۔ وہ تیر لوٹ کر تمہارے سینے کی طرف آیا ہے۔“ سلطان شاہ بولے بغیر نہیں رہ سکا ”خدا کا شکر کرو کہ قبلہ اول خان نے بروقت ہماری تم سے صلح کرا دی۔ تم جوشی پر انحصار کر کے آگے بڑھی ہوتیں تو اب تک تمہاری چٹنی بن گئی ہوتی۔“

”میرا اندازہ ہے کہ دن میں ویرا سے فون پر بات کرتے ہوئے جوشی کے دماغ میں کوئی سازش نہیں تھی۔ ساری خرابی اس وقت پیدا ہوئی جب رابطہ ہونے پر چوپڑا نے اسے پچاس لاکھ ڈالر کا سبز باغ دکھایا اور اپنے جال میں پھانس لیا۔“ غزالہ نے کہا۔

”اب ان فضول باتوں پر سر کھپانا بے سود ہے۔“ میں نے ایک مرتبہ پھر وہ موضوع وہیں ختم کرنے کی کوشش کی مگر ویرا نے میری بات اچک لی۔

”میری غلطی کے نتائج سامنے آ چکے ہیں۔ اب ہمیں اس کا توڑ نکالنا چاہیے۔“ وہ بولی۔

”بس آج رات کا انتظار کرو۔“ میں نے سوچتے ہوئے جواب دیا ”بارہ بجے تم اسے فون کرو گی تو مجھے پورا یقین ہے کہ وہ چوپڑا سے کوئی رابطہ نہ ہونے کی کہانی سنائے گا۔ یہ جھوٹ اب اس کی مجبوری بن چکا ہے۔ چوپڑا اس سے پل پل کی خبریں لے رہا ہو گا۔ ممکن ہے کہ وہ اپنے دفتر کی عمارت میں ہی چھپا ہوا ہو۔“

”بات کرتے کرتے تم بھی پٹری سے اترنے لگے ہو۔“ ویرا نے ہنس کر کہا ”ابھی تم نے رات کے انتظار کا مشورہ دیا تھا۔ رات کو کیا کرو گے؟“

”جوشی کی سرکوبی ناگزیر ہو گئی ہے۔ ابھی بات اس کی ذات تک محدود ہے۔ اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا گیا تو شہر کے سارے بدمعاش اور شہدے سر اٹھانے لگیں گے۔ مجھے تمہاری اور اس کی گفتگو کا انتظار ہے۔ وہ ہوش میں نہ آیا تو پھر ہم آج رات کو ہی اسے اٹھا لیں گے۔“

”یہ عبرت کا مقام ہے۔“ سلطان شاہ آنکھیں موند کر بڑبڑایا ”صبح تک ہمارا مقابلہ امریکی سی آئی اے کے ڈپٹی ڈائریکٹر سے تھا۔ عالمی رجحانات اور سازشوں کی بساطیں ہو رہی تھیں اور اس وقت ہماری اوقات یہ ہے کہ ٹکے ٹکے کے

Downloaded from https://paksociety.com

بد معاشوں کی شورش پر قابو پانے کے منصوبے بنا رہے ہیں۔
سچ کہا ہے کسی نے۔ اے عورت! تو چاہے تو مرد کو انتہائی بلندیوں تک لے جاسکتی ہے اور جب چاہے اسے چشم زدن میں تحت الثریٰ میں پہنچا سکتی ہے۔"

"اب مجھے تمہاری زبان کی خارش دور کرنے کے لیے کوئی مرہم تلاش کرنا ہوگا۔" ویرا نے خفت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا "تم بولنے پر آتے ہو تو دنیا کی کوئی طاقت تمہیں زہر فشانی سے نہیں روک سکتی۔ میں اپنی غلطی مان چکی ہوں تو اب تم وہی لکیر کیوں پیٹے جا رہے ہو۔"

"مجھے شرمندگی اس بات کی ہے کہ میں بھی تمہارے چکر میں آکر روند اگیا۔ بلاوجہ گھر سے تمہارے ساتھ نکل کھڑا ہوا۔ چوپڑا کو مارنے کے بجائے نری جنک مار کر گھر لوٹ آیا۔"

حالات نے یک لخت بہت تیزی سے پلٹا کھایا تھا۔ سی آئی اے اور راو وغیرہ پس منظر میں چلی گئی تھیں اور جوشی کی حقیر سی ذات پورے منظر پر چھا گئی تھی۔ سلطان شاہ کا یہ کہنا درست تھا کہ ایک ذرا سی جذباتی لغزش نے ہمیں کہیں سے کہیں لا پھینکا تھا۔

میں ڈرائنگ روم میں بیٹھا ٹیلی وژن دیکھتا رہا۔ غزالہ کے ساتھ خلوت میں گزارے ہوئے سکون بخش لمحوں کا سرور میرے اعصاب پر حاوی تھا۔ میں جوشی پر اپنے خیالات مرکوز کرکے اس سرور کو غارت نہیں کرنا چاہتا تھا۔ میرے دل میں جو خلش تھی' ناکامی کی یاد کے لیے وہی کافی تھی۔

دونوں عورتیں اٹھ کر کچن کی طرف چلی گئیں کیونکہ رات کے کھانے کا وقت ہو چکا تھا۔ سلطان شاہ کو ان دنوں اپنی مادری زبان کے گانوں سے گہرا شغف ہو چلا تھا۔ شاید یہ ویرا کے پڑوس میں کمرا ہونے کے ثمرات تھے کہ آخر کار سلطان شاہ کو ساز و آواز سے رغبت ہو گئی تھی۔

میں نے اپنی جگہ نہیں چھوڑی۔ مجھے معلوم تھا کہ ویرا کسی نہ کسی حیلے بہانے سے غزالہ کو کچن میں اکیلا چھوڑے گی اور اپنے کمرے میں محصور ہو جائے گی۔ جوشی کو فون کرنے سے پہلے اس نے محض اپنے لب تر کیے تھے۔ کھانے سے پہلے اپنا کوٹا پورا کرنا اس کے لیے ضروری تھا۔ جس دن وہ کسی مجبوری کی وجہ سے اپنے اس معمول سے ہٹنے پر مجبور ہو جاتی تھی' اس کی بھوک اڑ جاتی تھی۔

اس فرصت کو غنیمت جان کر میں نے اول خان کو فون کر دیا۔ مجھے اس کی مدد کی کوئی ضرورت نہیں تھی لیکن میں اخلاقی طور پر اسے اپنے عزائم سے آگاہ رکھنا ضروری سمجھتا تھا۔

جوشی کے بارے میں اس نے میری پوری بات تحمل سے سنی اور میرے پروگرام سے اتفاق رائے ظاہر کرنے کے بعد بولا "معلوم ہوتا ہے کہ آج کل امریکیوں کے ستارے گردش میں آئے ہوئے ہیں۔ قسمت کہیں بھی ان کا ساتھ نہیں دے رہی۔"

"کیوں؟ اب کیا ہوا؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔ جوشی کے مقابلے میں وہ موضوع میرے لیے دلچسپ تھا۔

"لیری کی لاش بحرین لے جانے کے لیے امریکیوں نے اپنے انٹرپرائز نامی طیارہ بردار جہاز سے دو انجنوں والا ایک مال بردار طیارہ منگوایا تھا۔" اول خان فون پر بتانے لگا "کراچی سے بحرین کی طرف جاتے ہوئے اس جہاز کے ایک انجن میں آگ لگ گئی۔ اس وقت طیارہ گو اور پر پرواز کر رہا تھا۔ اسے انٹرپرائز پر واپس کرایش لینڈنگ کی ہدایت نہ کی جاتی تو جہاز بحیرہ عرب میں گر کر تباہ ہو جاتا۔"

"لیری کی لاش کے لیے سمندر کی تہ ہی بہترین مدفن ثابت ہوتی۔ یہ بصیر سترہ والوں کے لیے عبرت کی کھلی کھلی نشانیاں ہیں۔" میں نے سرد مہر آمیز لہجے میں کہا "ہم نے اسے اس کے حال پر چھوڑنے کا فیصلہ کرلیا مگر وہ مکافاتِ عمل کی گرفت میں آگیا۔ قدرت کی پکڑ اتنی سخت ہے کہ وہ مرنے کے بعد بھی اس سے آزاد نہیں ہو سکا۔"

"لیری کی ناگہانی موت نے نہیں آرہا کہ اسے اچانک کیا ہو گیا۔" اپنے اور پرائے' سب بھونچکا رہ گئے ہیں۔ کسی کی سمجھ میں

"ہم لوگوں کے سوا صرف جلال کو اصل کہانی کا علم ہے۔ وہ ذہین اور سمجھ دار فرد ہے۔ اپنی زبان بند رکھے گا۔" میں نے امید ظاہر کی۔

"میں بارہ بجے سے پہلے تمہاری طرف آرہا ہوں۔" اول خان نے مجھے مطلع کیا۔

"تمہیں آنے کی کیا ضرورت ہے۔ جوشی سے ہم نمٹ لیں گے۔" میں نے کہا "تم اپنے گھر پر رہو۔ تمہاری حد سے بڑھی ہوئی مصروفیات پر تمہارے بیوی بچے ہمیں کوستے ہوں گے۔"

"ہم سب صبر و قناعت والے بندے ہیں۔" وہ ہنستے ہوئے بہت گہری بات کہہ گیا "میری ہر واہی پر وہ اپنے رب کا شکر ادا کرتے ہیں۔ ان کو معلوم ہے کہ میرے فرائض خطرناک ہیں۔ یہ جنگی ہو سکتا ہے کہ کسی دن میں ان سے رخصت ہو کر دوبارہ زندہ لوٹ سکوں۔ میں جب بھی گھر لوٹتا

Downloaded from https://paksociety.com

ہوں' وہ خوش ہو جاتے ہیں۔"

وہ صحیح کہہ رہا تھا۔ صابر اور قانع لوگ ہی اسپیشل ٹاسک فورس میں اعلیٰ ترین مقاصد کے لیے اپنی جانوں کی بازی لگا سکتے تھے۔ وہ ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں تھی۔

"میں جانتا ہوں کہ تم اسے آسانی سے اٹھا لاؤ گے مگر رات گئے کہاں لے جاؤ گے۔" اول خان فون پر اپنی بات جاری رکھتے ہوئے اس مہم میں درپیش مشکلات کی نشان دہی کر رہا تھا "راستے میں پولیس کی کسی گشتی پارٹی سے آمنا سامنا ہو گیا تو تمہارے لیے جان چھڑانی مشکل ہو جائے گی۔"

"ٹھیک ہے پھر تم آجاؤ۔" میں نے ہتھیار ڈال دیے۔

جوشی ہندو ضرور تھا مگر اس عیال دار بدمعاش کا جرم اتنا سنگین نہیں تھا کہ اسے اس کے گھر میں گولی مار کر ہلاک کر دیا جاتا۔ شی کے اس پرانے نمک خوار کے لیے باز پرس اور تھوڑی سی گوشمالی ہی کافی تھی۔

رات کو بارہ بجنے سے چند منٹ پہلے اول خان ہمارے گھر آپہنچا۔ وہ چوپڑا اور جوشی کے معاملات میں زیادہ ملوث نہیں رہا تھا اس لیے اسے ہماری کوفت کا اندازہ نہیں تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے فون پر میری پوری بات سن لینے کے بعد کوئی تبصرہ نہیں کیا تھا بلکہ اچانک لیری کی لاش لے جانے والے جہاز کی کہانی چھیڑ دی تھی۔

امریکیوں کی ہر شکست ہمارے لیے خوشی کا باعث ہوتی تھی۔ ان دنوں شاید عالمی رجحان بھی یہی تھا۔ امریکی حکمرانوں کے تکبر آمیز بیانات اور حد سے بڑھے ہوئے احساسِ برتری کی وجہ سے ان کے دوست بھی دل سے انہیں پسند نہیں کرتے تھے۔ امریکا کی سلطنت دنیا کی واحد سپر پاور تھی اس لیے اس کی ہر کامیابی کو ایک مجبوری سمجھ کر رسمی طور پر تسلیم کر لیا جاتا ہے لیکن امریکا کی تضحیک' تذلیل اور توہین کے ہر واقعے پر دنیا بھر میں عوامی سطح پر خوشی کا اظہار کیا جاتا تھا۔ ہم لوگ عالمی دھارے سے الگ نہیں تھے۔ ہمارے جذبات بھی دوسروں جیسے ہوا کرتے تھے۔

اس زمانے میں صرف وہی لوگ امریکا کے گن گایا کرتے تھے جن کو ذرائع ابلاغ میں اپنی ساکھ زیادہ عزیز تھی یا پھر وہ بقراط تھے جن کے گھروں کے چولہے امریکا سے ملنے والے ڈالروں سے روشن ہوتے تھے۔

اول خان نے آتے ہی پھر مال بردار جہاز کا قصہ چھیڑ دیا "اس کریش لینڈنگ میں مال بردار جہاز کا ہوا باز اور انٹرپرائز کے رن وے اسٹاف کا ایک آدمی خاصا زخمی ہوا ہے۔ انٹرپرائز کے رن وے کو بھی نقصان پہنچا ہے۔"

"اب لاش کہاں ہے؟" میں نے سرسری انداز میں پوچھا۔

"کریش لینڈنگ کرنے والا جہاز پرواز کے قابل نہیں تھا۔ زخمی لاش کو دوسرے طیارے سے بحرین روانہ کر دیا گیا۔"

"زخمی لاش؟" سلطان شاہ نے حیرت سے وہ انوکھی اصطلاح دہرائی "کیا یہ لاشیں بھی زخمی ہوتی ہیں؟"

"ہاں۔" اول خان نے اس سوال سے محظوظ ہوتے ہوئے جواب دیا "کریش لینڈنگ میں تابوت کے بند کھل گئے۔ جھٹکوں سے لیری کی گردن ٹوٹ گئی۔"

کچھ دیر تک اسی بارے میں باتیں ہوتی رہیں۔ انٹرپرائز نامی طیارہ بردار جہاز پاکستانی ساحل سے پچاس ناٹیکل میل دور' کھلے سمندر میں لنگر انداز تھا۔ اول خان کا خیال تھا کہ وہ اس علاقے میں امریکیوں کی اشتباہ آمیز سرگرمیوں کا ایک اور ثبوت تھا۔

وہ بحری' بری اور فضائی محاذوں پر پوری طرح سرگرم تھے۔ فضائی قوت اور صلاحیت میں ان کو ایسی برتری حاصل تھی کہ فضا کی محفوظ ترین بلندیوں میں جاری سرگرمیوں کے بارے میں کچھ جاننا آسان نہیں تھا۔

بارہ بجے ویرا نے جوشی کے لیے فون کرنے کا ذکر کیا تو مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے مجھے آزاد فضاؤں سے پکڑ کر زمین پر ٹپک دیا ہو۔

جوشی ایک جاہل بدمعاش تھا۔ شی کی شکست و ریخت کے آخری مرحلے پر آندھی کے بیروں کی طرح ایک بڑی دولت اس کے ہاتھ آئی تھی پھر بھی وہ مزید دولت اور بلیک کوئن کے قرب کا خواہاں تھا۔ وہ اس کی کال کے انتظار میں جاگ رہا تھا۔

اس نے اسپیکر فون پر بات کرتے ہوئے ویرا کو بتایا کہ وہ اپنی تمام تر کوششوں کے باوجود چوپڑا سے کسی قسم کا رابطہ کرنے میں ناکام رہا تھا۔

"چوپڑا سے تمہاری گہری دوستی ہے۔ مندر میں وہ تمہارا پرانا ساتھی ہے۔ یہ ممکن نہیں کہ تم اس کے ٹھکانے سے بے خبر ہو۔"

"مادام! تم کیسی باتیں کر رہی ہو!" جوشی کی مجروح آواز ابھری "میں تم سے جھوٹ کیوں بولوں گا؟"

"وہ تمہارا دوست اور ہمراز ہے۔ تم اس کی باتیں مجھ سے چھپا رہے ہو۔" ویرا نے کھل کر اس پر الزام لگا دیا۔

"تم میری نیت پر شبہ کر رہی ہو۔ میں تم پر اپنی ہر دوستی

Downloaded from https://paksociety.com

قربان کرسکتا ہوں۔ میں پھر کہہ رہا ہوں کہ تم مجھے اپنا پتا یا ٹھکانا بتا دو۔ جیسے ہی میرا چوپڑا سے رابطہ ہوگا' میں اسے اپنے ساتھ لے کر تمہارے پاس پہنچ جاؤں گا۔"

"اب اتنے بھولے بننے کی کوشش نہ کرو۔ یہ خیال اپنے دل سے نکال دو کہ تم مجھ تک پہنچنے میں کامیاب ہوجاؤ گے۔"

"تم تک پہنچنا اور تمہاری خوشنودی حاصل کرنا اب میری دلی آرزو ہے۔ مجھ پر شک نہ کرو۔"

"تم بار بار میرا پتا جاننے کی کوشش کررہے ہو۔ یہ تمہاری بدنیتی کا کھلا ثبوت ہے۔ چوپڑا کہیں چھپ کر تم کو میرے خلاف اکسا رہا ہے۔ شاید تم کو نہیں معلوم کہ وہ را کا ایجنٹ ہے۔ بہت بے رحمی سے تمہیں استعمال کرے گا' اپنا کام نکالے گا اور پھر سرد مہری سے تمہاری گردن کٹوا دے گا۔"

"وہ ایسا نہیں ہوسکتا۔" جوشی نے بے ساختہ کہا "تم یقین کیوں نہیں کرتیں کہ اس سے میری کوئی ملی بھگت نہیں ہے۔ جس طرح وہ تمہارا پرانا دوست ہے اسی طرح میری اور اس کی پرانی دوستی ہے۔ مجھے کچھ نہیں معلوم کہ وہ کس کا ایجنٹ ہے۔ میں اسے بھارتی سرکار کا نوکر سمجھتا ہوں۔"

"تم انجان بن کر میرے قہر کو دعوت دے رہے ہو۔" ویرا لوا اس کی پر فریب باتوں پر غصہ آنے لگا "تمہیں معلوم ہے ایبلیک کو بن اپنے کسی معتوب کو موت سے کم سزا نہیں دیتی تھی۔ میں گوشہ نشین ضرور ہوگئی ہوں مگر آج بھی اپنی مرضی اور فیصلے کو نافذ کرنے کی پوری قوت رکھتی ہوں۔"

"مجھے یہ سب معلوم ہے۔ یہ باتیں دہرا کر تم مجھے خوف زدہ کیوں کررہی ہو؟" اسپیکر فون پر اس کی پھنسی پھنسی آواز گونجی۔

"تم ہر بات سمجھ چکے ہو۔ چوپڑا میری تلاش میں لگا ہوا ہے اور میں اس کی فکر میں ہوں۔ تم ہم دونوں کے بیچ کے آدمی ہو۔ تم نے میرے بجائے چوپڑا کا ساتھ دینے کا فیصلہ کرلیا ہے۔ تم کو بہت جلد اپنے اس فیصلے کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔"

جوشی فون پر مادام' مادام کہتا رہ گیا لیکن ویرا نے اس سے مایوس ہو کر فون بند کردیا۔

"تم نے صحیح کیا کہ اسے ہر بات جتادی۔" میں نے ویرا سے کہا "وہ آسانی سے قابو آنے والوں میں سے نہیں ہے۔"

"لاتوں کے بھوت باتوں سے نہیں مانتے۔" اول خان سر ہلاتے ہوئے بولا "میں نے اپنے تجربے کی بنا پر اس کی آواز سے اندازہ لگایا ہے کہ یہ عادی شرابی اور خوشامدی آدمی ہے۔ ہر طاقت ور کو جھک کر سلام کرے گا۔ کمزور کا خون پی جائے گا۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" سلطان شاہ نے جلدی سے کہا "وہ ویرا کے پیر تک چاٹنے پر آمادہ تھا۔"

سلطان شاہ نے وہ بات اتنی سرعت سے اول خان کے کانوں میں ڈالی تھی جیسے تاخیر کی صورت میں اسے اپنا پیٹ پھٹنے کا ڈر ہو۔ سب ہنسنے لگے اور خفت سے ویرا کا چہرہ سرخ بھبوکا ہوگیا۔ اس نے غصے سے سلطان شاہ کو گھورتے ہوئے کہا "بعض اوقات تم گھٹیا حرکتوں پر اتر آتے ہو۔"

"میں بڑھیا سے گھٹیا تک' ہر شخص کے مرتبے کا پورا خیال رکھتا ہوں۔" سلطان شاہ نے بے پروائی سے جواب دیا۔

اس بار کسی نے ردِعمل ظاہر نہیں کیا۔ ویرا نے وہ بات وہیں ختم کردی۔

"چوپڑا روپوش ہو کر اپنی سرگرمیوں کا ثبوت دے چکا ہے۔" چند ثانیوں کے توقف کے بعد اول خان نے بولنا شروع کیا "ویسے بھی ویرا کے سوا کوئی جوشی کو نہیں پہچانتا۔ ہوسکتا ہے کہ اتنی طویل مدت گزر جانے کے بعد ویرا بھی پہلی نظر میں اسے نہ پہچان سکے۔ تم لوگوں میں سے کسی کا جوشی کی طرف جانا مناسب نہیں۔ میں اپنے کسی آدمی کو ساتھ لے کر اسے اٹھا لاؤں گا۔"

سب نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا مگر کسی نے اول خان کی اس تجویز پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔

"لیکن تم اسے لے کر سیدھے اسٹیشن فور کی طرف نکل جاؤ گے؟" میں نے اس سے استفسار کیا۔

"تم چاہو تو ادھر بھی آسکتے ہیں۔" میں سمجھا کہ وہ مجھ سے مذاق کررہا تھا لیکن اس کے چہرے پر گہری سنجیدگی کا راج تھا۔

"میں مذاق نہیں کررہا۔ وہ بے ہوش ہوگا۔ چاہو تو کچھ دیر کے لیے اسے یہاں لایا جاسکتا ہے۔"

"راستے سے مجھے ساتھ لیتے جانا۔ را کے ہر مددگار کو مارنے میں عجیب لذت ملتی ہے۔"

"جوشی کو شاید را کے بارے میں کوئی علم نہیں ہے۔" اس سے شدید ناراض ہونے کے باوجود ویرا نے اس کی وکالت کی "وہ چوپڑا سے اپنی دوستی نبھا رہا ہے۔"

"دوستی نبھا رہا ہے تو اسے ڈیپی پر مقرر کیے ہوئے پچاس لاکھ ڈالروں کے خواب کیوں آرہے ہیں۔" سلطان شاہ نے

Downloaded from https://paksociety.com

طنز سے پوچھا۔

"وہ شخصی بات ہے۔" ویرا نے جواب دیا "رقم اتنی بڑی ہو تو ہر ایک کی رال ٹپک سکتی ہے۔"

اول خان نے روانگی کے ارادے سے اپنی جگہ چھوڑ دی۔

○☆○

بمبئی بازار کی وہ سڑکیں اور گلیاں جہاں دن میں کھوے سے کھوا چھلتا ہے' سنسان پڑی ہوئی تھیں۔ دکانیں بند ہوئے دیر ہو چکی تھی۔ پتھاروں اور فٹ پاتھ پر رکھے ہوئے سامان پر رسیوں سے مضبوط ترپالیں بندھی ہوئی تھیں۔ عمارتوں کی سیڑھیوں اور بند دکانوں کے تھڑوں پر کہیں کہیں فلیٹوں کے مکین بیٹھے ہوئے خوش گپیوں میں مصروف تھے۔

اول خان نے اپنے اندازے سے جیپ ایک جگہ روک دی اور طاہر کے ساتھ نیچے اتر گیا۔ طاہر اس کا ایک قابل اعتماد ماتحت تھا جو ہر آڑے وقت میں اس کے ساتھ رہتا تھا۔ اول خان نے اس مہم کے لیے زیادہ نفری کو اپنے ساتھ لینا مناسب نہیں سمجھا تھا۔

علاقے میں خورونوش اور پان کی دکانیں کھلی ہوئی تھیں مگر ان کے سمٹنے کا وقت ہو چلا تھا۔ اول خان کے ایک آدمی نے سرِ شام ہی جوشی کے گھر کا محل وقوع دیکھ لیا تھا۔ اس وقت تک جوشی کو اغوا کرنے کا کوئی معاملہ زیرِ غور نہیں آیا تھا مگر اول خان کی چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ اسے جلد یا بدیر اس گھر کا رخ کرنا ہوگا۔ اس نے احتیاط کے طور پر اپنے ایک آدمی کو علاقے کے سروے کے لیے بھیج دیا۔ اس وقت اول خان کی وہی احتیاط اس کے کام آ رہی تھی۔

ایک ڈھلوان سڑک چڑھ کر وہ دونوں جوں ہی داہنی طرف کی نیم تاریک گلی میں مڑے' سامنے پھیلی ہوئی تاریکی میں سے ایک ہیولا دوڑتا ہوا نکلا اور گلی کے دوسرے سرے پر پھیلی ہوئی تاریکی میں کہیں مدغم ہو گیا۔

"ہوشیار رہنا۔ یہاں آثار اچھے نہیں ہیں۔" اول خان نے طاہر کے کان کے نیچے سرگوشی کی۔

وہ دونوں محتاط انداز میں اس گلی میں آگے بڑھتے رہے جس کے دونوں طرف کئی منزلہ پرانی عمارتیں کھڑی ہوئی تھیں۔ اس گلی کا ابتدائی سرا نیم تاریک تھا لیکن آگے گہری تاریکی کا راج تھا۔ رہائشی فلیٹوں سے آنے والا روشنیوں کا انعکاس گلی میں پھیلے ہوئے اندھیرے سے لڑنے کی ناکام کوشش کر رہا تھا۔

دوسری گلیوں کے برعکس آبادی کے اس حصے میں سناٹا تھا۔ گھروں سے باہر کوئی متنفس نظر نہیں آ رہا تھا۔ اول خان کو وہ سناٹا غیر فطری لگ رہا تھا۔ اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے سب لوگ کسی نامعلوم خوف سے اپنے گھروں میں محصور ہو گئے ہوں۔

ایک عمارت سے اچانک ایک پستہ قامت شخص ان دونوں کے سامنے آ گیا۔ وہ محتاط نہ ہوتے تو ان کا پستہ قامت سے ٹکرا جانا یقینی تھا۔

پستہ قامت نے رک کر چمکتی ہوئی خشک نگاہوں سے ان دونوں کو گھورا پھر پوچھا "تم کون ہو۔ یہاں رہنے والے تو نہیں ہو؟"

"ہم جوشی سے ملنے آئے ہیں۔" اول خان نے اپنے ذہن میں آنے والا پہلا عذر پیش کر دیا۔

"خدا خیر کرے۔" پستہ قامت خود کلامی کے انداز میں بولا "اتنی رات کو اس سے کیا کام پڑ گیا؟" وہ لمحہ بھر کے لیے خاموش ہوا پھر ان کے جواب کا انتظار کیے بغیر دوبارہ بولا "پتا ہے کہ وہ کہاں رہتا ہے؟"

"ہاں' ہمیں پیلی بلڈنگ کی پہلی منزل پر جانا ہے۔" اس نے اپنی منزل کی طرف اشارہ کیا۔

"ٹھیک ہے۔ تم جاؤ۔" پستہ قامت یہ کہہ کر کہیں اور جانے کے بجائے دوبارہ اسی عمارت میں گھس گیا جہاں سے نمودار ہوا تھا۔

"یہ شاید ہمیں چیک کرنے کے لیے باہر نکلا تھا۔" طاہر نے پر تشویش آواز میں کہا۔

"معاملہ گڑبڑ ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ جوشی کے گھر کی حفاظت کی جا رہی ہے۔" اول خان نے اس کی تائید کی۔

وہ دونوں پیلی بلڈنگ کی طرف بڑھ رہے تھے کہ فضا اچانک ایک فائر کے دھماکے سے لرز اٹھی۔ اس کے ساتھ ہی آس پاس رہنے والوں کی کئی دہشت زدہ چیخیں تاریک فضا میں تیر گئیں۔ اول خان کو کچھ پتا نہیں چل سکا کہ وہ گولی کہاں سے آئی تھی اور کدھر گئی۔ اس نے طاہر کا ہاتھ تھاما اور دیوانہ وار دوڑ کر قریب ترین دیوار سے چپک گیا۔

گلی میں پھیلا ہوا اندھیرا یکایک گہرا ہو گیا۔ مکانوں کی روشنیاں بہت تیزی کے ساتھ بجھا دی گئی تھیں تاکہ اندھیرے میں تاک تاک کر گولیاں چلانے والے نامعلوم حملہ آوروں کی نشانے بازی سے بچا جا سکے۔ وہ بہت خوفناک صورتِ حال تھی۔ وہ دونوں کھلی فضا میں تھے۔ دشمن کو ان کی پوزیشن کا اندازہ تھا جب کہ وہ ہر بات سے بے خبر تھے۔

کچھ دیر کے لیے اول خان کا ذہن ماؤف ہو کر رہ گیا تھا۔

Downloaded from https://paksociety.com

پہلے فائر کے بعد فضا پر کئی سیکنڈ تک بھیانک سکوت چھایا رہا۔ جوشی کی رہائشی اور ملکیتی عمارت اور ان کے درمیان محض ایک دروازے کا فاصلہ تھا' اس درمیانی بلڈنگ کے سامنے سے گزر کر وہ پھرتی سے اپنی مطلوبہ عمارت میں داخل ہو سکتے تھے۔

"میں جا رہا ہوں۔۔۔ تم بعد میں آنا۔" اول خان نے مزید انتظار کے بعد سرگوشی کی اور اسے مضطرب چھوڑ کر حرکت میں آ گیا۔

وہ عمارت کے سائے سے باہر نکلا ہی تھا کہ فضا دوسرے اور پھر تیسرے فائر سے گونج اٹھی۔ اس کے ساتھ فضا میں ایک ٹھٹی ٹھٹی بے ساختہ چیخ گونجی۔

دوسری گولی اول خان پر چلائی گئی تھی۔ اس کے ستارے اچھے تھے کہ گولی اس کے بائیں شانے پر سے گزر کر سڑک سے اچٹ گئی۔ تیسرا فائر طاہر نے کیا تھا۔ اس نے دوسرے فائر کا شعلہ بروقت دیکھ لیا تھا۔ اول خان پر جوشی کی بلڈنگ کے سامنے والی عمارت کی پہلی منزل سے گولی چلائی گئی تھی۔ طاہر کا نشانہ بے خطا رہا۔ اس نے فلیٹ میں چھپے ہوئے حملہ آور کو زخمی کر دیا تھا۔

تیسرے فائر کے بعد بس چند لمحوں کے لیے سکون رہا پھر فضا میں فائرنگ کا شور بھرتا چلا گیا۔ اول خان طاہر کے ساتھ ایک قریبی عمارت میں گھس کر راہداری کی دیوار سے چپک گیا۔

وہ اول خان کے لیے نیا کھیل نہیں تھا۔ اس کی پوری زندگی گولا بارود اور ہتھیاروں سے کھیلتے ہوئے گزری تھی۔ اس نے پہلا راؤنڈ چلتے ہی اندازہ لگا لیا کہ تیسرے فائر کے بعد کم از کم چار مختلف ہتھیاروں سے وحشیانہ فائرنگ کا آغاز کیا گیا تھا۔ فائرنگ کے ساتھ فضا خوف زدہ عورتوں اور بچوں کی بے ساختہ چیخوں سے بھی لرز رہی تھی۔

اول خان کے ذہن میں ایک تیز رفتار فلم چل پڑی۔ ویرا نے اسے بتایا تھا کہ شی کے بکھرنے پر جوشی کو اتنا مال ہاتھ آیا تھا کہ وہ اپنی پرانی سرگرمیوں سے تائب ہو کر شریفانہ زندگی کی طرف مائل ہو گیا تھا اور اپنی گزر اوقات کے لیے جائداد کے کرائے پر انحصار کرنے لگا تھا۔ اول خان کے پاس ویرا کی ان باتوں کی تصدیق کا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ دوسری طرف ان باتوں پر شبہ کرنے کا بھی کوئی سبب نہیں تھا۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ اسی شام ایس ٹی ایف کے ایک آدمی نے جوشی کی بلڈنگ کا ایک چکر لگایا تھا۔ اگر جوشی کی شہرت خراب ہوتی یا وہ خطرناک آدمی ہوتا تو اول خان کا بھیجا ہوا آدمی یہ باتیں ضرور نوٹ کرتا۔ اس کی فراہم کی ہوئی معلومات میں ایسا کوئی نکتہ نہیں تھا جو اول خان کو چونکنے پر مجبور کر دیتا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ کسی غیر معمولی تیاری کے بغیر جوشی کے اغوا کے لیے نکل کھڑا ہوا تھا۔

ان نامعلوم لوگوں کی طرف سے تقریباً ایک ڈیڑھ منٹ تک دھواں دھار فائرنگ ہوتی رہی۔ فائرنگ کے دھماکوں کی تعداد کے مقابلے میں پختہ سڑک پر آ کر معدوم ہونے والے شعلوں کی تعداد نہ ہونے کے برابر تھی۔ اس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ لوگ دہشت پھیلانے کے لیے ہوائی فائرنگ کر رہے تھے۔

جوشی اور اول خان کے درمیان کسی تیسرے فریق کی مداخلت خارج از امکان نہیں تھی۔ اس وقت چوپڑا کی وجہ سے را والے جوشی میں دلچسپی لے سکتے تھے۔ وہ جوشی کو چارے کے طور پر استعمال کرنا چاہ رہے تھے۔ چارے پر منہ مارنے والے کو شکار کرنا چاہتے تھے۔ کسی کو یہ اجازت نہیں دے سکتے تھے کہ وہ چارہ اٹھا کر چل دے۔

باہر سے ایک بند راہداری میں آ جانے کے بعد وہ دونوں عارضی طور پر محفوظ ہو گئے تھے مگر اول خان جانتا تھا کہ وہ صورتِ حال زیادہ دیر تک برقرار نہیں رہے گی۔ نامعلوم حملہ آور اپنے ہتھیار سنبھال کر عمارتوں سے باہر نکلیں گے اور پوری گلی میں پھیل جائیں گے۔

"یہاں سے نکل بھاگو ورنہ ہم دونوں مارے جائیں گے۔" اول خان نے خطرے کا ادراک کرتے ہی طاہر سے کہا اور وہ دونوں دروازے سے باہر نکل آئے۔

دروازے سے باہر رک کر اول خان نے اپنا پستول سیدھا کیا اور دیوار کے ساتھ دوڑتے ہوئے فضا میں گولیاں برسا دیں۔ اپنی اس حرکت سے وہ فریق ثانی کو کچھ دیر کے لیے خوف زدہ کرنا چاہتا تھا تاکہ اس کا تعاقب نہ کیا جا سکے۔

اول خان کے پستول سے پہلی گولی چلتے ہی فضا پھر گولیوں کے شور سے گونجنا اٹھی۔ حریفوں کو میگزین لوڈ کرنے کی مہلت مل چکی تھی۔ انہوں نے دھواں دھار فائرنگ شروع کر دی۔

اول خان نے صرف چار فائر کیے۔ وہ دونوں ویران گلی میں دیواروں کے ساتھ ساتھ سیدھے بھاگے جا رہے تھے۔ انہیں اپنے پیچھے کسی کے قدموں کی چاپ نہیں سنائی دے رہی تھی۔ اول خان کی ترکیب کارگر رہی تھی۔ وہ ذرا سی دیر میں فائرنگ کے اعصاب شکن شور کو پیچھے چھوڑ آئے۔ آخر کار فائرنگ بھی تھم گئی۔ شاید ان کے حریفوں کو ہوش آ گیا تھا کہ وہ یک طرفہ طور پر اپنے میگزین برباد کیے جا رہے تھے جس

Downloaded from https://paksociety.com